پوجا ہے پریت ہماری



التماس

ایک طویل عرصہ میرا قلم میری انگلیوں کی رفاقت سے محروم رہا۔ اس سے پیشتر میں نے قارئین کی خدمت میں گھر جلا برساتے میں' بت ارمنی' زہر بنے امرت' بن دیپ پتنگا راکھ اور گر گئی بندیا' پیش کیا۔ اللہ کے فضل سے میری گزشتہ تمام کتابوں کی طرح گر گئی بندیا بھی بے حد مقبول ہوئی۔ اس کتاب کی مقبولیت کا اندازہ میں نے اس طرح لگایا کہ اندرون ملک تو کیا بیرون ملک سے بھی چاہت و خلوص اور بے پناہ پسندیدگی کے خطوط موصول ہوئے۔ گر گئی بندیا میری زبردست ایک گھریلو معاشرتی تصویر تھی۔ اس میں سماج کے بندھن' مشرقی روایات کی آہنی کڑیاں' اصولوں کے بند و سلاسل میں جکڑی ہوئی زندگیاں' اس کے علاوہ ارض و سماء کا تضاد۔

ویسے میری اس تحریر کی مقبولیت کا ایک یہ بھی راز تھا کہ میرے شوہر سید افضل انجم بخاری جو حد درجے کے ادبی انسان ہیں۔ ادب ان کے بہترین مشاغل میں شامل ہے۔ گو وہ میری طرح شب و روز لکھنے کے عادی نہیں لیکن میری لکھی ہوئی ہر تحریر کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں اور اس پر دونوں ہی قسم کی اچھی بری تنقید کرتے ہیں اور یہ کاوش میری تحریروں میں خوبصورت رنگ ابھارتی ہے۔ تقریباً ایک سال کی جدوجہد کے بعد گر گئی بندیا اختتام تک پہنچی اور لوگوں نے مجھے دوسرا جنم لکھنے کے لیے مجبور کر دیا۔ میں نے اپنے قارئین کے لیے دوسرا جنم پہلے سے بھی کہیں زیادہ کاوشوں سے لکھا۔ یہ میرا رومانی اور معاشرتی ناول ہے۔ اس میں نوجوان خود سر اولاد کی دکھتی رگ کو چھیڑا ہے۔

اس لیے میں لکھنے کے لیے مجبور ہو گئی ہوں کہ انسان دوسرا جنم ضرور لیتا ہے چاہے وہ کسی روپ میں ہو۔ دوسرا جنم میرے قیمتی جذبات کا عکس ہے جسے عرصہ با سال کے بعد صفحہ قرطاس پر بکھیرا اور میں ناچیز اس عظیم ہستی کے سامنے سجدہ ر ہوں جس نے مجھے اتنی طاقت بخشی کہ میں دوسرا جنم کی وساطت سے قارئین کرا کے دل جیت سکوں۔

اب جس نام کی جانب آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتی ہوں وہ پوجا ہے پریت ہماری' یہ کہانی تمام کہانیوں سے ہٹ کر ایک اچھوتی کہانی ہے۔ اس میں محبت کے پاکیزہ لازوال جذبے کو ابھارا ہے۔ طالب کا مطلوب کے لیے جذبۂ صادق بیان کیا گیا ہے۔ عشق موروثی ہے اور یہ میراث صرف پوجا ہے پریت ہماری کے حصے میں ہی آئی ہے۔

مجھے امید ہے کہ قارئین کرام اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنی قیمتی آراء سے ضرور نوازیں گے کیونکہ میرے قارئین کی رائے بہتی ندیا کے بہاؤ کو تیز کر دیتی ہے۔ انشاءاللہ اس کے بعد آپ کی خدمت اقدس میں ضرور کوئی اچھی چیز پیش کروں گی۔

والسلام!

ناز کفیل گیلانی



شیشم کے پیڑ کے نیچے چلتی ہوئی شمی نے کندن کو دیکھا۔ وہ مسرت بھرے انداز میں چونکی اور مست آنکھوں میں پیار چاہت اور محبت کے مقدس جذبوں سے لبریز روشنی جگمگانے لگی۔ وہ ایک کومل لہر کی طرح بل کھا کر کندن کی طرف لپکی۔ کندن نوابزادی لاجونتی کے حسین خیالوں میں کھویا اپنے چھوٹے سے گھر کی طرف جا رہا تھا۔ اس کا باپ امیر بخش ایک مچھیرا تھا۔ اس کی ماں صابرہ واقعی صابرہ تھی۔ ایک قناعت پسند عورت شوہر کی وفادار اور ہر حالت میں خوش رہنے والی صابرہ شمی' کندن کے ماموں زاد کی بیٹی تھی۔ کندن اور شمی ایک دوسرے سے منسوب تھے۔ ان کے بیاہ کا دن مقرر کیا جانا تھا۔ وہ شمی سے کسی حال میں بھی شادی نہ کرنا چاہتا تھا مگر ماں کی خوشیوں کے پیش نظر وہ شمی سے شادی کرنے پر رضامند ہو گیا تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو یقیناً" اس کی ماں مرجاتی۔ اس نے اپنی ماں کی زندگی کے لیے اپنے آپ کو داؤ پر لگا دیا مگر وہ نوابزادی لاجونتی کا خیال کسی طرح بھی اپنے دل سے نہ نکال سکا تھا۔

لاجونتی نواب بختیار جنگ کی بیٹی تھی۔ لاجونتی اپنی ماں کو رانی ماں کہتی تھی کہ سب ہی لوگ بیگم بختیار جنگ کو اسی نام سے پکارتے تھے۔ وہ ایک بہت بڑے محل میں رہتے تھے۔ بہت بڑی جاگیر تھی ان کی۔ لاکھوں ایکڑ زمین کو وہ اپنی ملکیت بلا شبہ کہہ سکتے تھے۔

لاجونتی کو اس نے گھوڑ دوڑ میں دیکھا تھا۔ اس سے پہلے اس نے دور دور سے لاجونتی کو دیکھا تھا۔ اور وہ اسی روز سے اس پر فریفتہ ہو گیا تھا اور یہ فریفتگی وقتی نہ تھی۔ وہ محبت کے لافانی جذبے کو اپنے دل میں مچلتے محسوس کرنے لگا تھا۔ گھوڑ دوڑ

میں وہ شامل ہو گیا تھا۔ حالانکہ اس گھوڑ دوڑ میں نواب ہی شریک ہو سکتے تھے مگر وہ کسی کی پرواہ کیے بغیر شامل ہو گیا تھا اور اس نے وہ دوڑ جیت لی تھی۔ جب وہ اپنا انعام لینے آیا تو نواب بختیار جنگ نے اسے نفرت سے دیکھا اور وہ اس نفرت پر بے پرواہی سے مسکرا دیا۔ لاجونتی کی آنکھوں میں حیرت اور دلچسپی تھی۔ کندن نے لاجونتی کو دیکھا اور اسے جیسے بہت بڑا انعام مل گیا۔ لاجونتی کی حیرت اور دلچسپی اس کے مقدس جذبوں کو استحکام بخش گئی اور وہ شدید جذبوں کے تحت لاجونتی کو چاہنے لگا۔ اس کے قریب ہی مخملیں کرسی پر بیٹھا زمان اسے نفرت سے دیکھ رہا تھا۔ جب لاجونتی نے انعام کی تھیلی کندن کی طرف پھینکی تو وہ چراغ پا ہو گیا اور اس نے جھلا کر کہا۔

ہمیں نہیں معلوم تھا کہ یہاں نیچ ذات کے لوگ انعام لینے کے لیے بے چین رہتے ہیں۔

کندن نے چونک کر زمان کی آنکھوں میں نفرت اور حقارت کے شعلوں کو دہکتے دیکھا اور سکون اور بے فکری سے کہا۔

مجھے بھی نہیں معلوم تھا کہ نواب دولت کے بھوکے ہوتے ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے تھیلی زمان کی طرف اچھال دی اور تیزی سے گھوما۔ ایک نظر لاجونتی پر ڈالی اور گھوڑے پر اچھل کر بیٹھا اور دوسرے لمحے وہ گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا جا رہا تھا۔ اس کی اس جرات مندانہ ادا سے لاجونتی کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس کے مہین لبوں پر ملکوتی تبسم کھیلنے لگا۔ کندن اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ زمان لاجونتی کو محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اسے اس رقیب سے کسی وقت بھی ٹکرانا پڑے گا۔

کندن جان ہتھیلی پر رکھ کر رات کے پچھلے پہر ایک خفیہ مقام سے محل میں داخل ہوتا تھا اور لاجونتی کی مسہری پر پھول اور کلیاں رکھ آتا تھا۔ ایک روز نہ رہ سکا اور لاجونتی کی پیشانی پر اپنے جلتے ہوئے لب رکھ دیے۔ لاجونتی نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک اجنبی کو اپنی خواب گاہ میں دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی اور پھر دوسرے لمحے لاج سے سمٹ گئی۔ پھر اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

کون ہو تم؟

ایک دیوانہ۔ اس نے محبت بھری سرگوشی کی

دیوانہ۔ وہ حیرت و دلچسپی سے بولی۔ یہ تو کوئی نام نہ ہوا۔

مقدس جذبوں کو یہی نام دیا جا سکتا ہے۔ وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

دیوانے۔ وہ ترنم ریز آواز میں بولی۔ کیا تم ہی ہمارے بستر پر پھول رکھ جاتے ہو۔

جی۔ وہ سر خم کر کے بولا۔ یہی دیوانگی تو ہے جو یہاں لے آتی ہے۔

مت آیا کرو یہاں۔ وہ جلدی سے بولی۔ کسی روز کوئی پہرے دار گولی مار دے گا۔ جان گنوا بیٹھو گے۔

یہی جذبہ لے کر یہاں آتا ہوں۔ اس سے بڑی تمنا اور کیا ہو گی۔ آپ کی قربت میں جان نکلے۔

واقعی دیوانے لگتے ہو۔ وہ بھولپن اور معصومیت سے بولی۔

دیوانے اب جلدی سے بھاگ جاؤ۔ کوئی تمہیں یہاں دیکھ نہ لے۔

دوسرے لمحے وہ کھڑکی سے کود چکا تھا۔ نوابزادی لاجونتی کے محل میں جانا اس کا روز کا معمول بن گیا تھا۔ اسے اس طرح بہت ہی کیف اور لذت کا احساس ہوتا تھا اور لاجونتی کا دل بھی اس کی قربت میں کیف بار انداز میں دھڑکنے لگتا اور اسے انجانے سے سرور کا احساس ہوتا تھا۔ لاجونتی کی مرمریں شبیہہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھرک رہی تھی اور وہ آپ ہی آپ مسکراتا آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ شمی درختوں کے پیچھے چھپتی چھپاتی اس کے ساتھ ساتھ آ رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کی بدلتی کیفیات کو بغور دیکھ رہی تھی کہ وہ کیا سوچتا جا رہا ہے۔ جب راستہ ذرا طول پکڑ گیا تو وہ اچانک اس کے سامنے آ گئی۔

میں.......

اس نے بڑے ہی پیارے بھرے انداز میں اسے ڈرانے کی کوشش کی اور بڑھ کر بڑے ہی حشر ساماں انداز میں اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔

اس کا یہ انداز بہت ہی دلکش اور تڑپا دینے والا تھا مگر اسے شمی کو وہاں دیکھ کر ناگواری کا احساس ہوا۔ وہ تالی بجا کر بولی۔

ارے ان میں تو میں ہوں۔ کتنی خوبصورت ہیں تمہاری آنکھیں۔

وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا اور ذرا سخت لہجے میں بولا۔

جھوٹ مت بولو شمی۔

سچ کہتی ہوں کندن۔

ان آنکھوں میں کیا ہے تم نہ جان سکو گی شمی۔ وہ طنزیہ بولا۔ یہ دل کے معاملے ہیں۔ یہ کہہ کر کندن نے اسے بازو سے ایک طرف ہٹایا اور آگے بڑھ گیا۔

وہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

ہونہہ' دیکھ لوں گی ان آنکھوں میں' بس چند دن کی بات ہے۔

یہ کہہ کر پھر وہ خود ہی حیا سے سمٹ گئی اور باتونی ہونٹوں پر چاہت بھرا تبسم لیے کنوئیں کی طرف جانے لگی۔ آگے بڑھتے ہی کندن کے خیالوں میں پھر نازک اندام لاجونتی آ بسی اور وہ اپنے گھر آ گیا۔

رات گئے تیسرے پہر وہ جھونپڑے سے باہر نکلا گھوڑے پر بیٹھا اور محل کی طرف چل دیا۔ گھوڑا سرپٹ بھاگا چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لاجونتی کتنی خوبصورت ہے۔ وہ اسے پانے کیے لیے جان کی بازی لگا دے گا۔ اگر لاجونتی اسے نہ ملی تو وہ اسے حاصل کرنے کی کوشش میں جان دے دے گا۔ پھر اسے اپنی ممانی زینب کا خیال آیا۔ نواز اس کے ماموں اور زینب شمی کو اس کی زندگی میں دھکیلنا چاہتے ہیں۔ بھولے سے نہیں جانتے کہ اس بت کی روح تو کبھی کی لاجونتی کی ہو چکی ہے۔ لاجونتی جو پھولوں کی طرح پاکیزہ ہے اور مقدس جذبوں کی طرح نرم و کومل ہے۔ لاجونتی' لاجونتی تم میری ہو۔ تم کسی زمان کی نہیں بن سکتیں۔ کم از کم میری زندگی میں نہیں۔ یہ میرے دل کی آواز ہے۔

زمان نواب بختیار جنگ کا بھتیجا تھا اور ان کے محل میں رہتا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور ہستی چمن بیگم جو کہ اس کی دور کی خالہ تھی' اپنی شوخ و چنچل بیٹی عالم آرا کے ساتھ اسی محل میں ٹھہری ہوئی تھی۔ وہ بہت ہی عیار اور زمانہ ساز خاتون تھیں۔

ان کی خواہش تھی کہ کسی طرح بھی ہو عالم آرا اور زمان کی شادی ہو جائے مگر ابھی انہیں یہ تمنا ایک خواب ہی نظر آتی تھی کیونکہ رانی ماں اور نواب بختیار جنگ لاجونتی کو زمان کی امانت سمجھتے تھے مگر چمن بیگم بھی انہی کوششوں میں مصروف تھیں۔

نوابزادی لاجونتی مسہری پر محو خواب تھی۔ حریر اور اطلس مخمل کے پردے ہوا کے جھونکوں سے سرسرا رہے تھے۔ وہ ایک سائے کی مانند لاجونتی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ لاجونتی کے چاند سے چہرے پر گھٹاؤں جیسے بال پھیلے ہوئے تھے۔ وہ اسے کسی حور کی طرح دکھائی دی اور وہ بے قرار دل سے مجبور ہو کر جھکا اور اس کی پیشانی چوم لی۔ اچانک لاجونتی نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ ایک دم اٹھی اور کندن نے اسے اپنی بانہوں میں سمیٹ لیا۔ لاجونتی کو ایک عجیب سے سرور کا احساس ہوا اور اس نے لذت آمیز انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

وہ سرگوشی میں بولا۔

مجھے یقین ہے آپ بھی اس دیوانے کو چاہتی ہیں۔

یہ کہہ کر اس نے بانہیں ہٹا لیں۔ اور ایک سائے کی مانند غائب ہو گیا۔ لاجونتی نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ پھر ایک جاں نواز مسکراہٹ اس کے لبوں پر کھیلنے لگی اور اس نے حیا سے سمٹ کر کہا۔

ہاں دیوانے ہم بھی تمہیں چاہتے ہیں۔ اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

کندن برق رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا ہوا اپنی بستی کی جانب بڑھ رہا تھا۔ دل میں خوشیوں نے ہلچل مچا دی تھی۔ محبت میں جس قدر لذت آج محسوس ہوئی تھی وہ زندگی بھر کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔ آج لاجونتی کے بے پناہ حسن میں کھو کر اس کی مخمور بے داغ جوانی کو بازوؤں میں سمٹ کر کس قدر سکون نصیب ہوا تھا۔ حالانکہ یہ محبت ابھی یکطرفہ تھی۔ لاجونتی کے بارے ابھی وہ کچھ نہیں کہہ سکتا تھا لیکن پھر بھی اس کو یقین کامل تھا کہ لاجونتی ایک نہ ایک دن اس کی ضرور بنے گی۔ محبت ایک ناقابل تسخیر قلعہ ہے جو سوائے عاشق صادق کے اور کوئی فتح نہیں کر سکتا۔ اس کی محبت میں طاقت تھی۔ اس کا جذبہ صادق تھا۔ اس میں جوش تھا۔ عزم اور ولولہ تھا۔ بے شک اس کے اندر کا انسان بار بار اسے خوفزدہ کرتا رہتا تھا لیکن کندن نذر اور

بے باک نوجوان تھا۔ وہ لاجونتی کو اپنا چکا تھا۔

تم باز آؤ کندن' لاجونتی ہرگز تمہاری نہیں بن سکتی۔ وہ نواب کی بیٹی ہے۔ نواب بھی وہ جو کئی جاگیروں کا مالک ہے۔

وہ تڑپ اٹھا۔

نہیں نہیں' میں لاجونتی کو ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔

وہ تڑپ کر جھکا۔ اس تصور نے اس کے حواس کو بے قابو کر دیا تھا۔ اس کے گھوڑے کو ٹھوکر لگی۔ اس نے چونک کر گھوڑے کی لگام کو پوری طاقت سے کھینچ لیا۔ کچھ گھوڑے نے بھی خود کو سنبھال لیا تھا لیکن کندن بال بال بچ گیا۔ ویسے تو پاؤں رکاب سے نکل چکے تھے۔

کندن نے گھوڑے کو ایک جگہ روک کر اس کو تھپکی دی۔ اپنا اور گھوڑے کا سانس درست کیا۔ پھر آہستہ سے گھوڑے کو گاؤں والی سڑک پر چھوڑ دیا۔

کندن۔

وہ ایک دم سے چونک گیا۔ کوئی جانی پہچانی آواز اس کا تعاقب کر رہی تھی۔

ارے یار' اتنی صبح کہاں سے آ رہے ہو؟

کندن کا بچپن کا دوست راجو اسے پکار رہا تھا۔

کندن نے راجو کی آواز پہچان کر گھوڑے کو روک لیا اور راجو نے بڑھ کر گھوڑے کی لگام آگے سے پکڑ لی۔

شہر سے۔

کندن بھی گھوڑے سے اتر آیا۔

دونوں دوست باتیں کرتے کرتے پیدل ہی بستی تک آ گئے۔

یار کہاں غائب رہتے ہو؟

راجو نے اپنے گھر کی گلی کی جانب جانے کے لیے راستہ بنایا۔

یہیں رہتا ہوں۔

اچھا۔

راجو کا انداز بامعنی تھا۔ وہ سب کچھ پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس وقت موقعہ کی نزاکت بھانپتے ہوئے گھر کی جانب چل دیا۔

کندن نے گھوڑے کو ادھر اپنے گھر والی گلی میں موڑ دیا۔

آ گئے بیٹا۔

صابرہ نے دیکھا وہ گھوڑے کو باہر باندھ کر خود دبے پاؤں صحن میں آ رہا تھا۔

ہاں اماں۔

وہ ماں سے نظریں چرا کر سامنے کمرے میں چلا گیا۔

ماں خاموش ہو گئی۔ اس نے ویسے بھی زیادہ پوچھنا چھوڑ دیا تھا۔ راتوں کو باہر رہنا تو اس کا معمول تھا۔

چائے لاؤں بیٹا۔

صابرہ نے اوڑھنی سے گیلے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

ہاں اماں' چائے تو میں ضرور پیوں گا۔

وہ بے ساختہ پلٹ کر ماں کے شانے تھام کر بولا۔

صابرہ نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

اماں کیا دیکھ رہی ہو۔

میں آج تمہاری آنکھوں میں ویرانیوں کی جگہ خوشیوں کے ہزاروں رنگ دیکھ رہی ہوں۔

آج کیا بات ہے میرے لال۔

صابرہ نے محبت سے مغلوب ہو کر کندن کے الجھے بالوں کو پیشانی سے ہٹایا۔

آج بہت خوش ہوں ماں۔

کندن کی آنکھوں میں لاکھوں چراغ تھے۔

کیوں؟

ماں نے حیران ہو کر پوچھا۔

یہ مت پوچھو ماں' بس خوش رہو۔

کندن نے کمر سے پٹی اتار کر سامنے لکڑی کے بینچ پر رکھ دی۔

اچھا' میں پھر تمہارے لیے چائے لے آؤں۔ ترا باپ تو کب سے دریا پر چلا گیا

ہے۔

صابرہ جاتے جاتے بولی۔

بس میں بھی گیا۔

کندن نے دھم سے چارپائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔

لو پھر کھانا کھاؤ۔

صابرہ نے چائے والا پیالہ اور گھی والی روٹی کندن کے قریب رکھ دی اور خود باہر چلی گئی۔

کندن نے جلدی جلدی چائے پی اور جانے کے لیے تیار ہو گیا۔

اماں، میں جا رہا ہوں۔

وہ دوبارہ پٹی باندھتے ہوئے بولا۔

صابرہ نے چونک کر دیکھا۔ اس نے نصف روٹی اور چائے کا پیالہ ہی پیا تھا۔

یہ ناشتہ کیا تھا تو نے۔ بس اتنی سی روٹی کھائی ہے۔

صابرہ نے حیرت سے روٹی کو اور پھر کندن کو بغور دیکھا جس کے چہرے پر بلا کی چمک اور بشاشت تھی۔

ہاں اماں، میں نے سیر ہو کر روٹی کھائی ہے۔

وہ جاتے جاتے بولا۔

صابرہ دیکھتی رہ گئی اور وہ باہر والے دروازے کی دہلیز پار کر گیا۔

سیدھی سادی صابرہ ہرگز نہ جانتی تھی کہ اس کا نوجوان بیٹا کیوں خوش ہے۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ شاید وہ شمی سے شادی کی خوشی میں خوش ہے۔ اسے کیا معلوم وہ عشق کی بھٹی میں جل رہا ہے۔ لاجونتی کو پانے کی خواہش نے اس کو بے قرار کر دیا تھا۔ اسے یہ سب کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ تو آج کندن کو واپسی پر خوش خبری بتانے والی تھی۔ شادی کی تاریخ بتانے والی تھی۔ شمی کو بہو بنا کر لانے کی اس کو کس قدر آرزو تھی اور یہ آرزو ایک مدت کے بعد پایہ تکمیل تک پہنچنے والی تھی۔

اس سوچ نے اس کو سارا دن دیوانہ بنائے رکھا۔ وہ شام تک کندن کے انتظار

میں کس قدر بے چین رہی۔ خدا خدا کر کے اس کا انتظار ختم ہوا۔ سورج مغرب کی گود میں ڈوب رہا تھا۔ اجالے کا دم خم ٹوٹنے لگا تھا۔ دور شفق کی جانب پنکھ پکھیرو اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔ دیکھتے دیکھتے کائنات کے وجود پر تاریکی کی سیاہ چادر پھیل گئی۔ بستی کی مدھم ملگجی روشنیاں جل اٹھی تھیں ۔ کندن اور امیر بخش بھی فارغ ہو کر لوٹ رہے تھے۔

امیر بخش تو آتے ہی صحن سے ہوتا ہوا بستر کی جانب بڑھ گیا۔ وہ آج بہت تھک چکا تھا۔ بے شک دیر کے بعد کندن نے بھی امیر بخش کی بہت مدد کی تھی لیکن بڑھاپا بہت بڑی بیماری ہے۔ صابرہ نے جلدی سے شوہر کے لیے حقہ تازہ کیا اور اس کی چارپائی کے قریب رکھ دیا۔

کیا بات ہے؟ طبیعت تو ٹھیک ہے۔

صابرہ نے دیکھا امیر بخش لباس تبدیل کیے بغیر ہی لحاف میں گھسا جا رہا تھا۔

سردی بہت محسوس ہو رہی ہے۔ تم جلدی سے گرم گرم چائے کا پیالہ پلا دو۔

امیر بخش نے جیسے بیوی سے ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں منت کی۔

چائے تو میں ابھی لاتی ہوں اور تو کوئی تکلیف نہیں نا۔

صابرہ بہت فکر مند نظر آ رہی تھی۔

نہیں نہیں، تم جاؤ۔

امیر بخش نے چہرے کو لحاف سے اچھی طرح ڈھانپتے ہوئے کہا۔

اتنی دیر میں کندن بھی اندر آ چکا تھا۔ لباس تبدیل کر کے وہ بھی چارپائی میں گھس گیا۔ سردی ویسے بھی آج قدرے زیادہ تھی۔ آسمان پر کافی دنوں سے بادلوں نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ مرطوب ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

صابرہ دونوں باپ بیٹا کے لیے چائے لے آئی تھی۔

لو بیٹا چائے ۔

صابرہ نے چائے کا پیالہ کندن کی طرف بڑھایا جو منتظر بیٹھا تھا۔ کندن نے ہاتھ بڑھا کر پیالہ پکڑ لیا۔ دوسرا پیالہ صابرہ نے امیر بخش کی طرف بڑھایا۔ دو ایک آوازیں دینے کے بعد امیر بخش چونک کر اٹھا۔

نیند آ گئی کیا؟ صابرہ نے پیالہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

کندن نے جھک کر امیر بخش کے بازو پر ہاتھ رکھا۔

بابا تمہیں بخار ہے۔

شاید اسی لیے نقاہت محسوس ہو رہی ہے۔

امیر بخش نے پیالہ ہونٹوں کو لگا لیا۔

صابرہ نے اسپرین کی ایک گولی جو کئی دن ہوئے حکیم سے لائی تھی امیر بخش کے پاس لے آئی۔

یہ کھا لو کندن کے ابا۔ بخار کو آرام آ جائے گا۔

صابرہ نے پڑیا کھول کر امیر بخش کی جانب بڑھا دی۔

امیر بخش نے کسی معصوم بچے کی طرح خاموشی سے دوائی منہ میں رکھ کر اوپر سے چائے کا گرم گرم گھونٹ پی لیا۔

تم نے بخار چڑھا لیا تو شادی کا کام کیسے ہو گا۔

صابرہ مسرت و انبساط کے جھولے میں جھول رہی تھی۔

سب کام ہو جائے گا۔ گھبراؤ نہیں۔

امیر بخش چائے پینے کے بعد سیدھا لیٹ گیا لیکن کندن ایک ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر ماں کی بات کا مطلب سوچ رہا تھا۔ اچانک اس بات سے اس کے چہرے کی بشاشت پژمردگی میں تبدیل ہو چکی تھی۔ وہ متوحش نظروں سے صابرہ کو دیکھ رہا تھا۔

میں نے تیری شادی کی تاریخ مقرر کر دی ہے بیٹا۔

نہ جانے کیوں ماں شرمسار سی لگ رہی تھی۔

اماں۔

وہ چیخ اٹھا۔

یہ تو نے کیا کیا، میں کسی اور کا ہو چکا ہوں اماں۔

کندن ضبط کے سارے بندھن توڑ کر بڑے مضطربانہ انداز میں ہاتھوں کو چہرے پر رکھتے ہوئے بولا۔

کندن کی بے ساختہ چیخ اور بے قرار تڑپ سے امیر بخش نے چونکتے ہوئے

کندن کو پلٹ کر دیکھا لیکن پھر وہ شاید بولنے کی سکت نہ رکھتا تھا۔ کروٹ بدل کر سو گیا۔

کندن بیٹے، میرے بچے میں سب جانتی ہوں تو کسی کا ہو چکا ہے۔ صابرہ نے محبت سے کندن کو جیسے سمجھایا۔

پھر یہ، یہ سب کچھ کیا ہے، ماں۔

وہ سر کو ہاتھوں پر رکھ کر سسک اٹھا۔ لاجونتی۔

ماں جان چکی تھی اس آگ کو سرد کرنا بہت مشکل کام ہے۔

تمہیں کون کہتا ہے تم لاجونتی کو چھوڑ دو۔ ضرور حاصل کرو لیکن یہ خیال ضرور رکھنا۔ شمی سے تمہاری شادی ضرور ہو گی۔

ماں کا دل جل اٹھا لیکن انداز انتہائی نرم اور رحم انگیز تھا۔

اماں، میں کیسے شمی سے شادی کروں، بتاؤ نا ماں۔

کندن بے ساختہ ماں کے قدموں پر جھک گیا۔

شمی سے شادی ضرور کرنا ہے بیٹا۔

ماں نے جھک کر کندن کے ہاتھوں کو چوم لیا۔

اچھا۔

وہ ایک ٹک ماں کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس کی بھیگی پلکیں لاجونتی سے احساس جدائی دلا رہی تھیں۔ نہیں نہیں، یہ نہیں ہو سکتا اماں۔

وہ پلٹ کر سیدھا ہو گیا۔

تم بے شک میری لاکھ شادیاں کر لو۔ میں لاجونتی کو نہیں چھوڑ سکتا۔

ماں نے تڑپ کر بیٹے کو دیکھا۔

جس کے لفظوں میں زبردست احساس تمنا، چاہت، محبت اور جذبے میں سچی لگن تھی۔

میری منت ہے بیٹا، اللہ کا واسطہ، میری عزت رکھ لو، کہہ دو تم شمی سے شادی کر لو گے۔

ماں نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیے۔

دیوانے پن کو آتے دیر نہیں لگتی۔ بار بار اس ذکر نے اس کے جذبات میں آگ لگا دی۔ وہ لحاف کو پرے پھینک کر کھڑا ہو گیا۔ سرخ سرخ انگارہ آنکھیں ماں کی طرف اٹھیں۔ کندن پر ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔

کر لو شادی' ماں تمہیں کھلی چھٹی ہے۔ کر دو میری شادی۔ اپنی خواہش کو رنگ لو۔ میری میت کو پھولوں سے سجا دو۔ میرے کفن کا انتظام کر لو ماں۔ تم خوشیاں مناؤ۔ وعدے پورے کرو۔ ضرور کرو شادی' میرا کیا ہے۔ تڑپ لوں گا۔ یہاں نہیں وہاں سہی۔ کسی اور جگہ سہی۔ وہ دیوار کے ساتھ لگ کر بے قرار مچل اٹھا۔

صابرہ خاموش برتن اٹھا کر باہر چلی گئی۔

کندن کو بستر ڈسنے لگا تھا۔ وہ کمرے سے نکل کر باہر صحن میں چلا گیا۔

صابرہ واپس آ چکی تھی۔

سو گئے ہو کندن کے ابا۔

صابرہ نے امیر بخش کے قریب جا کر پکارا۔

نہیں' کہاں سو گیا۔ ہمارے نصیبوں کی اب نیند ختم ہو گئی ہے۔

امیر بخش نے کروٹ لیتے ہوئے لحاف سے منہ نکالا۔

جاگ رہے تھے۔

صابرہ نے چادر سے بھیگا ہوا چہرہ صاف کیا۔

ہاں' میں سب کچھ سن رہا تھا۔

تو اب کیا کریں۔

صابرہ نے التجا آمیز لہجے میں امیر بخش سے کہا۔

شادی کر دو۔ کم از کم بھائی نواز کے سامنے شرمندگی تو نہ ہو گی۔ ویسے بھی ساری بستی میں بات پھیل چکی ہے۔

کیا۔

صابرہ نے منہ کھولا۔

یہی کہ کندن اکثر راتوں کو باہر رہتا ہے۔

اچھا۔

صابرہ نے متغیرانداز میں آنکھیں پھیلا لیں۔

یہی میرا مقصد ہے کہ نواز بھائی کے کانوں تک بات پہنچنے سے پہلے شادی ہو جانا چاہئے۔

امیر بخش نے بیوی کو دل سے مشورہ دیا۔

صابرہ بے چین بے قرار اپنی چارپائی پر لیٹ گئی۔ آنسوؤں بھری نظروں سے اس نے کندن کے بستر کی جانب دیکھا' بستر خالی پڑا تھا۔

رات بیتتی چلی گئی۔

تینوں اپنی اپنی آگ میں جل رہے تھے۔

اور ایک بے نام سی سسکتی ہوئی صبح ہوئی' بے نور سی' جس نے دلوں کو بے نور کر دیا تھا۔

جس میں کوئی دلکشی نہ تھی۔





دل والوں کا دین علیحدہ ہوتا ہے۔ بدن کاٹو یا سر کاٹ دو۔ یار کی چوکھٹ پر سجدہ ضرور ہو گا۔ دنیا چاہے لاکھ پہرے لگا دے۔ عشق دیوانہ سولی چڑھ کر ناچے گا اور کبھی بازار میں ناچے گا۔ لگن دیوانہ بنا دیتی ہے۔ محبت کے پجاری کبھی محبوب کی یاد کو دل سے فراموش نہیں کرتے۔

ڈھولک کی تھاپ پر اس کا دل چھلنی ہو گیا۔ شادی کے ہنگامے اس کا سکون برباد کئے جا رہے تھے۔ قیامت کا سماں تھا۔ شادی کیا تھی' سوگ تھا۔ وہ کمرے کا ہو کر رہ گیا تھا۔ لاجونتی کو ملے ہوئے کئی دن ہو گئے تھے۔ گھر میں ہنگامہ تھا۔ وہ خود کو دوسروں کا پابند بنا کر زندہ تھا۔ ماں سے پوچھے بغیر وہ کہیں بھی تو نہیں جا سکتا تھا۔ پھر موقعہ ہی ایسا تھا۔ لڑکیاں بالیاں الٹے سیدھے گیت گا گا کر اس کو تنگ کر رہی تھیں۔ کہیں وہ کمرے سے نکلتا ہوا گھبراتا تھا۔

اے ہے' کندن' تم شرماتے ہو۔

ایک محلے دار عورت نے قہقہہ لگا کر کہا۔

اے بہن' میرا کندن بڑا شرمیلا ہے۔

صابرہ نے بیٹے کی تعریف کر دی۔

اری واہ' ہماری شمی سے بھی زیادہ۔

ایک لڑکی جو شمی کی طرف داری میں بولی۔

ایک ساتھ کئی قہقہے بلند ہوئے جو ڈھولک کی تھاپ میں دب کر رہ گئے اور کندن کا سینہ چھلنی ہو گیا۔ یوں جیسے لڑکیاں ڈھولک پر تھاپ نہیں مار رہیں۔ اس کے سینے میں برچھیاں گھونپ رہی ہوں۔ یہ بین ہیں۔ اس کی میت پر۔ اس کی آرزوؤں کی بربادی' اس کی تمناؤں کا جنازہ اٹھے گا۔ وہ بے قرار ماہی بے آب کی طرح بستر پر تڑپ رہا تھا۔ دوسرے دن اس کو شمی کے ہاں برات لے کر جانا تھا۔ سب کو خوشیاں بانٹنی تھیں لیکن اس کو خوشیاں کون دے گا۔

رات بہت ہو چکی تھی لیکن کسی کو احساس تک نہ تھا۔ صابرہ خوشی خوشی سب کو بری دکھا رہی تھی۔ سب لوگ بہت خوش تھے۔ سب نے صابرہ کی تعریف کی کہ ہر کام اس نے تنہا کیا تھا لیکن بہت اچھا کیا تھا۔ سب عورتیں ہاتھوں میں پکڑ پکڑ کر دیکھ رہی تھیں۔

خاصل چاندی ہے۔

ایک عورت نے کہا۔

ہاں' سب کچھ بہت اچھا ہے۔ خدا نصیبوں والی کو نصیب کرے۔

عورتوں نے دعا دی۔

اور صابرہ نے خوشی سے ہاں میں ہاں ملائی۔

چلو بھئی رات بہت ہو گئی۔

اچانک ایک عورت کے کہنے پر ساری لڑکیاں کھڑی ہو گئیں۔

ارے واہ' منہ میٹھا نہیں کرو گی۔

صابرہ جلدی سے اندر گئی اور باہر آ کر سب کو پتاشے تقسیم کیے۔

آہستہ آہستہ گھر خالی ہونے لگا۔ صحن خالی دیکھ کر صابرہ نے شادی کا سامان سنبھال لیا۔ رشتے کی چند ایک عورتیں آئی ہوئی تھیں لیکن وہ تو تھکی ہاری کب سے اندر سو چکی تھیں۔ امیر بخش نے بستر ہی باہر میدان میں لگا لیا تھا کہ لڑکیاں بالیاں ڈھولک بجائیں گی۔ وہ صحن میں چلتا پھرتا برا لگے گا۔

صابرہ ایک پتاشہ کندن کے پاس لے آئی۔

تو نے منہ میٹھا کیا۔

صابرہ نے ایک پتاشہ کندن کی طرف بڑھایا۔

میں نہیں کرتا منہ میٹھا۔

کندن نے بے دلی سے منہ موڑ لیا۔

ارے واہ تو کیوں نہیں کرے گا۔

صابرہ نے زبردستی پتاشہ کندن کے منہ میں ٹھونس دیا۔

وہ یوں احساس دلا رہی تھی جیسے اس کو کچھ پتہ ہی نہ ہو۔ وہ سب کچھ بھول جانا چاہتی تھی۔ ماں اسے پتلیوں کا ناچ نچا رہی تھی۔ وہ ماں کے کہنے پر دنیا کی ہر رسم نبھا رہا تھا۔ اس کی ماں کو کوئی شکایت نہ رہ جائے۔ ماں کی ہی خوشی کو دوبالا کرنے کے لیے اس نے آج شب شمی کا گھونگھٹ الٹ دیا۔ شمی سمٹ گئی۔ ریشمی جوڑے اور زیورات میں لدی پھندی شمی اچھی لگ رہی تھی۔ شمی نے گھونگھٹ کی اوٹ میں دیکھا۔ آج وہ اس شخص کی ہو چکی تھی جس کی پرستش کرتے اس کو عرصہ گزر گیا تھا۔ آج وہ اس کا مجازی خدا تھا۔ اسے کندن کے ہر اشارے پر سر خم کرنا ہو گا۔ وہ آنکھیں بند کئے حسین سپنوں میں کھو گئی اور کندن اس کے روپ میں لاجونتی کو تکے جا رہا تھا۔ لاجونتی دلہن بنی اس کے پاس بیٹھی تھی۔ وہ آہستہ سے جھکا اور شمی کو اپنی گرم گرم آغوش میں لے لیا۔

لاج۔

وہ والہانہ انداز میں جھکا اور شمی کے رخساروں کی بلائیں لے لیں۔

جی۔

شمی نے چونک کر حیرت زدہ سی آنکھیں کندن کے چہرے پر ڈال دیں۔

ہاں ہاں، تو لاجونتی کی طرح حسین ہے، شمی۔

کندن نے چونک کر شمی کو سینے سے لگا کر اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہی لیکن جو پھانس اس کے دل میں چبھ چکی تھی اس کی ٹیس کم نہیں زیادہ ہو رہی تھی۔ شب درد سے بے چین ہو کر شمی نے اپنے جسم کو کندن کے ہی بدن کا سہارا دے دیا کیونکہ اس کا بدن ٹوٹ رہا تھا اور ستاروں نے منہ چھپا لیے، شب بیتی چلی گئی۔

تیسرے دن خوشی خوشی شمی کو رخصت کر دیا گیا تھا۔ اصول کے مطابق چند دن والدین کے ہاں رہنے کے بعد دلہا جائے گا اور دلہن کو لے آئے گا۔

لے بیٹے کھانا کھا لے۔

صابرہ نے طشتری میں سالن اور روٹی رکھ کر کندن کے سامنے رکھ دی۔

ماں۔

وہ ماں کی اس فہمائش کو رد نہ کر سکا۔ بے دلی سے نوالہ توڑ کر چبانے لگا۔

بیٹے، اتنی بدشگونی اچھی نہیں، چند دن کی بات ہے، چہرے کو اداسیوں سے پاک کر۔ ماں نے محبت سے کندن کے بال سلجھائے۔

یہ اداسیاں میری زندگی کا روگ بن چکی ہیں ماں۔

کندن کا دل کٹا جا رہا تھا۔

اب تیری شادی ہو چکی ہے بیٹا، تمہیں ان اداسیوں سے نکلنا ہو گا۔

یہ میری شادی نہیں ہے۔

کندن تڑپ اٹھا، غصے سے اس نے سالن پرے کر دیا۔

اور کس کی ہے۔

صابرہ حیرت سے بولی۔

یہ شادی تیرے اصولوں کی ہے، تیرے بھائی کی بیٹی کی ہے، تیرے وعدے کی ہے جو تو نے بچپن سے کیا ہوا تھا۔ یہ میری شادی نہیں ہے۔ نہیں ہے۔

آخری فقرہ مکمل کرتے ہی وہ سسک اٹھا۔

دیکھ ماں، میں نے تیری بات کس جبر سے مانی ہے۔ اس دل کو کس طرح مجبور کیا ہے۔ اب تو نے مجھے نہیں منع کرنا۔ میں جہاں بھی جاؤں۔ جتنی راتیں باہر رہوں۔ تیری خاطر دولہا بھی بنا ہوں۔ سہرا بھی باندھا ہے۔ میں نے تیری ہر بات مانی ہے۔ اب تو مجھے نہیں روک سکتی ماں۔

یہ کہتے ہوئے کندن نے صابرہ کے بازو جھنجھوڑ ڈالے۔

وہ کیا جواب دیتی۔

اس سے پہلے کہ کندن کو روکتی وہ باہر والا دروازہ پار کر گیا تھا اور وہ ہاتھ ملتی عالم پریشانی میں صحن سے واپس لوٹ آئی۔

اس کے اندر گہری تشویش کروٹیں لے رہی تھی۔ نہ جانے اس قدر دن گزر گئے۔ لاجونتی کس حال میں ہے۔ کندن کو ہر لمحہ ہر آن یہی فکر دامن گیر رہتا کہ

لاجونتی کسی کی نہ ہو جائے۔ اس خیال کے تحت وہ بری طرح لرز جاتا۔ اس سوچ کے ساتھ ہی اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ رکاب میں اس کے پیر زور زور سے گھوڑے کے پیٹ میں چبھنے لگے۔ گھوڑا ہوا سے باتیں کرنے لگا اور وہ نصف گھنٹے کے بعد اپنی منزل مقصود تک پہنچ گیا۔ گھوڑے کو حسب معمول اس نے دریا کے مغربی کنارے پر ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا کیونکہ اس طرف نواب بختیار جنگ کے آدمیوں کا گزر کم ہوتا تھا۔ وہ بڑی برق رفتاری سے اونچے نیچے ٹیلے عبور کرتا محل کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اگر اس کا جذبہ صادق تھا تو لاجونتی اس کے انتظار میں راتوں کی نیند دن کا چین گنوا بیٹھی تھی۔ وہ سحر کے انتظار میں دلآرام کو قریب بٹھائے اس سے محو گفتگو تھی۔

آپ آرام کرلیں چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے کہا۔

کیسے آرام کرلیں دل آرام‘ ہمارا آرام وہ اجنبی لے گیا ہے۔

لاجونتی نے اپنے آپ کو کرسی کی پشت پر گرا دیا۔

آپ کیوں اپنی جان کو روگ لگا بیٹھی ہیں۔

دل آرام نے بڑے دکھ سے لاجونتی کی ہمدردی کی۔

ہم کہاں چاہتے تھے کہ یہ روگ ہماری جان کو لگے۔

لاجونتی چونک کر اٹھتے ہوئے دریچے میں آ گئی‘ لیکن وہاں تاریک شب کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ہر ہونے والی آہٹ کو وہ کندن کے آنے کی آواز سمجھتی تھی۔ اس کے چہرے پر انتظار کی گہری پرچھائیاں مترشح تھیں۔ وہ بار بار کمرے کے ہر دریچے کے پردے کے اٹھنے کا انتظار کرتی۔

چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے لاجونتی کو پشت سے پکارا۔

دل آرام‘ ہم نہیں چاہتے کہ وہ یہاں آئے لیکن اس کا ہمیں شدت سے انتظار بھی ہے۔

لاجونتی نے پلٹ کر کہا۔

آپ یہاں بیٹھ جائیے نا۔

دل آرام نے اٹھتے ہوئے لاجونتی کو پلنگ کی جانب اشارہ کیا۔

تم جاؤ دل آرام‘ رات بہت گزر چکی ہے۔

لاجونتی نے بے چین نظریں باہر والے دروازے کی جانب ڈال کر کہا۔

آپ کو اس طرح بے چین دیکھ کر مجھے نیند نہیں آئے گی چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے وفاداری کا بھاری ثبوت پیش کیا۔

نہیں تم جاؤ‘ ہم تو آج شب شاید بالکل نہ سو سکیں۔ ہمیں وہ اجنبی بہت یاد آ رہا ہے۔ یہ آواز دل کی گہرائیوں سے نکلی تھی۔

دفعتاً لاجونتی اور دل آرام نے پلٹ کر دریچے کی طرف دیکھا۔ کندن نے پہرے داروں کی گرفت سے بچنے کے لیے دریچے کے اندر قالین پر چھلانگ لگا دی تھی۔

وہ سنبھل کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ گھنے بالوں کو سفید پیشانی سے ہٹا کر اس نے لاجونتی کو ساکت و جامد دریچے کے پاس کھڑے دیکھا۔ دل آرام بھی متحیر سی کھڑی تھی۔ حیران و پریشان کندن کچھ بول نہ سکا۔ اس نے صرف محبت پاش نظروں سے لاجونتی کے رخ زیبا کی لاکھوں بلائیں لے لیں۔ لاجونتی نے متوحش نظر کندن کے ہاتھوں پر ڈالیں جن میں سفید اور سرخ گلاب کی کلیاں تھرتھرا رہی تھیں۔

دل آرام نے پہچان کرلی تھی۔ وہ کندن کی خوبصورت دلکش جوانی کو دل ہی دل میں سرا رہی تھی۔ بلاشبہ کندن ایک تنو مند سجیلا خوبصورت نوجوان تھا۔ دل آرام نے کندن کو دیکھا۔ وہ تشنہ نظروں سے لاجونتی کو گھورے جا رہا تھا۔ دونوں بت کی طرح خاموش نظروں ہی نظروں سے دعوت محبت دے رہے تھے۔ محبت عاشقوں کی پہچان کرا دیتی ہے۔

لاجونتی۔

کندن آج موت کو ہتھیلی پر رکھ کر لاجونتی کے قریب ہو گیا۔ آج عشق کی حالت میں وہ حسن کے حضور سر بسجود تھا۔ دیکھیں شہنشاہ محبت کیا سزا تجویز کرتا ہے۔

کندن۔

اچانک یہ جانا پہچانا نام لاجونتی کی زبان پر تھرتھرایا۔ وہ آج اچھی طرح کندن کو پہچان چکی تھی۔

کندن کے ہونٹوں پر تبسم پھیل گیا۔

چونک کر دل آرام کی قربت کا احساس کرتے لاجونتی نے پلٹ کر دیکھا۔

لیکن وہ کب کی جا چکی تھی۔

وہ دوریاں ختم کر دینا چاہتا تھا۔

ہماری خواب گاہ میں کیوں آئے ہو؟

لاجونتی نے کندن کی جانب پشت کر لی۔ وہ کندن کی نظروں کا تصادم برداشت نہ کر سکی تھی۔

میں آیا نہیں' بلایا گیا ہوں۔

وہ قریب چلا گیا۔ اتنا قریب کہ لاجونتی کے بدن سے اٹھنے والی مہک سے وہ مدہوش ہو گیا۔

ہم نے نہیں بلایا۔

لاجونتی نے یوں ہی کھڑے کھڑے کہہ دیا۔ وہ کندن کی قربت کا احساس محوس کر رہی تھی۔ وہ لاجونتی کے بہت قریب چلا گیا تھا۔ اتنا قریب کہ لاجونتی نے سانس روک لی۔ اس کے کمزور بدن کے روئیں کھڑی ہو گئیں تھیں۔ رگوں میں گردش کرتا خون کندن کی جان لیوا قربت سے منجمد ہو گیا تھا۔

اس کا جسم چھوئی موئی کے پھول کی طرح سمٹ گیا۔ جب کندن نے محبت کے بے پناہ جذبے کے تحت اپنے دونوں ہاتھ لاجونتی کے شانوں پر رکھ دیے اور کہا۔

میں تمہاری خاطر کہاں سے آتا ہوں' کچھ مجھ پر رحم کرو۔ لاج۔

کندن نے والہانہ لاجونتی کو شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف گھما لیا۔

لاجونتی نے سہم کر آنکھیں جھپکائیں' اٹھائیں اور پھر جھکا لیں۔ ایک قیامت برپا تھی ۔ وہ ساری جان سے لرز گیا۔ یہ نظروں کا اٹھنا جھکنا تو الگ تھا لیکن جھک کر اٹھانا اور پھر قیامت برپا کر کے جھکا لینا کندن کے دل پر بجلی گرا گیا۔ محبت کا ایک

طوفان اٹھا جس میں لاجونتی اور کندن دونوں ہی بہہ گئے۔ عشق کی تیز و تند آندھیاں انہیں کہاں سے کہاں اٹھا کر لے گئیں۔

ادھر دیکھو' میری زندگی' میں تمہارے لیے کوسوں میل کی مسافت طے کر کے آیا ہوں۔ کندن کو لاجونتی کی مسلسل خاموشی سے شہ مل چکی تھی۔ میں نے کئی راتیں تیری قربت میں کاٹ دیں ہیں۔ تیرے اس مقدس وجود کو اپنے سینے سے لگایا ہے۔ تیرے ہونٹوں' تیری پیشانی اور تیرے ان رخساروں کو پیار کیا ہے۔

کندن نے ہاتھ بڑھا کر لاجونتی کے چہرے پر آئی آوارہ لٹ کو ہٹا دیا۔

لاجونتی نے نظریں اٹھائیں۔

لاج۔

کندن نے بازو پھیلا دیئے۔

آؤ لاج میرے سینے میں سمٹ کر میری روح کی پیاس کو بجھا دو۔

کندن' اس کی آواز میں جذبوں کی گہرائیاں تھیں۔

اور لاجونتی بے ساختہ اس کے سینے میں سمٹ گئی۔ کندن کے بازوؤں کے حلقے تاریک ہوتے گئے اور اس نے لاجونتی کو محبت کی آغوش میں لے لیا۔ لاجونتی اس کے کشادہ سینے میں چھپ گئی۔ کندن نے اپنا سر لاجونتی کے ریشمی بالوں پر رکھ دیا۔ لاجونتی کے انداز خود سپردگی نے اس کے حواس کو دیوانہ کر دیا تھا۔ وہ کندن کے لطیف دباؤ میں کس قدر سرور محسوس کر رہی تھی۔

ہمیں یوں ہی پیار کرو کندن' ہم ایک مدت سے اس محبت کے متلاشی ہیں۔

لاجونتی نے نظریں اٹھا کر کندن کو جیسے پیغام محبت دیا۔

وہ جھکا۔

لاجونتی کے سفید گلناری رخساروں پر آنسوؤں کے موتی ٹھہرے ہوئے تھے اور کئی ایک گھنی پلکوں کی جھالروں میں گرنے کو ترس رہے تھے۔

میں تمہیں اس وقت تک پیار کروں گا جب تک یہ آسمان اور ستارے ہیں۔

کندن نے جھک کر اپنے ہونٹوں سے لاجونتی کے رخساروں پر رکے ہوئے آنسوؤں کو چن لیا۔

وہ جتنا اس پیاس کو بجھانا چاہتا تھا۔ تشنگی اور بڑھتی جا رہی تھی۔

سحر ہونے والی ہے جان عالم۔

دونوں بری طرح چونک گئے۔ کہیں دل آرام اتنی احمق نہ تھی جو یوں ہی آتی۔

اس نے پردے کی اوٹ سے کہا تھا۔

لاجونتی نے بے چین نظریں دریچے سے باہر ڈالیں۔

سحر ہونے میں واقعی کچھ لمحات باقی تھے۔

الوداع' الوداع۔

کندن نے لاجونتی کے سراپا پر ایک نظر ڈالی اور بڑی پھرتی سے دریچہ چھلانگ گیا۔

○

کندن' کتنا سندر' کتنا پیارا۔

لاجونتی بڑی مسرور سی مسہری پر گری اور آنکھیں بند کر لیں۔ کندن کے گھنے بالوں سے ڈھکی پیشانی اس کی آنکھوں میں گھوم گئی۔ اس کا دلکش توانا لاجونتی کے حواس پر چھا چکا تھا۔

پھولوں کی شگفتگی۔

کلیوں کی نغمگی۔

شبنم کو پاکیزگی' نظاروں کو شگفتگی۔

اور لاجونتی کا حسن۔

ایسا حسن جو دیکھنے والوں کو دیوانہ بنا دے۔ لاتعداد نوجوان لاجونتی کو ا کے لیے آئے۔ لیکن کوئی بھی اس کا دل نہ جیت سکا۔ حالانکہ تمام ہی نواب

جنگ کے قریبی رشتہ داروں' عزیزوں اور دوست احباب کے چشم و چراغ تھے۔ اس نے جب سے سترویں سال میں قدم رکھا تھا۔ یہ تمام نوجوان اس کو چاہنے کے لیے آئے لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے حسن بے مثال کو نہ اپنی محبت سے خرید سکا اور نہ ہی اس میں اتنی جرات ہوئی کہ وہ لاجونتی کے قریب جا کر اس کی مخمور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دو بول الفت کے کہہ سکے۔

وہ مسہری پر سکون سے لیٹی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تصویر کی طرح تمام نوجوان گھوم گئے۔ آخر میں زمان کا سخت چہرہ سامنے آگیا۔ لاجونتی نے نفرت سے آنکھیں بند کر لیں۔

چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے پھر پکارا۔

آؤ آؤ دل آرام۔

دل آرام نے دیکھا وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

اللہ سرکار کو اسی طرح ہی خوش و خرم رکھے۔

دل آرام نے دیکھا اس کے ہونٹوں پر انجانہ سا تبسم رقص کناں تھا اور وہ گلاب کے پھول سے کھیل رہی تھی۔

ہاں' دل آرام بعض جذبے غیر اختیاری ہوتے ہیں۔

لاجونتی نے دل کی بات کہہ دی۔

جی۔

دل آرام کو لاجونتی کی اس بات کی سمجھ نہیں آئی تھی۔

ہم نے کہا کہ ہم اب محبت کے بارے میں بے اختیار ہو گئے ہیں۔

لاجونتی نے کہا۔

جی چھوٹی سرکار۔

دل آرام آگے کو جھک گئی۔

جتنی روح کی بالیدگی' ملاپ میں جوش اور جذبات میں لطافت ہم نے کندن میں یکھا ہے اور کسی میں نہیں۔

لاجونتی کو کندن پوری طرح بھا گیا ہے۔

جی ہاں، صاحب زادی ہمیں بھی وہ نوجوان اچھا لگا ہے۔

دل آرام نے اپنی مالکن کی تائید کر دی۔

چھوٹی سرکار، یہ بہت مشکل کھیل ہے۔ خدارا پہلی بازی پر ہی ختم کر دیجئے۔

دل آرام بے حد متفکر لہجے میں بولی۔

دل آرام، تم ہمیں بزدل سمجھتی ہو۔

لاجونتی نے اٹھتے ہوئے سختی سے کہا۔

نہیں نہیں، چھوٹی سرکار، میرا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے۔

دل آرام لاجونتی کی خشمگیں نگاہوں کا مطلب جان چکی تھی۔

اور تمہارا مطلب؟ وہ اسے بغور دیکھ کر بولی۔

لاجونتی بال کی کھال اتارنا چاہتی تھی۔

چھوٹی سرکار، آپ کو نواب صاحب اور رانی ماں کے اصولوں کی خبر ہے اور پھر چھوٹے نواب۔

دل آرام نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

اف، چھوٹے نواب، یہ انسان میرے دل کا ناسور بن چکا ہے۔

کیا ہم اس کے پابند ہیں۔ ہمیں اپنے جذبوں پر کوئی اختیار نہیں۔ لاجونتی بے قراری سے اٹھی۔ اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسا کر دریچے میں کھڑی ہو گئی۔ وہ ساکت و جامد بے حس وحرکت دور خلا میں نہ جانے کس کو تلاش کر رہی تھی۔ دل آرام نے مسلسل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ کمرے میں مکمل سکوت طاری تھا۔ اس کے دماغ کی سلیٹ پر صرف ایک ہی نام کندہ تھا وہ تھا کندن، وہ کائنات کی جس چیز کی طرف بھی دیکھتی اس کو کندن ہی نظر آتا تھا۔ کندن، کندن، اس کی رگ و پے میں سما چکا تھا لیکن ....

دوسرے لمحے وہ تڑپ اٹھی۔ اگر اس راز کو دل آرام نے کھول دیا تو ہم بری طرح بدنام ہو جائیں گے۔ بلکہ محل پر قیامت ٹوٹ پڑے گی۔ نواب بختیار جنگ کی عزت و آبرو پل بھر میں نیست و نابود ہو جائے گی۔ عظمت و وقار کی فلک بوس

دیواریں زمین بوس ہو جائیں گی۔ ہمیں کیا ہو گیا ہے، بے چین اور شدید بیقراری کی حالت میں لاجونتی نے پلٹ کر دل آرام کی طرف دیکھا۔ وہ جوں کی توں بیٹھی تھی۔ کمرے میں ابھی تک سکوت طاری تھا۔

دل آرام۔ جذبوں کی سرگوشی سی پھیلی۔

ایک گھبرائی ہوئی لرزتی آواز نے کمرے کے سکوت کو درہم برہم کر دیا۔

دل آرام چونک کر کھڑی ہو گئی۔

ہمیں اس الجھن سے بچا لو، دل آرام، ہم کیا کریں، ہم اسے بھول بھی نہیں سکتے۔

لاجونتی نے کرسی پر بیٹھتے ہی سر کو اس کی پشت پر ڈال دیا۔ اس کے الفاظ شدید مایوس کن تھے۔

لیکن دل آرام صرف اس کا سر دبا کر رہ گئی۔ وہ کچھ نہ بول سکی۔ لاجونتی اس انوکھی دلگی میں گرفتار تھی۔ وہ بھول بھی جانا چاہتی لیکن عشق کا آسیب اسی طرح اس کو چمٹ گیا تھا کہ وہ اس سے چھٹکارا بھی حاصل نہ کر سکتی تھی۔ وہ رسوائی نہ چاہتی تھی لیکن محبت کا پرکشش احساس اس کی رگ رگ میں برقی رو دوڑا گیا۔ وہ اسی سوچ کے ساتھ ہی کندن کی یاد نشتر بن کر دل کے پار گزر گئی۔ وہ تڑپ اٹھی۔ دوسرے ہی لمحے خاندان پر اس راز کا افشا ہونا گویا تباہی کو دعوت دینا تھا۔ ایک نواب زادی مچھیرے کے بیٹے سے عشق کر رہی تھی۔ اس دنیاوی تفرقے نے اس کے ہوش و حواس پر تپتی ہوئی سلاخ گھسا دی۔ لاجونتی کے قلب میں سوئیاں سی چبھنے لگیں۔ لاجونتی نے چاروں جانب مایوسیوں، ناامیدیوں کے گہرے غار دیکھے جو منہ کھولے اس کی رسوائیوں پر قہقہے لگا رہے ہوں۔ نہیں نہیں۔ میں ہرگز محبت نہیں کروں گی۔ میں گلہ گھونٹ لوں گی اس محبت کا۔ اس دل کو مسل ڈالوں گی۔ جو مجھے تباہیوں کے راستے پر لا رہا ہے۔ وہ جب آئے گا میں اس کو سختی سے واپس کر دوں گی۔ نہیں نہیں، میں نواب زادی اور .... یہ غلط ہے۔

لاجونتی، اس نے بہت ہی گہری آواز میں کہا۔

وہ تڑپ اٹھی، بے چین سرخ آنکھیں اس نے سامنے دروازے کی جانب گاڑ

دیں۔ اس کا ضمیر اس کے ہی روپ میں کھڑا تھا۔

تم کندن سے صرف اس لیے محبت نہیں کر رہی کہ وہ ایک جھونپڑی کا ما ہے اور تم محل میں رہنے والی نواب زادی۔

ہیں۔

لاجونتی نے جھکا ہوا آنسوؤں سے تر چہرہ اوپر اٹھایا۔ لیکن وہ محل والوں کہیں زیادہ تمہیں چاہتا ہے۔ تم دنیاوی رتبوں میں الجھ گئی ہو۔ تمہیں معلوم نہیں خدا کے نزدیک سب انسان برابر ہیں۔ تمہیں اس کا دل نہیں دکھانا چاہئے۔ تمہ محبت کرتا ہے۔ اس کا سایہ ایک دم غائب ہو گیا۔

نہیں نہیں۔

لاجونتی تڑپ کر مرغ بسمل کی طرح چارپائی پر گری اور سسک سسک کر ر دی۔

اس کے بال بکھر کر ساری مسہری پر پھیل گئے۔

دل آرام نے ہاتھ بڑھا کر لاجونتی کے بالوں کو سلجھانا چاہا اور اس کو سیدھا کے بستر پر لٹا دیا۔

لیکن لاجونتی کی سوچوں کے دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے جا رہے تھے۔ و بے قرار تھی۔ اس کے لیے۔ جس گزرے وقت کے ایک لمحے کو واپس لانے کے لیے ہزاروں میل کی مسافت طے کرنا ہو گی۔ پھر بھی یہ فاصلے کم ہوں گے یا نہیں لیکن بعض قربتوں میں بڑے طویل فاصلے ہوتے ہیں۔ نازک پھول کی طرح بدن رکھ والی لاجونتی بے چین سی رہنے لگی۔ دیکھنے والوں کو وہ بیمار بیمار سی لگتی تھی۔ اس کے ہشاش بشاش چہرے پر ہر وقت مردنی اور پژمردگی سی چھائی رہتی۔ نواب بختیا جنگ اور رانی ماں اس کے لیے پریشان رہتے۔ شاہی طبیب نے ذہنی پریشانی کی بیماری بتائی۔

اتنی سی عمر میں بیٹی، تمہیں کیا ذہنی بیماری ہے۔

لاجونتی نے رانی ماں کی بات پر ہونٹوں کو دھیرے سے تبسم سے آویزاں کیا۔

مجھے کوئی ذہنی بیماری نہیں رانی ماں۔

لاجونتی زبردستی مسکرا کر بولی۔

نواب بختیار جنگ قریب ہی بیٹھے تھے۔ آج وہ بھی پیاری بیٹی کی خواب گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔

ہم بہت پریشان ہیں بیٹی، تمہیں جو کچھ بھی پریشانی ہو، ہمیں بتا دو بیٹی۔

نواب صاحب نے کہا، ان کے چہرے پر فکر و تردد کی پرچھائیاں لہرا رہی تھیں۔

یقین جانیے بابا جانی، مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

دل آرام نے مشروب کے گلاس طشتری میں رکھ کر تینوں کو پیش کیے۔

اچانک گلاس لاجونتی کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ جب کہ زمان حسب عادت چھڑی گھماتا ہوا داخل ہوا۔

سارا محل چھان مارا اور آپ لوگ یہاں۔

وہ نواب صاحب کے قریب ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

نواب صاحب نے چونک کر لاجونتی کے بشرے سے ناگواری کے تاثرات دیکھے۔

رانی ماں اور نواب صاحب کی نظریں ملیں اور پھر زمان کی طرف گھوم گئیں۔

کیوں کوئی کام تھا۔ انہوں نے پوچھا۔

نہیں تو، میں ویسے ہی ادھر آنے والا تھا۔

اس کا اشارہ لاجونتی کی جانب تھا۔

لیکن لاجونتی رخ بدل کر ماں سے ہم کلام تھی۔

رانی ماں سب سمجھتی تھی۔ اس بارے میں اس نے ابھی نواب صاحب سے بات نہیں کی تھی۔ شاید وقت کی رفتار لاجونتی کے دل سے زمان کی نفرت ختم کر دے۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

وہ لاجونتی کے دل و دماغ پر تازیانہ بن کر چوٹیں لگاتا رہا جس پر کندن کی لازوال والہانہ محبت مرہم رکھتی تھی۔

☆



شمی کو صابرہ کے ہاں بہو بن کر آئے ہوئے چار پانچ ماہ ہو چکے تھے لیکن اس عرصہ میں وہ شمی سے زیادہ بے تکلف نہ ہو سکا۔ بے شک وہ اس کی بیوی تھی۔ اس کے ناطے سے بہت حقوق تھے لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ شمی صرف کندن کی بیوی ہی رہی وہ شوہر کا پیار اسے نہ دے سکا۔ شادی ہونے کے بعد بھی اس کے معمول میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ اس وقت شام کا وقت تھا۔ سورج غروب ہو چکا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس وقت صحن میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ شمی طشتری میں چائے لے کر آئی۔ آتے ہی اس نے ایک پیالہ صابرہ کو دیا۔

صابرہ نے پیالہ پکڑتے ہوئے بڑی گہری نظر سے شمی کے چہرے کی جانب دیکھا۔

وہ کمزور نظر آ رہی تھی۔

اپنے لیے نہیں لائی ہو۔

صابرہ نے پیالہ ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

ذرا ٹھہر کے پی لوں گی۔ ابھی دل نہیں چاہتا۔

وہ کندن کی چائے اس کے قریب رکھتے ہوئے بولی۔

کندن نے جلدی سے پیالہ ہونٹوں کو لگا لیا۔ ہونٹوں کو پیالہ لگاتے ہی جلدی سے اچھلا۔ گرم گرم چائے حلق سے اتارنے کے لیے اس کے ہونٹ اور منہ جل گئے تھے۔

اے ہے' ذرا آرام سے پی لو بیٹا۔

صابرہ بے ساختہ ہنستے ہوئے بولی۔

سامنے کھڑی ہوئی شمی بھی ہاتھوں میں چہرہ چھپائے کھڑی تھی۔

یہ سب تیری بہو کا قصور ہے ماں۔ گرم چائے جو اس نے دی تھی۔

وہ ظاہری خفگی سے ہونٹوں کو سہلاتے ہوئے بولا۔

چائے کی تپش سے ہونٹ سرخی مائل ہو چکے تھے۔

تم نے پیالہ ہاتھ میں پکڑا پھر بھی تم کو معلوم نہ ہوا کہ چائے گرم ہے۔

شمی ہونٹوں میں کھل کھلاتی ہنسی کو دباتے ہوئے بولی۔

اور کندن مسکراتا ہوا چائے پیتا رہا۔

چند لمحوں کے بعد شمی نے برتن اٹھائے اور رات کے کھانے کا بندوبست کرنے باورچی خانے میں چل دی۔

بیٹا' شمی امید سے ہے' تمہیں اب اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

جی۔

ماں کی اس بات پر اس پر منوں وزنی چٹان گر چکی تھی۔ وہ ایک لمحہ میں ہی سر سے پاؤں تک عرق آلود ہو چکا تھا۔ کندن کی سفید کشادہ پیشانی پر پسینے کے شبنمی قطرے اس بات کی دلیل تھے کہ اس کو شدید دھچکا لگا ہے۔

کیا بات ہے' تمہیں خوشی نہیں ہوئی۔

صابرہ کے انداز میں تلخی ابھر آئی۔

بہت خوشی ہے ماں۔

اس کے الفاظ کس قدر خشک تھے جن میں کسی قسم کی مسرت کا اظہار نہ تھا۔

میرے لیے تو وہ دن ہزاروں خوشیوں کا ہو گا جس دن اس سونے آنگن میں تیرے بچے کھیلیں گے۔ وہ مرجھا گیا۔

صابرہ بچی خوشی کو چھپائے نہ چھپا سکتی تھی۔

تو بس پھر تمہاری خوشی پوری ہو گئی ماں۔

کندن نے جیسے ماں پر احسان کیا تھا۔

ہاں' اللہ کرے میرا آنگن بھر جائے تیرے بچوں سے۔

صابرہ نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔

وقت شمی ان کے قریب آ چکی تھی۔

ممی' یہ آنگن بچوں سے بھر جائے۔

شمی نے شرم سے نگاہیں جھکا لیں۔

اور ماں نے کندن کو ڈانٹ دیا۔

چل ہٹ' تمہیں شرم نہیں آتی' میری بیٹی سے ایسی بات کرتے ہوئے۔

وہ ہنس دیا۔

شمی کو نصیحت کر رہا ہوں۔

وہ چارپائی پر سیدھا لیٹا ہوا تھا۔

چودھویں کا چاند اپنے پورے جوبن پر تھا۔ چاروں طرف اپنی دودھ جیسی چاندنی برسا رہا تھا۔ یہ چاندنی اس قدر دلربا معلوم ہو رہی تھی کہ جیسے کوئی اپنے ہاتھوں سے کائنات پر نقرئی چادر بچھا رہا ہو۔ اس وقت تمام عالم دریائے نور میں غسل کر رہا تھا۔ بستی پر یوں لگ رہا تھا کہ جیسے پگھلی ہوئی چاندی کا بحر بیکراں موجیں مار رہا ہو۔ شب مہتاب میں گھروں کے سفید درودیوار اور سنگ مرمر کی عالی شان محل بقعہ نور بن چکے تھے۔ چاند آسمان کے شفاف سینے پر یوں دھیرے دھیرے جا رہا تھا جیسے شفاف پانی پر روپہلی کشتی تیر رہی ہو۔

شمی سارے دن کی تھکی ہاری گہری نیند سو چکی تھی۔ شمی کے دوسری طرف کندن کی چارپائی تھی۔ درمیان میں گھر کا سامان رکھ کر پردہ کر لیا گیا تھا اور دوسری طرف یعنی کمرے کے دور کونے میں امیر بخش اور صابرہ نے چارپائی بچھا لی تھی۔

ماں۔

صابرہ نے چونک کر دیکھا۔

کندن اس کی پائنتی کھڑا تھا۔

ماں کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

کیا بات ہے شمی سو چکی ہے۔

صابرہ نے گردن اٹھا کر شمی کو دیکھا۔

وہ گہری نیند سو چکی ہے۔

اور تم اب کیا چاہتے ہو۔

ماں نے اس کا مطلب جانتے ہوئے خشمگیں انداز میں کہا۔

میں شہر جا رہا ہوں۔ وہ میری منتظر ہو گی۔

کندن نے جانے کے لیے قدم اٹھایا۔

ٹھہرو۔

وہ الٹے قدم ہی رک گیا۔

تمہاری بیوی اکثر تمہاری منتظر رہتی ہے۔ تمہیں کبھی احساس نہیں ہوا۔ نہیں ہرگز نہیں' تو اب شہر نہیں جائے گا۔

ماں نے آخری حتمی فیصلہ سنا دیا۔

ماں' یہ تمہارا مجھ سے وعدہ ہے' میں جب چاہوں لاجونتی سے ملنے جا سکتا ہوں۔

ہڑبڑا کر شمی نے آنکھ کھولی اور اس نے سانس روک لیا۔

وہ کندن اور ماں کی ساری گفتگو سن چکی تھی۔ کندن کی ضد اور ماں کا اصرار۔ لاجونتی سے عشق' وہ سب جان چکی تھی لیکن اس نے اٹھنے کی ہمت نہ کی۔

ٹھیک ہے میں نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تو نہ دن دیکھے اور نہ رات دیکھے۔ اب تیری بیوی تیرے پاس ہے اور تو دوسری عورت کے پاس جا رہا ہے۔

ماں نے لحاف اتار کر بڑے جوش سے کندن کو کہا۔ ویسے بھی اس کو اس وقت کندن کا یوں ہی جانا کچھ اچھا نہ لگا۔

میں جا رہا ہوں ماں۔

کندن نے بڑی تیزی سے جانے کو قدم اٹھائے۔

کندن۔

ماں نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے بڑے غصے سے کندن کو آواز دی۔

کندن انہیں قدموں رک گیا۔

مجھے مت روکو ماں' میں آج ہرگز نہیں رک سکتا۔

کندن کا جذبہ کس قدر صادق اور مستحکم تھا۔

غصہ اور جوش سے صابرہ کی رگیں تن گئیں۔ وہ لرزنے لگی۔ اس کا بوڑھا بدن کندن کے اس قسم کے رویے کا متحمل نہ ہو سکتا تھا۔ بیٹے کی بغاوت پر اس کی روح میں آگ سی لگ گئی۔ اس کی نس نس سے لاجونتی کے لیے نفرت کی چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

تم اب لاجونتی سے عشق کی پینگیں نہیں بڑھا سکتے۔ میں خود نواب سے ملوں گی اور فریاد کروں گی کہ تم میرا گھر برباد کرنے پر تل چکے ہو۔ تمہاری بیٹی۔

ماں۔

کندن دیوانہ وار چیخ اٹھا۔

کیا کہہ رہی ہو ماں' لاجونتی کا اس میں کوئی قصور نہیں۔ وہ صرف مجھ سے محبت کرتی ہے۔ اس کا اس گھر کی تباہی سے کوئی تعلق نہیں۔

کندن جس زور سے گرجا تھا آخر میں اتنا ہی نرم پڑ گیا۔ وہ چند قدم پلٹ آیا اور مضبوطی سے ماں کے شانے پکڑ لیے۔

ماں' تمہیں اگر میری زندگی عزیز ہے تو مت روکو مجھے اس سے ملنے کو' وہ میرے سکون کی مالک ہے۔

کندن نے ماں کو کہہ دیا۔

لیکن شمی کا اس میں کیا قصور ہے۔

ماں نے پھر وہ بات کہہ دی جس سے کندن اکثر سیخ پا ہو جایا کرتا تھا۔

کیا کہہ رہا ہوں میں شمی کو' کس بات کا دکھ دے رہا ہوں میں اس کو۔ کندن جوش سے دونوں ہاتھوں کو لہرا کر بولا۔

وہ خوش ہے مسلسل عذاب کا شکار تو میں ہوں' کہاں جاؤں' راہ فرار اختیار نہیں کر سکتا۔

میرا آخری فیصلہ ہے۔ ساری کائنات کو چھوڑ سکتا ہوں لاجونتی کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کے لہجے میں وحشیانہ پن تھا۔

چٹاخ' چٹاخ' چٹاخ۔

اس کے ساتھ ہی ماں کا ہاتھ اٹھا اور کندن کے رخساروں کو رنگ لیا۔

بے چین تڑپ کر شدت کرب کی حالت میں رخساروں کو مسل ڈالا۔ اس کے بدن سے بغاوت کی آگ نکلنے لگی تھی۔ وہ ٹوٹی شاخ کی طرح بستر پر گرا اور بری طرح سسکنے لگا۔ اس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ جوش گریہ میں بے چین ہے۔

ماں بت کی طرح ساکت و جامد اپنی جگہ پر کھڑی تھی۔

ماں۔

پشت کی جانب سے کسی نے اس کے شانے دبائے۔

چونک کر صابرہ نے دیکھا۔

شمی مسکرا رہی تھی۔

تم جاگ رہی تھیں۔

صابرہ کا دل دھک سے رہ گیا۔

میں سوئی کب تھی ماں۔

تو کیا' تو نے ساری باتیں ...

ہاں اماں' میں نے سب کچھ سن لیا ہے۔ تو کیا ہوا' تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیوں روکتی ہو کندن کو۔ میں نے شادی کندن سے نہیں اس گھر سے کی ہے ماں۔ پونچھ لو آنسو۔

شمی نے مسکرا کر صابرہ کے آنسو اپنے آنچل سے صاف کر دیے۔

میری بچی۔

صابرہ نے شمی کو سینے سے لگا لیا۔ اللہ تمہیں صبر کا پھل ضرور دے گا۔

لیکن شمی ہنس دی۔

صابرہ کا دل بری طرح پسیج گیا۔ شمی' حسرتوں کا مزار تھی۔ جس کو شوہر نے آج تک دو ٹکے کی چیز تو کیا' محبت کا ایک بول بھی نہیں دیا تھا۔

بیٹی۔

دفعتاً جونہی صابرہ نے چونک کر دیکھا۔ کندن جا چکا تھا۔

ماں چارپائی پر بیٹھ چکی تھی جیسے کسی نے اس کے جسم کا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔
اماں۔
نہ جانے شمی کو کیا ہوا۔ وہ ماں کے قدموں پر سر رکھے بری طرح سسک اٹھی۔ ماں اس کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتی رہی اور وہ آہوں کے نذرانے لٹاتی رہی۔ ایک دم ماں تڑپ اٹھی۔ شمی کے رونے کی آواز تیز ہو رہی تھی۔ صابرہ نے شمی کے تڑپتے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔
آواز نہ آئے شمی، لوگ کہیں سن نہ لیں۔
شمی نے آنسو صاف کیے اور کہا۔
تم کس کس کی زبان بند کرو گی ماں۔ عشق مشک چھپائے نہیں چھپ سکتے لیکن ویسے بھی اس آگ میں کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ میرا گھر تباہ ہو گا۔ میرے گھر کو آگ لگے گی۔
اس کے ساتھ ہی شمی زور زور سے رونے لگی۔
ایسا نہ کہو بیٹی، اللہ تمہارے گھر کو سلامت رکھے۔ تم اب دل سے یہ بات نکال دو بیٹی۔ صابرہ نے جیسے نصیحت کی۔
یہ آگ تو شادی سے پہلے کی سلگ رہی ہے ماں۔ اب شعلے بن چکے ہیں۔ کندن پوری طرح لاجونتی کے عشق میں جل رہا ہے۔ چنگاری شعلہ بن چکی ہے۔ آخری فقرا کہہ کر شمی نے سامنے آسمان کو بغور دیکھا۔ اس پر ننھے ننھے ستارے یوں تھرک رہے تھے جیسے شمی کی لٹی محبت پر نوحہ کناں ہوں۔
وہ بدستور ماں کے گھٹنوں پر سر رکھے سسکتی رہی اور ماں شفقت و محبت سے اس کے بال سنوارتی رہی۔
یوں ہی ایک عرصہ گزر گیا۔ دونوں حالات کی چکی میں پستے پستے ریزہ ریزہ ہو چکی تھیں لیکن جو عہد واثق کندن لاجونتی کے ساتھ کر چکا تھا اس کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں توڑ سکتی تھی۔ شمی اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہی۔ اس نے بار بار شوہر کو اس عشق سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ کندن دیوانہ وار لاجونتی پر عاشق تھا اور لاجونتی بھی والہانہ کندن پر نثار تھی۔

اس سے پہلے کندن ہفتہ میں ایک آدھ بار لاجونتی سے ملنے جاتا تھا لیکن اب وہ اس قدر بے چین ہو چکا تھا کہ اب ہفتہ میں کئی بار ملاقات کے لیے چلا جاتا تھا۔ اب تو اس نے جان کی پرواہ کرنا بھی چھوڑ دیا تھا۔ اکثر رات کی تاریکی میں پہرے داروں نے اس کے سائے پر تیر چلائے تھے اور ہر بار وہ اپنی کمال ذہانت نما پھرتی سے بچتا رہا تھا۔
لیکن آج کی رات قیامت کی رات تھی۔ کندن نے جونہی بارہ دری کے بغلی دروازے میں چھلانگ لگائی تو چاروں جانب شوروغل کی بے ہنگم آوازیں اپنی خواب گاہ میں لیٹی لاجونتی کا سینہ چیرنے لگیں۔ لاجونتی دریچے میں آویزاں تصادیر کو بڑی قنوطیت سے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہ دریچہ تھا جہاں سے اس کا محبوب اس کو ملنے آیا کرتا تھا۔ اب نہ جانے کون سی دیوار اس کے راستے میں حائل تھی۔ وہ پریشان اور ملول سی مسہری پر بیٹھی تھی۔ نیند اس سے کوسوں دور تھی اور ابھی تک دل آرام اس کے پاؤں دبا رہی تھی۔ لاجونتی کی بادامی آنکھیں بند تھیں کہ اچانک وہ بری طرح تڑپ اٹھی۔ ایک پہرے دار نے سنسناتا ہوا خنجر چھوڑا تھا جو سیدھا محل کی دیوار میں پیوست ہو چکا تھا۔
لاجونتی کے رخساروں کی شفق مدھم پڑ گئی اور پلکوں کی گھنی جھالر تھرکنے لگی۔ یوں احساس ہو رہا ہے جیسے وہ آ رہا ہے۔
لاجونتی نے قیاس آرائی کی۔
ہاں چھوٹی سرکار، پہرے داروں کو شاید شک گزر گیا ہے۔
دل آرام بھی مسلسل شور سن رہی تھی۔
لاجونتی کی رنگت اڑی ہوئی تھی۔
دل آرام۔
لاجونتی نے بے چین کروٹ لے کر کہا۔
فرمایئے۔
دل آرام نے کہا۔
سب دریچے کھول دو۔

بہت بہتر چھوٹی سرکار۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی اور دل آرام تعمیل حکم کے لیے تمام دریچوں کو کھولنے چلی گئی۔

لیکن آج وہ بچتا نظر نہیں آ رہا تھا۔ سارے محل کے پہرے دار حفاظتی لوگ جاگ اٹھے تھے۔

بھاگو، بھاگو، ادھر ہے۔

عین اسی وقت ایک سنسناتا ہوا تیر اس کے بازو سے گزرتا ہوا قریبی درخت میں دھنس گیا۔ کندن نے سکھ کا سانس لیا۔ کیونکہ وہ زرا بھی اگر اپنی جگہ سے حرکت کرتا تو وہ تیر درخت کو نہیں کندن کے سینے کو پار کر جاتا۔ بھاگنے کی آوازیں قریب آ رہی تھیں۔ وہ پلٹ کر ایک گھنے درخت کی اوٹ میں ہو گیا۔

آج، سالا بھاگ نہیں سکتا۔

ایک بھاری بھرکم پہرے دار نے ہانپتے ہوئے کہا۔ بدقسمتی سے وہ کندن کے قریب ہی سامنے کھڑا تھا لیکن تاریکی کی دبیز چادر دونوں کے درمیان حائل تھی۔

کندن کو غصہ آ گیا۔ اس موٹے نے اسے گالی دی تھی۔

کندن نے اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر ہاتھ بڑھایا اور پوری طاقت سے دو ہتھڑ موٹے پہرے دار کی چندیا پر دے مارا۔

مر گیا، میں مر گیا۔

وہ تو وہیں گر گیا اور کندن بھاگ کر واپس اس جگہ آ گیا۔

کیا ہو گیا موٹے۔

ایک پہرے دار ہنستا ہوا موٹے پہرے دار کے قریب آ گیا۔

ارے یار، وہ بدبخت مجھے ہی مار گیا۔ ایسا سر میں کچھ مارا ہے چکر سا آ گیا۔

ہاہاہا... پہرے دار موٹے کی آواز سن کر گلا پھاڑ کر ہنسا۔

تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔ اسے کیا مصیبت پڑی ہے سامنے آنے کی۔

اے ... ہا....

اس کے ساتھ ہی دونوں زمین پر گرے۔ ان کے حلق سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کندن نے تاریکی سے فائدہ اٹھا کر دونوں کے سروں کو

مضبوطی سے پکڑ کر دونوں کی ٹکریں لگا دی تھیں۔ پھر وہ خود بڑی پھرتی سے بھاگ کر محل کے قریب چلا گیا۔ گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی تھی۔ وہ جان ہتھیلی پر رکھ کر محل کا زینہ چڑھ گیا۔ محل میں بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔ چند سائے اس کی طرف بھاگے تھے لیکن وہ تاریکی میں گم ہو چکا تھا۔

لاج۔

دریچے میں چھلانگ لگاتے ہی اس نے بے ساختہ پکارا۔

کندن۔

لاجونتی تڑپ اٹھی۔

دوسرے ہی لمحے دل آرام جا چکی تھی۔

ہماری پناہ میں آ جاؤ کندن، یہاں کوئی پہرے دار نہیں آ سکتا۔

لاجونتی نے باہیں پھیلا دیں۔

اور کندن نے بڑھ کر لاجونتی کو سینے سے لگا لیا۔

محل کے تمام پہرے دار ہمارا پیچھا کر رہے ہیں۔

کندن نے لاجونتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر سرگوشی کی۔

ایک دم دونوں تھرا اٹھے۔

ٹھک، ٹھک۔

خواب گاہ کے بڑے دروازے پر کسی نے دستک دی تھی۔

میری جان، آج یہاں ہی رک جاؤ۔ ہمارے دل میں چھپ جاؤ مت جاؤ باہر کندن۔ اس کی آواز میں جذبوں کی لرزش تھی۔

لاجونتی نے دونوں ہاتھوں سے کندن کے شانے تھام لیے کیونکہ انتقامی کاروائی کے لیے باہر جانے لگا تھا۔

آج میں اس کا قصہ ہی ختم کر دوں گا۔ ہمیشہ میرے راستے کی دیوار بنتا ہے۔ جوش غضب سے کندن نے ہاتھوں کی مٹھیاں بند کر لیں۔

نہیں نہیں، جان لاج، تم باہر نہیں جاؤ گے۔ ہماری زندگی تمہارے دم سے ہے۔ لاجونتی نے محبت کے بے پناہ جذبے کے تحت کندن کے رخساروں پر ہاتھ

پھیرا۔ ادھر آؤ' میں تمہیں باہر نہیں جانے دوں گی۔

لاجونتی نے کندن کو اپنی مسہری پر لٹا دیا تھا اور اس پر قیمتی لحاف اڑا دیا تو سیفد پردے گرا دیے۔

ٹھک ٹھک۔

پہرے دار اونچی آواز میں بولنے لگا تھا۔

کون ہے تو؟

ایک دم دل آرام کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے کمرے سے نکل کر پہرے دار کے پاس چلی گئی۔

کیا بات ہے' کیوں ہنگامہ کھڑا کر کے سارے محل کو بیدار کرنے لگے ہو۔

دل آرام سے کوئی بات پوشیدہ تو نہ تھی لیکن اس وقت کندن کو بچانا تھا۔

اے ہے .... یہ تو ہے دل آرام۔

اسی موٹے پہرے دار نے پرہوش نگاہیں دل آرام کے ملائم چہرے پر ڈالیں۔

ہاں ہاں' جاؤ اپنا کام کرو۔

دل آرام چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

ارے بھئی چلے جات ہیں۔ یہاں کسی نے چھلانگ لگائی ہے۔

پہرے دار گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ سٹھیا گئے ہو کیا' یہاں کون آ سکتا ہے۔

دل آرام غصے سے بولی۔

ارے بھئی اطمینان کر لینے میں کیا حرج ہے۔

دراصل موٹا خود کی قربت سے دور نہ جانا چاہتا تھا۔

چلے جاؤ یہاں سے' بھلا یہاں کوئی آ سکتا ہے۔ تمہیں چھوٹی سرکار کے غصے کا علم نہیں۔

اچھا۔

موٹے نے گہری سانس لے کر دل آرام کی طرف دیکھا اور الٹے قدموں لوٹ گیا۔

دل آرام۔

لاجونتی نے پکارا۔

دل آرام پردہ اٹھا کر اندر چلی گئی۔

ہم تمہارا احسان کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

لاجونتی دل آرام کے شانے دباتے ہوئے بولی۔

خدا آپ پر کوئی آنچ نہ آنے دے چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے یہ دعایہ جملہ بڑے ادب سے جھک کر ادا کیا۔

اج ہم واقعی لٹ جاتے۔ ایک عرصے بعد تو ہماری نگاہوں کی پیاس بجھی ہے۔

دونوں کی آوازیں سن کر کندن مسہری سے باہر آ گیا۔

اچانک کندن کا دلکش سراپا دیکھ کر دل آرام ٹھٹکی اور پھر جھک کر اور مودب ہو گئی۔

آداب۔ انداز بہت دلکش تھا۔

کندن نے شہنشاہوں کی طرح سر کو جنبش دی۔ لاجونتی نے والہانہ نظریں کندن پر ڈالیں۔ وہ واقعی اس وقت محبت کا شہنشاہ تھا۔

دل آرام ہمیشہ کی طرح ان دونوں کو تنہا چھوڑ کر جا چکی تھی۔ اب دونوں کے درمیان چند قدموں کا فاصلہ تھا۔

ان ہنگاموں سے خوفزدہ ہو کر ہمیں چھوڑ نہ جانا کندن۔۔

لاجونتی آنے والے صدمے سے بے چین ہو گئی ۔ کندن کی ایک لمحہ کی بھی دوری اس کو گوارہ نہ تھی۔

یہ دیواریں میرا راستہ نہیں روک سکتیں لاج۔

کندن نے لاجونتی کو قریب کر لیا۔

لاجونتی نے دونوں ہاتھ کندن کی قبا کے بٹنوں پر رکھے اور کھیلنے لگی۔

جھک کر کندن نے اس گوہر عظیم کو دیکھا جس کی کل کائنات کی مالک وہی تھا۔

ہماری محبت ... نہ جانے کیسا انجام ہو۔

لاجونتی نے کندن کے سینے پر ریشمی بالوں سے مزین سر رکھ دیا۔

میری زندگی' انجام سے بے خبر ہو کے محبت کیے جا۔ ہم نے بس محبت کرنا ہے اس دنیا سے بے نیاز ہو کر' سب کو بھول جاؤ' بس مجھے یاد رکھو۔

اس نے بیتاب ہو کر لاجونتی کے نازک وجود کو اپنے کشادہ سینے سے لگا لیا۔ لاجونتی کا انداز خود سپردگی عجیب قیامت خیز تھا۔ کندن نے اس کے پھول سے وجود اٹھایا اور اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ لاجونتی کسمسائی لیکن کندن کی گرفت بحرحال مضبوط تھی۔ جھک کر اس نے اس حسن معصوم کو چوم لیا۔ لاجونتی کے رخساروں کی شفق اور بڑھ گئی۔ اس نے بڑی ادا سے آنکھیں بند کر لیں۔

کندن۔

لاجونتی نے حجاب آگیں انداز میں چہرہ کندن کے سینے میں چھپا لیا۔

جانا کندن۔

کندن نے جھک کر کہا لیکن وہ کچھ نہ کہہ سکی۔

وہ ساری دنیا سے بے نیاز' محل کی گرفتاریوں سے بے خوف لاجونتی کو پیار کر رہا۔ وہ اس کے مقدس حسن کو نگاہوں میں بسا لینا چاہتا تھا کہ ایک دم دونوں چونک گئے۔

رات یوں ہی بیت گئی۔ آفتاب کی سفید کرنیں دریچوں سے چھن چھن کر کمرے میں آ رہی تھیں۔

اجالا۔

لاجونتی تڑپ کر دریچے کے پاس گئی اور بے چینی سے پلٹ کر بولی۔

ہونے دو' لاج۔

کندن اب بھی مدہوش تھا۔

لیکن تم کس طرح جاؤ گے۔ یہ لوگ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے کندن۔

لاجونتی نے مضطرب انداز میں کندن کی پیشانی سے بال ہٹائے۔

لیکن کندن خاموش تھا۔ محل میں آمدورفت جاری ہو چکی تھی۔ کنیزیں کام کاج کے لیے پھرنے لگیں۔ محل کی تو ہر رات شب برات تھی اور ہر دن عید۔ اہل محل ہمیشہ خوشیوں سے ہمکنار رہتے تھے۔ کبھی دکھ کا سایہ بھی ان پر نہیں پڑا تھا۔

دل آرام اب کیا ہو گا۔

لاجونتی پریشان گھبراہٹ کے عالم میں دل آرام کی طرف بڑھی جو ابھی پردا اٹھا کر داخل ہوئی تھی۔

گھبرایئے نہیں جان عالم' کنیز ضرور کوئی حل نکال لے گی۔

دل آرام نے پرکھنے والی نظروں سے کندن کو دیکھا۔

آیئے۔

دل آرام نے کندن کو آنے کا اشارہ کیا۔

کندن نے چونک کر لاجونتی کی جانب دیکھا۔

ہاں' ہاں' جاؤ .... دل آرام تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دے گی۔

لاجونتی کے حکم کی تعمیل کرتے دل آرام کندن کو کمرے کے بغلی دروازے سے اپنے کمرے میں لے گئی۔ لاجونتی کی کنیز خاص ہونے کے ناطے اس کو لاجونتی کی خواب گاہ کا ملحقہ کمرہ دے دیا گیا تھا۔ یہ بھی ایک اعزاز تھا جو دوسرے ملازمین کو نہیں حاصل تھا۔ کمرے میں پہنچ کر دل آرام نے کندن کو چارپائی پر بیٹھنے کو کہا۔

تشریف رکھیے۔

دل آرام ایک صندوق کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

لیکن کمرے کے وسط میں کھڑے ہو کر وہ ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔

چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد دل آرام نے ایک کپڑوں کی گٹھڑی صندوق میں سے نکالی اور اس کو اٹھا کر کندن کے پاس چلی گئی۔

یہ لیجئے' جلدی سے پہن لیجئے۔ اس کو پہن کر آپ کو کوئی بھی نہ پہچان سکے گا۔

میری ماں کے کپڑے ہیں۔ اللہ جنت نصیب کرے میری ماں کو۔

ہوں' کندن صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

دل آرام کہتے ہوئے باہر چلی گئی۔

ایک دم کندن کی ہنسی نکل آئی۔ اگر یہاں گرفتاری کا خوف نہ ہوتا تو وہ یقیناً لوٹ کر ہنستا کیونکہ جب اس نے گٹھڑی کھولی تو چالیس گز وزنی گھاگرا جس کو اس نے پہنا تھا اس کے اوپر چھوٹی سی قمیض۔

خیر' کندن نے مسکراتے ہوئے یہ لباس زیب تن کیا اور قدرت کی کاریگر
خوب ہنس کر حیرت کا اظہار کیا۔

محبت کیسے کیسے رنگ دکھاتی ہے۔

لباس تبدیل کر کے جب اس نے بھاری کامدار تلہ کے کام کا چادر نما اوڑھا تو سامنے لگے آئینہ میں اپنا سراپا دیکھ کر وہ خود بھی حیران رہ گیا۔ اس وقت کوئی بھاری بھرکم اچھی خاصی عورت لگ رہا تھا۔

آ جاؤں۔

دل آرام نے پردے کی اوٹ سے کہا۔

چونک کر کندن نے بالوں کو سمیٹا۔

اس کا بھی بندوبست کئے دیتی ہوں۔

سیاہ رنگ کے رومال سے کندن کے بالوں کو اس طرح باندھا کہ وہ چو
معلوم ہو رہی تھی۔ پیشانی پر چند لٹوں کو پھیلا دیا۔ پھر دل آرام نے غازے
سرخی سے اس کی سر سبز شفاف ڈاڑھی کو چھپانے کی کوشش کی۔ آنکھوں میں
کی دھاری۔

ہائے اللہ' جناب' آپ تو بہت اچھے لگ رہے ہیں۔

دل آرام دوپٹہ اوڑھاتے ہوئے حیرت سے بولی۔

کندن ہنس دیا۔ ناک میں جھولنے والی نتھنی نے اور بھی چہرے کو چھپا لیا تھا

ہمیں واپس لاجونتی کے پاس لے جاؤ دل آرام۔

کندن نے کہا۔

جی بہت بہتر۔

دل آرام نے کہا۔

دونوں نکل کر لاجونتی کے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ بغلی دروازہ ابھی تک
تھا۔

چھوٹی سرکار۔

لاجونتی کے پاس چند کنیزیں کھڑی تھیں۔

آجاؤ دل آرام۔

لاجونتی نے دل آرام اور کندن کو دیکھ کر چہرے کے تاثرات کو بالکل تبدیل نہیں کیا جیسے کوئی حیرت کی بات نہ ہو۔

کوئی مہمان آئی ہے۔

ایک کنیز نے کہا۔

ہاں' خالہ کل سے آئی ہوئی ہے۔ کہہ رہی تھی تمہاری مالکن سے ملنا ہے۔

دل آرام نے اچھا خاصہ بہانہ بنایا۔

اچھا' ہم آ رہے ہیں۔

لاجونتی نے ان سے کہا اور خود دل آرام کی جانب متوجہ ہوئی۔

آداب چھوٹی سرکار۔

کندن نے کنیزوں کی طرح جھک کر مودب لہجے میں کہا۔

لاجونتی کندن کو دیکھ کر کھل کھلا کر ہنس دی۔

اس وقت واقعی کندن تم عورت لگ رہے ہو۔

یہ تیرے عشق نے مجھے مرد سے عورت بنا دیا۔

کندن نے مسکرا کر دل آرام کی طرف دیکھا۔

وہ دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔ دل آرام کے ہونٹوں پر فاتح تبسم رقص کر رہا تھا۔

دل آرام ہم کس منہ سے تمہارا شکریہ ادا کریں۔ تم نے واقعی ہمیں خرید لیا ہے۔

لاجونتی ساری جان سے دل آرام کی مشکور نظر آ رہی تھی۔

چھوٹی سرکار' واللہ ایسا مت کہئے' ہم آپ کی کنیز ہیں اور آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے۔

دل آرام پورے شاہی آداب بجا لائی۔

ٹھیک ہے لیکن تم ہماری عزت کی محافظ بھی ہو دل آرام۔

لاجونتی نے مسکرا کر اپنی سب سے چھوٹی انگلی کا چھلہ اتار کر دل آرام کی

طرف بڑھایا۔

جی' یہ' میں اس قابل نہیں چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے چونک کر لاجونتی کے چہرے کی جانب دیکھا جس میں کندن کی محبت کے لاتعداد دیپ روشن تھے۔

ہاں ہاں' لے لو دل آرام' یہ ہماری طرف سے ہے۔

کندن نے دل آرام کو کہا۔

دل آرام کندن کے اصرار پر انکار بھی نہ کر سکی۔ لاجونتی کی کسی بات کو اصرار و انکار کی بحث میں الجھانا خود مصیبت میں گرفتار ہونا تھا۔ وہ ایک وقت میں ایک ہی بات سننے کی عادی تھی۔ اس لیے دل آرام نے بڑی عقیدت سے چھلہ لاجونتی سے لے کر اپنی انگلی میں پہن لیا۔

میں حضور کی ممنون ہوں' ورنہ میں اس قابل....

دل آرام نے جھک کر لاجونتی کو سلام کیا اور پلٹ گئی۔

ٹھہرو دل آرام۔

لاجونتی نے چونک کر کہا۔

عین اس وقت جب کہ وہ کندن سے کچھ کہنے والی تھی زمان چھڑی گھماتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔

آداب۔

دل آرام نے جھک کر کہا لیکن کندن نے سلام کی بجائے زمان کی طرف سے گھونگھٹ نکال لیا۔

کون ہے۔

زمان نے دل آرام سے سوال کیا۔

خالہ ہے چھوٹے نواب۔ کہہ رہی تھی کہ مالکن سے ملنا ہے۔

زمان جل کر رہ گیا۔ وہ آج لاجونتی سے تنہا ہی ملاقات کرنا چاہتا تھا۔

کندن کو غصہ تو بہت آیا لیکن مجبور تھا۔

چونک کر زمان نے کندن کے سراپا کو گہری نظروں سے دیکھا۔

اچھا چھوٹی سرکار سلام۔

کندن نے مصنوعی آواز نکالتے ہوئے بہت جلد زمان سے نجات حاصل کرنا چاہی۔

لاجونتی نے زمان کی موجودگی کو بروئے کار لاتے ہوئے آہستہ سے سر کو جنبش دی اور دل آرام کندن کو لے کر باہر نکل گئی۔

زمان نے کندن کے نقش قدم کو پراسرار نظروں سے دیکھا جیسے وہ کندن میں کچھ تلاش کر رہا ہو۔

یہ عورت اچھی معلوم نہیں ہوتی۔

تمہیں ہر انسان میں کیڑے نکالنے کی عادت ہے۔

لیکن لاجونتی کے اندر کھلبلی سی مچ گئی۔

میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ عورت نہیں۔

زمان نے بڑے وثوق سے لاجونتی کو یقین دلایا۔

اور کیا چیز ہے وہ۔

لاجونتی کو غصہ آ گیا۔ ویسے بھی اپنے اور کندن کے درمیان وہ کوئی رخنہ پسند نہ کرتی تھی۔

وہ سوائے مرد کے اور کوئی چیز نہیں۔

زمان کو یقین کامل تھا۔

لاجونتی نے حیران نظروں سے زمان کو دیکھا۔ کتنا شاطر اور چالاک انسان تھا وہ۔

تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ مرد ہے۔

لاجونتی کا لہجہ نرم پڑ گیا۔

بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں میں .... میں اس خالہ کے بازوؤں پر گھنے بال دیکھ چکا ہوں جب کہ کسی عورت کے ایسے بال نہیں ہوتے۔

زمان نے وضاحت بیان کر دی۔

لاجونتی زمان کو اشتعال دلانا نہ چاہتی تھی۔ ہو سکتا تھا وہ جوش میں آ کر کندن

کو دوبارہ طلب کر لے اور ویسے بھی کندن کی دلکش جوانی اور خوبصورت جسامت لاکھ پردوں میں بھی چھپ نہیں سکتی تھی۔

اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو اس خالہ کو بلا کر دیکھ لو۔

زمان نے کہا اور چھڑی گھماتا ہوا سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

چھوڑو' کیا ضرورت ہے۔ اگر یہ بات درست نہ ہوئی تو ندامت ہو گی۔

لاجونتی لرز گئی۔

خدا کرے کسی ردعمل سے پہلے ہی کندن محل سے نکل جائے۔

آفتاب شفق کی آغوش میں اتر رہا تھا۔ وہ جلد کسی بہانے کے تحت کمرے سے نکلنا چاہتی تھی۔ چاروں جانب سرمئی سائے پھیل رہے تھے۔

زمان نے جھک کر قریب رکھی شمع روشن کر دی۔

لاجونتی ایک دم کھڑی ہو گئی۔

بیٹھو گی نہیں' ہم تمہاری خاطر آئے ہیں۔

زمان نے کہا۔

نہیں' اب جاؤں گی' صبح سے اس جگہ بیٹھے بیٹھے دل گھبرا گیا ہے۔

لاجونتی نے بہانہ بنایا اور آہستہ سے پردا اٹھا کر نکل گئی۔

زمان نے بے ساختہ اس قیامت کے نقش قدم کو دیکھا جو حسن بے مثال رکھتی تھی۔ وہ ساری جان سے فریفتہ ہو گیا ہے۔ اس کا لازوال حسن کسی تعریف کا محتاج نہیں تھا۔ وہ مدہوش لاجونتی کو دیکھتا رہا۔ جو مستقبل میں اس کی شریک حیات بنے گی۔

لاجونتی بڑی تیز رفتاری سے دل آرام کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

دل آرام۔

لاجونتی نے بے ساختہ گھبرائی ہوئی آواز دی۔

ایک دم دل آرام پردا اٹھا کر کمرے سے باہر آئی۔

خیریت؟

کندن؟

لاجونتی نے آہستہ سے جیسے اس کے کان میں کہا۔

وہ چلے گئے سرکار' آپ بے فکر رہئے لیکن ...

لیکن' کیا؟

چھوٹی سرکار' انہوں نے بڑی عجلت سے کام لیا۔ میں نے کہا تھا کہ وہ اسی لباس بں محل سے باہر چلے جائیں۔ لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی۔ وہ بارہ دری میں ں لباس اتار کر جانے لگے تھے۔ وہ تو خدا نے میری عزت رکھ لی۔ لباس لے کر میں اپس آ رہی تھی کہ مجھے یوں لگا جیسے ان کو زخمی کیا گیا تھا۔

دل آرام' یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔

لاجونتی کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی سانس روک دی گئی ہو۔ کندن کی نکلیف وہ بالکل برداشت نہ کرسکتی تھی۔ بے سدھ سی پلنگ پر گری اور آنکھیں بند لرلیں۔

آپ حوصلہ کریں چھوٹی سرکار' اللہ ان کا محافظ ہے۔

انہیں کیا معلوم کہ کندن کے ساتھ کیا ہوا۔

وہ تو خوش قسمتی کہ تیر نشانے پر نہیں بیٹھا ورنہ آج نواب بختیار جنگ اپنے صطبل کے عربی گھوڑوں کے سموں سے باندھ کر کھلے میں میدان میں روندوا دیتے۔ ن کے نزدیک کسی گستاخ کو ایسی ہی سزا دی جاتی تھی۔ اور پھر کندن کی سزا تو بڑی نگین تھی۔ پہرے دار کا تیر کندن کا سینہ چھلنی کرنے کی بجائے اس کی ٹانگ میں لگا۔ لندن نے درد کی شدت کی پرواہ کیے بغیر تیر کو پوری طاقت سے باہر نکالا' نکلتے ہوئے وہ کافی زخم کر گیا تھا۔ خون کا فوارہ سا پھوٹا اور وہ چھلانگ لگا کر گھنے درختوں کی آڑ بں ہو گیا۔

مر گیا۔

دوسری طرف پہرے دار اس کو مردہ جان کر اس کی لاش کو تلاش کرتے رہے ور وہ ساری ہمت مجتمع کر کے برق رفتاری سے لنگڑاتا ہوا گھوڑے کی جانب بھاگا۔ اصلہ بہت طویل تھا لیکن پھر بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ جتنی تیز بھاگ رہا تھا۔ یہ احساس ضرور دامن گیر تھا کہ اس کی ٹانگ کمزور ہو رہی تھی۔ اور جسم اس کا بوجھ

برداشت کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

بمشکل وہ گھوڑے کے قریب پہنچ کر بری طرح ہانپ رہا تھا۔ جیسے ہزاروں میل کی مسافت طے کی ہو۔ رکاب میں پاؤں رکھتے ہی کندن نے گھوڑے کی لگام کھینچ دی۔ گھوڑے کو بار بار ایڑ لگا کر وہ خود بری طرح تھک چکا تھا۔ اس کے جسم سے خون بری طرح سے نکل رہا تھا۔ اب تو اس میں گھوڑے کی لگام کھینچنے کی ہمت بھی نہیں رہی تھی لیکن بھاگے بغیر چارہ بھی نہ تھا۔ نواب کے آدمی اب بھی اس کے تعاقب میں سرگرداں تھے۔ گو اس نے بڑی پھرتی سے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا تھا۔ نواب کے آدمیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرا ٹکرا کر اس کے وجود کو پارہ پارہ کر رہی تھیں۔ بستی کے قریب جا کر اس کو خدشہ ا ہوا تو گھوڑا دوڑا کر وہ گھر کی جانب چل پڑا۔

ماں۔

دروازے پر کھڑے ہو کر کندن نے پوری طاقت سے ماں کو پکارا۔ وہ اس وقت پسینے سے شرابور تھا۔

ہائے اللہ، میرے بچے کی آواز۔

درد کی شدت سے لرزیدہ پکار سن کر صابرہ کے ہاتھوں سے چائے کی پیالی چھوٹ گئی۔

چونک کر شمی نے دیکھا۔ وہ اس وقت برتن صاف کرنے لگی تھی۔

کیا ہوا ماں۔

شمی نے جاتے جاتے ماں کو دیکھا۔

خدا خیر کرے، میرے کندن کی آواز ہے۔

پاگلوں کی طرح صابرہ بھاگ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے پیچھے شمی بھی بھاگ گئی۔ تڑپ کر ماں نے کنڈی کھول دی۔

کندن درد کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ نقاہت سے چور خون میں لت پت وہ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔

میرے بچے۔

ماں نے بے چین ہو کر کندن کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

شمی ساکن خاموش کھڑی تھی۔

لیکن ماں نوجوان بیٹے کا بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ وہ گرتے گرتے شمی کو پکڑ بیٹھا۔ شمی نے دونوں ہاتھوں سے اس کے ہاتھ کو تھام لیا۔

اندر لے چلو ماں، ورنہ یہاں مرجاؤں گا۔

اللہ ترے دشمن بھی سلامت رکھے۔

ماں نے دل سے دعا دی اور دونوں اس کو تقریباً گھسیٹتے اس کے بستر تک لے گئیں۔ بستر پر گرتے ہی وہ بے سدھ ہو گیا۔ ٹانگ سے خون اب بھی نکل رہا تھا۔ شمی نے جلدی سے خون بند کرنے کے لیے اپنی اوڑنی ٹانگ پر لپیٹ دی۔

تمہیں کس نے مارا ہے بیٹے۔

ماں کی آواز تھرا رہی تھی۔ شاید جذبہ انتقام ابھر رہا ہے۔

شمی نے خود کھونٹی سے چادر اتاری اور جراح کی طرف بھاگ گئی۔

چند منٹوں کی تاخیر کے بعد شمی جراح کو لے آئی تھی۔ ان سے پہلے کندن اور صابرہ کی آوازیں سن کر نواز پہلے ہی موجود تھا۔

جراح نے ٹانگ سے کپڑا ہٹا کر ایک دم زخم کو بغور دیکھا۔

ارے کندن، بیٹے، تم نے یہ زخم کیسے کھا لیا۔

جراح کی حیرت عروج تک پہنچ گئی۔

کیوں۔

نواز اور صابرہ حیران ہو کر بولے۔

یہ تو تیر کا زخم ہے، ذرا مشکل سے ہی بھرتا ہے۔

جراح نے اس قدر گہرے زخم کی نوعیت بیان کر دی۔

یہ تم نے کہاں سے کھا لیا بیٹا۔

نواز تذبذب کے عالم میں بولا۔

لیکن شمی اور صابرہ خاموش تھیں۔ وہ سب کچھ سمجھ گئیں تھیں کہ ضرور نواب کے آدمیوں سے یہ زخم کھایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کسی نے دیکھ لیا ہو۔

نواب کے آدمیوں سے جھگڑا ہو گیا تھا ماموں۔

نواز کے سامنے جھوٹ بولنے کی کوئی گنجائش نہ تھی کیونکہ یہ بات تو واضح تھی کہ تیر صرف نواب کے آدمی ہی چلا سکتے تھے۔ دوسروں کو استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جراح نے زخم صاف کر کے پٹی باندھ دی تھی اور درد کی شدت کو کم کرنے کے لیے پڑیاں دے دی تھیں۔

یہ ایک گھنٹے کے بعد لے لیں۔ وہ بھی اگر درد زیادہ ہو۔

کندن کی آنکھیں بند تھیں۔ پڑیاں شمی نے پکڑ لی تھیں۔

صابرہ افسردہ بیٹھی ہوئی تھی۔ شام تک نواز کندن کے پاس بیٹھا رہا۔ سورج غروب ہوتے ہی امیر بخش بھی دریا سے آ چکا تھا۔ آج کندن اس کی مدد کو دریا پر نہیں پہنچا تھا۔ وہ صحن میں آتے ہی صابرہ پر گرجنے لگا۔

میں اب جوانی کی طرف نہیں جا رہا۔ بوڑھا ہو رہا ہوں۔ اس قدر محنت میں نہیں کر سکتا' سمجھی۔

وہ جوش سے ٹوکری صحن کے کونے میں پھینک کر بولا۔

چپ ہو جاؤ۔ اندر بھائی بیٹھا ہے۔

صابرہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر امیر بخش کو خاموش رہنے کی تلقین کی۔ وہ جانتی تھی کہ کندن کے آج نہ جانے سے وہ ناراض ہے۔

کیا کوئی خاص بات ہو گئی ہے؟

امیر بخش ترش روئی سے بولا۔

اندر چلو۔

صابرہ نے امیر بخش کو اندر جانے کا اشارہ کیا اور خود چولہے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ رات کا کھانا خود پکانا چاہتی تھی۔ شمی سارا دن کام کرتے کرتے تھک جاتی تھی۔ دوسرے اس کی طبیعت بھی آج کل ٹھیک نہیں تھی۔

امیر بخش خاموشی سے نواز سے سلام دعا لے کر دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

کیسی طبیعت؟

محمد نواز نے امیر بخش کو دن بدن نحیف ہوتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

اللہ کا شکر ہے جیسے تیسے دن گزر رہے ہیں۔

امیر بخش جل کر کندن کو دیکھ کر بولا مگر نواز کے سامنے بول بھی نہیں سکتا تھا۔ اس غریب کی بیٹی اس کے گھر تھی۔ اونچا سانس بھی تو نہیں لے سکتا تھا۔ انہوں نے بیچاری شمی کو کون سی خوشی دی تھی۔ الٹا وہ مفت کی نوکرانی مل گئی تھی۔ شوہر کی محبت نہ ملنے کے باوجود بھی سارا گھر سنبھال رکھا تھا۔

اچھا صابرہ میں چلتا ہوں۔

محمد نواز کھڑا ہو گیا۔

بھائی بیٹھو تو سہی' ذرا ٹھہر کر چلے جانا۔

صابرہ نے اصرار کیا اور شمی بھی کھڑی ہو گئی۔

نہیں صابرہ رات ہو گئی ہے۔ زینب اکیلی ہو گی۔ میں اب چلتا ہوں۔

محمد نواز نے جانے کے لیے قدم اٹھائے۔

صابرہ نے راستہ چھوڑ دیا۔

ایک دم محمد نواز واپس پلٹ آیا۔

شمی اور صابرہ نے چونک کر دیکھا۔

کسی چیز کی ضرورت ہو تو دیوار سے آواز دے لینا۔

وہ صابرہ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

اللہ آپ کو سلامت رکھے' اور کس کو کہوں گی بھائی؟

صابرہ نے مشکورانہ انداز میں کہا۔

اور محمد نواز شمی کے سر پر ہاتھ پھیر کر چل دیا۔

محمد نواز کے جانے کی دیر تھی کہ امیر بخش کا پارہ چڑھ گیا۔

الو کا پٹھا' آج نیا گل کھلا کر آیا ہے۔ نواب کے آدمیوں سے جھگڑا کر آیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس کو گھر سے نکال دو۔ دفع کرو۔

امیر بخش بڑے جوش میں بول رہا تھا۔

ارے تمہیں کیسے معلوم ہوا؟

صابرہ حیران رہ گئی۔

مجھے، راستے میں جاتا ہوا جراح مل گیا تھا، اس نے بتا دیا۔

اچھا۔

صابرہ صرف اتنا ہی کہہ سکی۔

صرف جراح ہی نہیں، ساری بستی میں بات پھیل گئی ہے۔ لاجونتی کے عاشق کا باپ کہتے ہیں لوگ مجھ کو۔ جدھر سے گزرتا ہوں آنکھیں جھکا کر گزرتا ہوں۔ وہ بری طرح گرج رہا تھا۔ اس کی بوڑھی رگیں ابھر کر صاف نمایاں نظر آ رہی تھیں۔

آہستہ بولو، کندن کے ابا، لوگ ...

میں آہستہ بول لوں گا۔ جاؤ کرو بستی والوں کی زبانیں بند۔ لوگ بیٹیوں والے گردن جھکا کر چلتے ہیں اور میں جوان توانا بیٹے کا باپ ہو کر لوگوں سے نظریں نہیں ملا سکتا۔ میں چار نفوس میں بیٹھ نہیں سکتا۔ میں کسی کی بات نہیں کر سکتا کہ کہیں لوگ مجھے میرے بیٹے کی بے راہ روی کا طعنہ نہ دے دیں۔

بتاؤ، کس کے سہارے یہ بڑھاپا گزاروں گا۔ مجھ سے اپنا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا۔ آئندہ اس کا، اس کی بیوی اور اس کے بچے کا بوجھ کیسے اٹھاؤں گا۔

بولو، میں کیا کروں؟

آخری فقرے کے ساتھ ہی امیر بخش بری طرح سسک اٹھا۔

کندن شاید درد کی شدت کی وجہ سے بیہوش پڑا تھا۔ اس میں بولنے کی سکت بالکل نہ رہی تھی۔ ویسے اس نے باپ کی ساری گفتگو سن لی تھی۔

صابرہ ساکن و جامد خود تڑپ اٹھی۔ اس نے اپنے شوہر کو آج پہلی بار اولاد سے تنگ آ کر روتے دیکھا تھا۔ وہ چارپائی پر ٹوٹی شاخ کی طرح لرز رہا تھا جیسے باد خزاں کے تیز و تند جھونکے بار بار تڑپا کر گزر جائیں۔

بیٹے نے کس قدر ان سب کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی تھی۔

امیر بخش بہت تھک چکا تھا۔ وہ چارپائی پر بیٹھا زمین کریدتا رہا۔

صابرہ داغ دل آنسوؤں سے دھوتی رہی۔ شمی شوہر کے پاؤں دباتی رہی جو اس کا نہیں تھا۔ لاجونتی بھی عورت تھی اور وہ بھی عورت۔ عورت، عورت پر ستم ڈھا رہی تھی۔ وہ تو اس وقت دونوں خاندانوں کو ملا کر بیٹھی تھی۔ ایک دیوار بھی جس

کے ساتھ دو گھر بندھے تھے۔ وہ شکایت کرے تو کس سے کرے۔ اپنی ماں یا کندن کی ماں۔ کوئی بھی قصور وار نہ تھا۔ اس کی قسمت کا قصور تھا۔ اس کی قسمت پر جمود طاری تھا جس میں کوئی ردوبدل نہ ہو رہا تھا۔ قدرت نے اس کی قوت گویائی سلب کر دی تھی۔ وہ سن سکتی لیکن حرف شکایت زبان پر نہیں لا سکتی تھی۔ اس کے گھر میں ویرانیوں کے سائے پھیل چکے تھے۔ وہ دور کہیں تباہیاں بڑھتے دیکھ رہی تھی۔ خوشیاں تو روٹھ چکی تھیں۔ وہ سسکنے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ رات یونہی گزر رہی تھی۔ خیالات کے ڈراونے خواب اسے ہڑپ کرنے بیٹھے تھے۔ وہ یونہی خیالات کے مدوجزر میں غوطے کھا رہی تھی۔ اس کی مجبوریاں بڑھ رہی تھیں۔ آئندہ دنوں میں وہ ایک بچے کی ماں بن جائے گی۔ کون سنبھالے گا اس بچے کو۔ کندن اس کا شوہر ہونے کے ناطے بھی اس کا وارث نہیں تھا۔

شمی سو جاؤ بیٹی۔

صابرہ نے ایک دم جو آنکھ کھولی تو چونک کر بولی۔

وہ ابھی تک کندن کے پاؤں دبا رہی تھی۔ صابرہ کے کہنے پر وہ آہستہ سے اٹھی اور بستر پر لیٹ گئی۔

وہ لیٹ تو گئی لیکن ... نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

یا الٰہی، وہ کون سے لوگ ہیں جو جی بھر کے سوتے ہیں۔

اتنا سوچنے کے ساتھ ہی شمی نے کروٹ لی لیکن مؤذن کی آواز سے وہ پھر اٹھ بیٹھی۔

وہ تو اسی کے لیے پیدا ہوئی تھی۔

حالات سے جنگ کرنے کے لیے۔

لیکن وہ لاجونتی سے اپنا حق مانگ سکتی تھی۔

نواب بختیار جنگ کندن کو مار دے گا اور اس کے سارے خاندان کو زنداں میں عمر بھر کے لیے قید کر دے گا۔ حالات نے اسے کسی دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔

☆



ایک ماہ کی طویل جدائی کے بعد بھی جب کندن لاجونتی کے پاس نہ آیا تو لاج
کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ اس سے ہجر کی کڑی راتیں کاٹنا دوبھر ہو گئیں۔ وہ ف
کے جس دردناک عذاب میں مبتلا تھی۔ اس کی تلافی محل کا کوئی آدم زاد نہ کر
تھا۔ اسے کیا معلوم کندن کس کرب میں زندگی کی اذیت ناک راتیں گزار رہا
اگر اس میں چلنے کی معمولی سکت بھی ہوتی تو وہ ایک ماہ میں نہ جانے کتنی بار لاج
کے حضور پیش ہو جاتا۔ زخم سے زیادہ لاجونتی کی جدائی اس کے لیے اذیت ن
تھی۔ آگ دونوں طرف برابر ہی تھی۔

جب کوئی چارا کارگر ثابت نہ ہوا تو لاجونتی نے دل آرام کو اپنی خواب گاہ
طلب کیا۔

حکم چھوٹی سرکار۔

دل آرام خواب گاہ میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

ہم بہت بے چین ہیں دل آرام۔

لاجونتی کے چہرے پر اضطرابیت کے گہرے نشانات نمایاں تھے۔ بجھا بجھا سا
تھا۔

نصیب دشمناں، ہماری جان بھی حاضر ہے سرکار کے لیے۔

دل آرام نے مودب جھک کر کہا۔ وہ شاہی آداب سے پوری طرح وا
تھی۔

ہماری نادانی دیکھو، ہم نے آج تک کندن کے گھر کا پتہ نہیں دریافت کیا۔

لاجونتی کے لہجے میں پچھتاوے کا عنصر غالب تھا۔

گھر کا علم ہو بھی جاتا تو پھر کیا تھا؟

دل آرام نے مسکرا کر کہا۔

محبت میں ذات نسل و رنگ اور گورے کالے کا کوئی تضاد نہیں دل آرام۔

اگر ہمیں معلوم ہوتا تو ہم ضرور اس کو تلاش کر لیتے۔

یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں سرکار۔

دل آرام حیران رہ گئی۔ لاجونتی محبت کی انتہا تک پہنچ چکی تھی۔

دل آرام اب بھی خاموش تھی۔ کبھی کبھی چور نظروں سے لاجونتی کو دیکھ لیتی۔

اس کی اداس نظریں بار بار دریچے کا طواف کرتیں اور مایوس لوٹ آتیں، لاجونتی کی نگاہوں میں ویرانی اضطرابیت نمایاں تھی۔

جناب کھانا تیار ہے۔

دروازے پر باورچی نے اطلاع دی۔

دونوں ایک دم سے چونک گئیں۔

چلئے سرکار، آج تمام دن آپ نے کچھ نہیں کھایا۔

نہیں دل آرام ہمیں بھوک نہیں۔

وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی جیسے ٹوٹے دل کی کرچیں سمیٹ رہی ہو۔

آخر آپ کو کچھ تو کھانا چاہئے۔ صبح بھی ناشتہ کم کیا تھا۔

نہیں دل آرام اب ہماری اشتہا بھی ختم ہو چکی ہے۔

چھوٹی سرکار، نواب صاحب اور چھوٹے نواب ادھر ہی آ رہے ہیں۔

اچانک ایک کنیز نے آ کر اطلاع دی۔

آنے دو۔

لاجونتی لاپرواہی سے بولی۔

دوسرے ہی لمحے نواب بختیار جنگ اور زمان کمرے میں داخل ہوئے۔

طبیعت تو ٹھیک ہے میری بیٹی کی۔

نواب بختیار جنگ لاجونتی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

لاجونتی مودب بیٹھ چکی تھی۔

اتنے خوبصورت موسم میں تم کمرے میں بند ہو' تمہارا دل نہیں گھبراتا۔

زمان نے مسکرا کر دریچے سے پردا ہٹاتے ہوئے کہا۔

ہاں ہاں بیٹی' شام کے وقت باہر بیٹھا کرو۔ ہر وقت کمرے میں بند رہنا صحت کے لیے ٹھیک نہیں۔

نواب بختیار جنگ بیٹی کی پژمردگی دیکھ کر دل میں پریشان ہو رہے تھے۔

میں آئندہ احتیاط برتوں گی بابا جانی۔

وہ نواب صاحب کی پریشان صورت دیکھ کر بولی۔

چچا حضور' اب دیکھئے نا کس قدر خوبصورت موسم ہے۔

زمان نے راہ ہموار ہوتے دیکھ کر اپنا مدعا بیان کر دیا۔

لیکن لاجونتی جھلا کر رہ گئی۔ وہ زمان کے ساتھ کہیں بھی جانا پسند نہیں کرتی تھی۔

چند لمحے بیٹھنے کے بعد نواب بختیار جنگ اٹھ گئے۔

میں چلتا ہوں۔ وہ جاتے جاتے بولے۔

لاجونتی بھی کھڑی ہو گئی۔

تم بیٹھو' بیٹی اگر پسند کرو تو باہر باغ میں ضرور جاؤ۔

نواب صاحب جاتے جاتے باغ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولے۔

زمان نواب بختیار جنگ کے جاتے ہی کھڑا ہو گیا۔

چلو لاج' باہر دیکھو ذرا موسم۔

زمان نے دریچے سے پردہ ہٹایا۔

میں دیکھ رہی ہوں موسم خوبصورت ہے۔

لاجونتی نے بات کاٹنا چاہی۔

لیکن اس کو اور خوبصورت بنانے کے لیے تمہارا ہونا لازمی ہے۔ یعنی کہ تمہاری موجودگی موسم کو اور قیامت خیز بنا دے گا۔

لاجونتی چونک اٹھی۔

زمان کا انداز کچھ شستہ نہ تھا گو الفاظ اس قدر عریان نہ تھے۔

کیا بات ہے' کوئی ایسی بات کہہ دی کہ جو حضور کی طبع نازک پر گراں گزری ہے۔

زمان کو شاید اپنے رویے پر شک گزرا تھا۔

تمہاری کوئی بات بھی ایسی نہیں ہوتی جو میری طبع پر گراں نہ گزرے۔

لاجونتی کھڑے ہوتے ہوئے بڑے درشت لہجے میں بولی۔

کیا میں ایسی ہی بدوضع گفتگو کرتا ہوں۔

زمان لاجونتی کی پشت کے قریب جاتے سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔

ہنہ۔

لاجونتی نے غصے سے چہرے کو جنبش دی اور دوسری طرف ہو گئی۔ نہ جانے ں کو زمان کی بے جا مداخلت کیوں ناپسند تھی۔

آج تمہاری کوئی بات نہیں مانی جائے گی۔ تمہیں میرے ساتھ موسم کی سیر کو نا ہو گا۔

زمان۔

لاجونتی نے باہر کی جانب دیکھتے زمان کو پکارا۔

چونک کر زمان نے چہرہ اٹھایا۔

مجھے اس وقت باہر آوارہ گردی پسند نہیں۔

لاجونتی اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔

اس وقت کا کیا مطلب' میں تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارا شریک حیات ہوں' مارا ساتھی۔ زمان نے جھک کر لاجونتی کے سامنے سینے پر ہاتھ رکھتے گردن جھکا لی۔

اف' آپ سمجھتے کیوں نہیں۔

لاجونتی سٹپٹا گئی۔ وہ کسی طریقے سے جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا۔

میرے ساتھ جانا پسند نہیں کرتی۔

زمان لاجونتی کے تیور ہی بھانپ گیا تھا۔

بس ایسا ہی سمجھ لیجئے۔

لاجونتی ایک دم کہہ گئی۔ حالانکہ یہ قاتلانہ فقرہ اس کے لیے باعث عدا
سکتا تھا۔

ہوں۔

زمان نے سنگ مرمر کی منقش پھولدار کرسی پر بیٹھتے ہوئے گردن کسی ا
ذہن میں لاتے ہوئے ہلائی۔

لاجونتی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ گہری سوچ میں الجھا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔

آج میں ایک بات کروں گا۔

زمان کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی سنجیدگی ا
کرخت بنا رہی تھی۔

بات' کون سی بات۔

لاجونتی پلٹ کر بولی۔

وہ بات جو ایک عرصے سے دل میں بوجھ بنا کے پھرتا رہا ہوں۔

زمان نے آہستگی سے لاجونتی کو دیکھ کر کہا۔

کہو' جلدی' میں انتظار نہیں کر سکتی۔

لاجونتی خوفزدہ سی ہو گئی۔

تمہیں سب سمجھ ہے کہ ہم بچپن کے ساتھی ہیں۔ مستقبل میں ایک بندھ
بندھ جائیں گے۔

زمان نے سیدھے سادے طریقے سے سمجھا دیا۔

اس بات کو بھول جاؤ۔

لاجونتی نے ایک دم کہہ دیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے چونک کر زا
دیکھا۔ وہ تڑپ کر کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل
تھے۔

لاجونتی اس سے نگاہیں نہ ملا سکی۔

اس کا مطلب کہ وقت آنے پر تم مجھ سے شادی سے انکار کر دو گی۔ یہ
بھول ہے۔ دوسرے انسان کے ہاتھوں تمہاری لاش جا سکتی ہے۔ زندہ کوئی

حاصل نہیں کر سکتا۔ زمان جوش میں لاجونتی کے اس قدر قریب ہو گیا کہ لاجونتی نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے۔

میری بات کان کھول کر سن لو۔

اس محل میں زمان لاجونتی کے سوا کسی اور سے شادی ہرگز نہیں کر سکتا۔ آج نہیں تو کل میں اس وسیع و عریض ریاست کا مالک بن جاؤں گا۔ سمجھی میری جان' جان آرزو۔

زمان نے جوش جذبات میں لاجونتی کو پوری طاقت سے جھنجھوڑ ڈالا۔

نازک پان دھان سی لاجونتی سنبھل نہ سکی اور مسہری پر گر گئی۔ وہ ایک بار سنبھلی لیکن پھر گری۔

زمان دریچے میں کھڑا ہو گیا۔

آج کتنا دل چاہتا تھا کہ اس موسم میں تم میرے ساتھ چلو گی لیکن آج تک کوئی بھی ایسا خوش نصیب دن نہیں جب تم نے میری ہاں میں ہاں ملائی۔

اس نے دانت پیسے' لیکن لاجونتی کمرے سے جا چکی تھی۔

تشنہ جذبات کے زبردست کچوکوں سے اس کا بدن اذیت ناک حالت میں تڑپنے لگا۔ غصے سے زمان نے دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں کو زور سے بند کر لیا اور بڑی تیز رفتاری سے باہر نکل آیا۔

لاجونتی دور سامنے مغربی باغ کے چبوترے پر خوبصورت شیڈ کے نیچے زمان کو نکلتے دیکھ رہی تھی۔ ہر تیسرے چوتھے روز اس سے تلخی ہو جاتی تھی۔۔

یہ شخص ضرور گل کھلائے گا۔ کسی آنے والے اندیشے نے لاجونتی کو اور بھی پریشان کر دیا۔ وہ کیسے گزرے وقت کے اس لمحے کو واپس لائے۔ وہ لاکھوں کوس کا فاصلہ بھی طے کرے تو واپس لانے میں ناکام ہو گئی۔ وہ کندن کی قربت کے لیے بے چین تھی۔ زمان کے حالات سنگین صورت اختیار کر چکے تھے۔ وہ جب بھی چاہے گا شادی کا مسلہ کھڑا کر دے گا۔ نواب بختیار جنگ کا بھتیجا جو ہوا۔ وہ مستقبل میں ریاست کا وارث ہے۔ وہ اس تخت کا ولی عہد تھا۔ جو آئندہ سالوں میں اس کو ملنے والا تھا لیکن کندن کو کیسے چھوڑ دے۔ اب تو وہ محبت میں بہت فاصلہ طے کر چکی

تھی۔ پلٹ کر واپس آنا بہت مشکل تھا۔ کندن کی محبت اس کی رگ و پے میں زہر ہلاہل کی طرح سرایت ہو چکی تھی۔ لاجونتی عجیب قسم کے دردناک عذاب میں مبتلا ہو چکی تھی۔ سردی بڑھ رہی تھی۔

لیکن وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ان ہی خیالوں میں مستغرق بیٹھی تھی۔

چھوٹی سرکار۔

پشت کی جانب سے دل آرام نے پکارا۔

چونک کر لاجونتی نے پلٹ کر دیکھا۔ دل آرام کو دیکھ کر واپس اپنی سوچوں میں اتر گئی۔

سردی بڑھ رہی ہے چھوٹی سرکار۔ اندر چلئے۔

دل آرام نے مودب کہا۔

ہمیں مت جانے کے لیے کہو دل آرام۔

لاجونتی افسردگی سے بولی۔

آپ کی صحت پہلے ہی کمزور ہے چھوٹی سرکار۔ اگر خدانخواستہ سردی لگ گئی تو؟

دل آرام تشویش بھرے لہجے میں بولی۔

نہیں' ایسا نہیں ہو گا۔ ہم تو حالات کے اذیت ناک شعلوں میں جل رہے ہیں یہ سردی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔

لاجونتی کے الفاظ اندرونی کرب سے لبریز تھے۔ حسرت ہی حسرت تھی ان میں۔

ایسا نہ کہئے چھوٹی سرکار۔ خدا آپ کو قرار نصیب کرے۔

دل آرام لاجونتی کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے بولی۔

درد عشق بڑھتا رہا جوں جوں دوا کی۔ چند دنوں میں لاجونتی چارپائی کے ساتھ لگ گئی۔ کندن کی جدائی نے اس کے اعصاب کو کمزور سے کمزور تر بنا دیا۔ وہ نہ کچھ کھاتی اور نہ کچھ پیتی۔

نواب اور رانی ماں بے حد پریشان رہنے لگے تھے۔ کیا ہو گیا لاجونتی کو۔

نواب صاحب تخلئے میں بیگم سے بولے۔

میں تو خود پریشان ہوں' میری لاڈلی بیٹی ہے۔ نہ جانے کس کی نظر کھا گئی ہے۔ وہ سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے۔

رانی ماں کا لہجہ انتہائی افسوس ناک تھا۔

میرے خیال میں شاہی حکیم کو دکھایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

سمجھ نہیں آتا لاجونتی کی بیماری کون سی ہے۔ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔

نواب گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

شاہی حکیم باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔

ملازم نے مودب کہا۔

ہوں۔

نواب صاحب اور رانی ماں ایک دم چونکے۔

آنے دو۔

اس کے ساتھ ہی نواب اور رانی ماں کھڑے ہو گئے۔

شاہی حکیم نے جھک کر سلام کیا اور نواب صاحب کے ہمراہ لاجونتی کے کمرے کی جانب چل دیے۔

چھوٹی سرکار' شاہی حکیم صاحب نواب صاحب کے ہمراہ آ رہے ہیں اور رانی ماں بھی ساتھ ہیں۔

صنوبر نے بھاگ کر لاجونتی کو اطلاع دی۔

لاجونتی ریشمی گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ صنوبر کی اطلاع پر وہ زبردستی چہرے پر بشاشت لاتے ہوئے باہر والے دروازے کی جانب دیکھنے لگی لیکن اندر جو زخم بار بار ٹیس پہنچا رہے تھے ان کی اذیت ناک تکلیف خواہ مخواہ ہی چہرے پر عیاں تھی۔

ایک دم دل آرام اور دوسری کنیز کھڑی ہو گئی۔

نواب صاحب رانی ماں اور حکیم صاحب تشریف لائے۔

لاجونتی بھی سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

نواب صاحب اور رانی ماں سامنے کرسیوں پر دراز ہو گئے اور شاہی حکیم اپنی

کھلی قبا کو سنبھالتے ہوئے لاجونتی کے قریب ہی شیشے کے بنے ہوئے سٹول پر بیٹھ گئے۔

کہو بیٹی، کیسی طبیعت ہے آپ کی۔

حکیم صاحب نے محبت سے لاجونتی کو بغور دیکھا۔

میں، ٹھیک ہوں، مجھے کوئی تکلیف نہیں۔

لاجونتی سیدھی ہوتے ہوئے بولی۔

ہوں۔

حکیم صاحب نے لاجونتی کی نبض پر انگلیاں رکھتے ہوئے سرہلایا اور چند سیکنڈ نبض پکڑے رہے۔ پھر حکیم صاحب نے نواب صاحب کی جانب دیکھا۔

کوئی خوف ہے جو ہر وقت دل پر سوار رہتا ہے اور پھر دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے کچھ کھانے پینے کو دل نہیں چاہتا۔ ایسا لگتا ہے وہم کی بیماری ہے بٹیا کو۔

جی۔

لاجونتی چونک گئی۔ اپنی دانست میں حکیم صاحب بالکل درست کہہ رہے تھے۔

کونسا خوف ہے بیٹی کو۔

رانی ماں نے بے ساختہ لاجونتی کے چہرے کو محبت سے دیکھ کر کہا۔

لاجونتی صرف خاموش رہ گئی۔ جواب کے لیے کوئی ایسے الفاظ نہ تھے جو وہ کا دل بہلا سکتی۔

کھلی فضا میں سیر کرنا بہت مفید ہے۔

حکیم صاحب اٹھتے ہوئے بولے۔

کوئی علاج؟

نواب صاحب پشت کی جانب ہاتھ باندھ کر متفکر لہجے میں بولے۔

اس کا کوئی علاج نہیں نواب صاحب، بس ذرا بیٹی کم سوچو۔ آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔

حکیم صاحب لاجونتی کو کہہ کر نواب صاحب کے ساتھ ہی باہر نکل گئے۔

نواب صاحب تو چلے گئے۔

رانی ماں نے لاجونتی کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ ان کی ...ن ترین شہزادی کس قدر کمزور ہو چکی تھی۔

بیٹی، تمہیں کون سا خوف ہے، بتاؤ نا۔

رانی ماں گھبرا اٹھی۔

کوئی خوف نہیں رانی ماں، آپ فکر مند نہ ہوں۔

لاجونتی نے سر کو رانی ماں کے شانے پر ٹکا دیا اور آنسوؤں کی ایک نہر تھی جو کی آنکھوں سے پھوٹ نکلی۔ نہ جانے کیوں ماں کی والہانہ محبت سے اس کی ...ہوں کے سوتے پھوٹ پڑے۔ وہ ماں کے شانے پر سر رکھے بری طرح سسک کر ...رہی۔ رانی ماں بیٹی کی طبیعت کو اس قدر بے چین اور مضطرب نہ دیکھ سکیں کہ خود بھی رو دیں۔

بتا دو بیٹی، تمہیں کیا دکھ ہے۔

رانی ماں بڑے دلگیر انداز میں لاجونتی کے چہرے کو تھام کر بولیں۔

نہیں نہیں، میں نہیں بتا سکتی، نہیں ماں...

چونک کر لاجونتی نے پلٹتے ہوئے تکیے میں سر دے کر سسکنا شروع کر دیا۔

رانی ماں کچھ نہ سمجھ سکی۔ ان کے ذہن میں یہی ہو سکتا تھا کہ لاجونتی زمان کو ...مانہ کرتی ہو۔ اس حقیقت کو نہیں جھٹلایا جا سکتا تھا۔ زمان ایک اٹل حقیقت تھی جو ...ئے لاجونتی کے کسی اور کا شوہر نہیں بن سکتا تھا۔

بیٹی، تمہیں اس وہم کو دل سے نکال دینا چاہئے اور زمان کو چاہنے کی کوشش -

رانی ماں نے بڑے مشفق انداز میں لاجونتی کو نصیحت کی۔

رانی ماں...

لاجونتی نے آنکھیں اٹھائیں۔ گھنی گھنی پلکوں سے ایک ساتھ کئی ستارے ٹوٹ ...رخساروں پر بہہ نکلے۔

یہ سب کیا تھا، محرومی کا احساس۔

کندن سے فراق کی اذیت اور ایک عرصے سے جدائی کے اذیت ناک لمحات آگ میں جلنا۔ ان سب نے مل کر لاجونتی کے جذبات کو چور چور کر دیا۔ وہ کندن ملاقات کے لیے مچل رہی تھی۔ تڑپ رہی تھی۔ وہ صرف ہونٹوں کو کند کیے دل درد کو چھپاتی رہی۔

رانی ماں اس کے درد کا مداوا نہ کر سکی۔ جاتے جاتے دل آرام کو چند ضر ہدایات دے کر پریشان کرے سے چلی گئیں۔

دن یونہی گزرتے رہے۔ لاجونتی جس کے لیے تڑپ رہی تھی۔ وہ نہیں ہر رات اس کی ہزاروں سالوں پر بھاری تھی۔ وہ شب کے انتظار میں ہی خواب گاہ کے دریچے کھول دیتی اور محو انتظار مسہری پر بیٹھ جاتی لیکن اس کا ا انتظار ہی رہا۔

وہ کندن کے لیے بے قرار رہی۔

☆



محل کے مغربی کونے میں پھولوں کے حسین کنج میں سفید کرسیاں بچھی تھیں۔ درمیان میں ویسی میز موسمی پھلوں سے مزین لدھی پڑی تھی۔ رانی ماں اور لاجونتی اپنی اپنی کرسیوں پر ٹیک لگا کر بیٹھی تھیں۔ صنوبر باادب طریقے سے سیبوں کی قاشیں چاندی کی طشتری میں رکھ رہی تھی۔ رانی ماں یکے بعد دیگرے سیب کی قاش اٹھا کر منہ میں رکھ لیتیں مگر لاجونتی کب سے ایک ہی قاش کو انگلیوں میں پکڑے بیٹھی تھی۔ وہ سامنے دو سفید سفید بدلیوں کو کالی بدلی کے تعاقب میں بھاگتے دیکھ رہی تھی۔ دیکھتے دیکھتے ہی موسم سرمئی سا ہو گیا تھا۔ برسات کی آمد آمد تھی۔ سیاہ مست ہاتھیوں کی طرح جھومتے ہوئے بادلوں کے غول آ رہے تھے۔ ٹھنڈی ٹھنڈی فرحت بخش ہوا چل رہی تھی کہ دل حزیں کی کلی چٹک رہی تھی۔ اس وقت شام چار بجے کا عمل ہو گا۔

خیال ہے بارش آئے گی۔

رانی ماں نے آسمان کو دیکھ کر کہا۔

رانی ماں کی تقلید پر لاجونتی نے گردن اٹھا کر سارے آسمان کو بغور دیکھا۔

بہت بارش آئے گی۔ آسمان کی حالت بتا رہی ہے۔

آسمان کی یا موسم کی۔

رانی ماں اور لاجونتی ایک دم چونک گئیں۔

پشت کی جانب سے زمان نے لاجونتی کی بات اچک لی تھی۔

وہ بڑی تیزی سے لاجونتی کے قریب والی کرسی پر بیٹھ گیا اور خود ہی سیب کی

قاش اٹھا کر کھانے لگا۔
چلو لاج' آج تمہیں دریا پر لے چلوں۔
زمان بے حد اپنائیت سے بولا۔
ہاں ہاں' آج موسم بہت اچھا ہے۔
رانی ماں نے بیٹی کی خوشی کے لیے خود ہی زمان کی حمایت کی۔
بارش آنے والی ہے اور ہم بھیگ جائیں گے۔
لاجونتی نے دور خلا میں دیکھتے ہوئے کہا۔ انداز انتہائی لاپرواہ تھا۔
پھر کیا ہوا' نمک تو نہیں جو بہہ جائیں گے۔
زمان نے برجستہ رانی ماں کی طرف دیکھ کر کہا۔
ہاں بیٹی معمولی بات ہے۔ ذرا باہر دریا کی فضا سے طبیعت بھی بہل جائے گی۔
رانی ماں کی دلی خواہش تھی کہ ان دونوں میں ذہنی مطابقت ہو جائے لیکن لاجونتی اتنا ہی زمان سے دور بھاگ رہی تھی۔
چلو چلو' آج تو میری مرضی چلے گی' اٹھو شاباش۔
زمان نے بڑے التجا آمیز انداز میں کہا۔
رانی ماں۔
لاجونتی نے عاجزانہ نظریں رانی ماں کے شفیق چہرے پر ڈالیں لیکن رانی ماں کے دل میں یہی ارمان کروٹیں لے رہا تھا کہ کاش لاجونتی اور زمان ایک دوسرے کو پسند کرنے لگیں۔ زمان کی طرف سے تو کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی لیکن لاجونتی کا رویہ دن بدن درشت ہوتا جا رہا تھا۔
زمان ٹھیک کہہ رہا ہے بیٹی' پھر ویسے بھی حکیم صاحب نے کھلی فضا میں چلنے پھرنے کی تاکید کی ہے۔
رانی ماں نے کہا۔ وہ لاجونتی کی نظروں کا مفہوم سمجھ گئی تھیں لیکن اس وقت وہ نظریں چرا گئیں۔
ٹھیک ہے' لاج جلدی کرو۔ میں ابھی آیا۔
زمان رانی ماں کی شہ پا کر باغ سے بھاگتا ہوا نکل گیا۔ آج اس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔
زمان کے جاتے ہی لاجونتی نے ملتجانہ نظروں سے رانی ماں کی طرف دیکھا اور گویا ہوئی۔
میرا اس موسم میں سیر کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔
ارادہ' سیر کرنے میں ارادے کا کوئی دخل نہیں۔
رانی ماں نے بڑے سادہ سے الفاظ میں لاجونتی کی تسلی کرنا چاہی۔
رانی ماں آپ سمجھتی کیوں نہیں۔ جب میرا دل نہیں مانتا' زمان...
لاجونتی بری طرح جھلا گئی۔
زمان کے ساتھ کہیں باہر جانا۔
رانی ماں نے فوراً" بات اچک لی۔ ان کے لہجے میں خاصی تلخی تھی۔
لاجونتی نے محسوس کیا کہ چند دنوں سے رانی ماں زمان کی بہت حمایت کر رہی تھیں۔
یہ بات نہیں۔
لاجونتی نے بات ٹال کر کہا۔
اور کیا مطلب' میں جان چکی ہوں کہ تم زمان کو پسند نہیں کر رہیں' یہ تمہارا خیال خام ہے کہ زمان کے علاوہ تمہاری شادی کسی اور سے ہو جائے گی۔ خاندان کے رسم و رواج کو کوئی نہیں توڑ سکتا' تم بھی نہیں؟
آخری الفاظ رانی ماں کے سوالیہ تھے۔
رانی ماں۔
ادھر بھی حسرت بھری آنکھوں میں سوال ہی سوال تھے۔ لاجونتی کی بادامی آنکھوں میں محرومیاں آنسوؤں کی صورت میں لاتعداد قطرے بن کر برسنے لگیں۔ وہ ماں کا بھی اس قدر درشت رویہ برداشت نہ کر سکی۔ کرسی پر بیٹھی ہاتھوں پر چہرہ رکھے زارو قطار رو دی۔ وہ سسک رہی تھی۔ جیسے لاوا پک رہا ہو۔ رانی ماں گھبرا اٹھی۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ اتنی سی بات کا لاجونتی کے دل پر اس قدر اثر ہو گا۔
لاج بیٹی' خدارا ہمیں اس قدر پریشان نہ کرو۔ ہمارا مقصد قطعاً" تمہارا دل

دکھانا نہیں تھا۔ یہ تو سب کچھ تمہارے بھلے ہی کے لیے کہہ دیا تھا۔

رانی ماں اٹھ کر لاجونتی کے سر کو اپنے سینے سے لگاتے ہوئے بولیں۔ ان کو واقعی اس وقت دکھ ہوا تھا۔

میں اس زنجیر کو نہیں توڑ سکتی بیٹی۔ یہ اصولوں کے بند و سلاسل ہمارے خیالات نہیں بدل سکتے۔ ہم نواب لوگ شاہی روایات کو اپنی مرضی کے تابع نہیں بنا سکتے۔ ہمارے آباؤ اجداد نے جو اصول بنا دیے ہیں ان سے انحراف شاہی وقار کی دھجیاں اڑانا ہے اور ایسی صورت میں موت کو ترجیح دی جا سکتی ہے۔ میں اپنے جیتے جی تمہیں اس اذیت میں مبتلا نہیں دیکھ سکتی۔ اس لیے تمہیں زمان ....

چلو اٹھو لاج‘ میں گھوڑا یہاں ہی لے آیا ہوں۔

گھوڑے کی لگام آگے سے تھامے زمان تیز تیز قدم اٹھاتا باغ کی پٹڑیوں پر ہی رک گیا۔ رانی ماں ایک دم سے خاموش ہو گئیں اور اندرونی کیفیت کو دباتے ہوئے مسکرا دیں۔

زمان گھوڑے کو وہیں روک کر لاجونتی کے قریب آ گیا۔

کیا بات ہوئی۔

لاجونتی کی انگارہ بنی آنکھیں دیکھ کر وہ ٹھٹھکا۔

کچھ نہیں‘ تمہیں معلوم ہے طبیعت ٹھیک نہیں رہتی۔

رانی ماں نے زمان کی تسلی کرنا چاہی۔

لیکن زمان نے کوئی اثر نہ لیا۔

آؤ۔

وہ بڑی چاہت سے لاجونتی کے قریب جاتے ہوئے بولا۔

لاجونتی کسی مشینی آلے کی طرح بغیر کسی تردد کے زمان کے ساتھ ہو لی۔

وہ شاہی اصولوں میں جکڑی ایک لاش تھی جس کو گھوڑے پر بٹھانے وہ لے جا رہا تھا۔

لاجونتی محل سے ہی گھوڑے پر بیٹھ گئی تھی۔ شاید اس میں چلنے کی سکت باقی نہ تھی۔ زمان مسرور و شاداں لگام تھامے پیدل ہی دریا کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔

تمام راستہ دونوں ہی خاموش رہے۔ مہر خاموشی کو کسی نے بھی توڑنے کی جرات نہ کی۔ وہ ساحل کے ساتھ ساتھ آباد بستیوں کو بغور دیکھ رہی تھی۔ ایک جگہ ویرانہ دیکھ کر زمان رکاب پر پاؤں رکھ کر خود ہی لاجونتی کے پیچھے بیٹھ گیا اور لگام پکڑ لی۔ لاجونتی کا نازک وجود اس کے توانا بدن سے مس ہوا تو زمان کے حواس پر بجلی سی گری۔ ٹھنڈی سرشار ہوا سے اس کے سیاہ بال لہرا لہرا کر زمان کو پاگل بنا رہے تھے۔ وہ سامان موت کو سینے میں سمیٹے نہ معلوم منزل کی جانب جا رہا تھا۔

درمیانی فاصلے کو عبور کرنے کے لیے زمان نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی۔ وہ جان بوجھ کے لاجونتی کو اپنے قریب سے قریب تر کرنا چاہتا تھا۔ جتنا بھی گھوڑے کی رفتار بڑھتی جاتی۔ لاجونتی سہم کر سمٹی جاتی تھی۔ زمان کے لیے اس سے زیادہ اور لذت آفرین کون سا لمحہ ہو سکتا تھا کہ جس کو پانے کے لیے ایک مدت سے چاہ رہا تھا وہ گوہر عظیم اس کے قریب تھا بلکہ اس کے حصار میں تھا۔ دفعتاً چونک کر لاجونتی نے ادھر ادھر دیکھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے مہر خاموشی کو توڑ دیا۔

واپس چلو زمان‘ ہم بہت دور نکل آئے ہیں۔

نہیں لاج‘ ابھی تو کچھ فاصلہ طے نہیں کیا۔

وہ بدستور لگام کھینچ کر بولا۔

لاجونتی خاموش ہو گئی۔

فاصلہ واقعی کافی میل کا طے ہو چکا تھا۔ کوئی اور بستی قریب آتی جا رہی تھی۔

لو دیکھو کس قدر حسین مناظر ہیں۔

زمان نے دور سامنے لاجونتی کی توجہ اس کنارے کی طرف مبذول کروانا چاہی جہاں کافی مچھیرے ٹوکروں میں مچھلیاں بھر بھر کر لے جا رہے تھے۔

لاجونتی نے چونک کر دیکھا۔ ان مچھیروں کے کافی دور ایک نوجوان بیساکھی کے سہارے بڑے پتھر پر سر گرائے بیٹھا تھا۔

اس کو دیکھ کر لاجونتی کو اپنا دکھ شدت سے یاد آنے لگا۔ اف وہ بھی اس قدر پریشان ہے۔

وہ دونوں گھوڑے پر سے اتر گئے۔ زمان نے دیکھا دریا کے کنارے کنارے

دور تک سفید سفید پتھر رکھے ہیں۔ وہ لاجونتی کے مخالف سمت میں تھے۔

لاج آؤ ان پتھروں پر چلتے چلتے محل تک پہنچ جائیں۔

زمان موسم اور کچھ لاجونتی کے ہوشربا حسن سے خوب متاثر ہو رہا تھا۔ اس انداز بھی بڑا رومان انگیز تھا۔

مجھ میں تو اب چلنے کی بالکل سکت نہیں۔ میں یہاں بیٹھتی ہوں۔

وہ دھڑکتے دل کو سینے میں دبائے ایک پتھر پر بیٹھ گئی۔ لیکن چونک کر ایک اس کا دل دھڑکا۔ سامنے بیٹھا جوان کندن تھا۔ وہ کندن' اس کے جذبات میں آگ سی لگ گئی۔ ایک دم لاجونتی نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ پتھروں پر اچھل اچھل کر دور رہا تھا۔ زمان کی پرواہ کئے بغیر ہی وہ ایک دم اٹھی۔

میں آ رہا ہوں تم بیٹھو۔

وہ جاتے جاتے پانی سے کھیلتا بولا۔

لیکن لاجونتی کی رگوں میں گردش کرتا خون تیز ہو گیا۔ ایک مدت کے بعد متاع حیات دیکھ کر کس طرح برداشت کر لیتی۔ محبت تخت و تاج کی کب پرواہ کرتی ہے۔ لاجونتی نے جوش جذبات میں ایک زبردست نفرت و حقارت سے لبریز نظر زمان کے تخت و تاج پر ڈالیں۔

کندن۔

وہ دیوانہ وار اس طرف لپکی۔

کندن' آواز دوسری بار پھر چاروں جانب گونج اٹھی۔

اب اس کی آواز میں لرزش پیدا ہو گئی تھی کیونکہ مسلسل درد فراق نے کو کافی کمزور بنا دیا تھا۔ ویسے بھی وہ اتنی صعوبت اٹھانے کی سکت نہ رکھتی تھی۔

آج دنیا کے تمام پہرے اٹھ چکے تھے۔

کندن۔

لاجونتی کی آواز آسمان کا سینہ چیر گئی۔ جتنا درد اس میں شامل تھا شاید زمین پھٹ جاتی۔

لاج۔

بری طرح تڑپ کر کندن نے ادھر ادھر دیکھا۔ لاجونتی کی جانی پہچانی آواز اس کی سماعت سے بری طرح ٹکرا گئی۔ وہ تڑپ اٹھا۔ ماہی بے آب کی طرح مچل اٹھا۔ بے چین نظریں اس نے بھاگتی ہوئی لاجونتی پر ڈالیں۔

لاج' میری جان۔

کندن نے باہیں پھیلا دیں۔

اور' لاجونتی ہانپتی ہوئی ٹوٹی شاخ کی طرح کندن کے کشادہ سینے میں سما گئی۔ کندن نے اپنے بازوؤں کے حصار کو اور تاریک کر لیا کہ اس کے دکھتے بدن کو تسکین مل جائے۔ وہ کسی بے گناہ معصوم پرندے کی طرح کندن کے وجود میں سمٹی جا رہی تھی۔ وہ دنیا سے اپنے آپ کو چھپا لینا چاہتی تھی۔

جان کندن' جان شیریں' روح کندن تو کہاں سے آ گئی۔ نہ جانے میں کب تک تیرے پاس نہ جا سکا۔

کندن نے بھرائی ہوئی آواز کے ساتھ لاجونتی کے وجود کو اپنے قریب کر لیا۔ وہ اب کوئی فاصلہ نہ رہنے دینا چاہتا تھا۔ فاصلے مٹانے کے بعد بھی نہ مٹ سکے تھے۔ لاجونتی نے ارد گرد کے ماحول سے بے نیاز کندن کے درد انگیز چہرے کو بغور دیکھا۔ کندن نے جھک کر روشن پیشانی چوم لی۔

بوسہ' عقیدت بھرا محبت کا سلام' پیار کے تقدس کو برقرار رکھنے کا اعلان۔

لاجونتی۔

ایک دم پلٹ کر جو زمان نے دیکھا تو اس کی روح قبض ہو گئی۔ وہ برق رفتاری سے ان کے قریب آ گیا۔

لاجونتی۔

زمان نے قہر آلود نظریں لاجونتی کے وجود پر ڈالیں جو کندن کی آغوش میں تھی۔ زمان کو دیکھ کر دونوں چونک کر کھڑے ہو گئے۔

ہوں' اب معلوم ہوا کہ تم دل کی بیماری میں کیوں مبتلا ہو گئی ہو۔ ایک گھٹیا پنچ آدمی کا عشق تمہیں گھن کی طرح کھائے جا رہا ہے۔

زمان کے لہجے میں انتہائی نفرت اور حقارت انداز شامل تھا۔

زمان، خبردار کندن کو گھٹیا نہ ...

لاجونتی چیخ اٹھی لیکن زمان نے بات اچک لی۔

اس لیے کہ یہ تمہارا معشوق ہے اور معشوق کی توہین تم پسند نہیں کرتی۔

زمان نے گہری نظروں سے دیکھا۔

لاجونتی کی رخساروں کی شفق واپس آ چکی تھی۔ وہ اب کہیں زیادہ حسین نظر آ رہی تھی۔ اس وقت موسم کے ہمرنگ لباس میں ہی ملبوس تھی۔

لاجونتی سہم کر کندن کے اور قریب ہو گئی۔

لیکن وہ بپھرے ہوئے چیتے کی طرح لاجونتی کی طرف بڑھا اور لاجونتی کو چھین کر اپنی طرف کھینچا۔

وہ چیخ اٹھی۔

کندن کی دردناک آواز ابھری۔

وہ ظالم بھیڑیا لاجونتی کو کھینچ کر گھوڑے پر پھینکے محل کی جانب بھگا لے گیا۔

کندن نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ نفرت سے ٹانگوں کو دیکھا جو آج وہ اپنے محبوب کا ساتھ نہ دے سکتی تھیں۔ اس نے بے چین وحشیانہ نظروں سے ان ہاتوں کو دیکھا جو جاتی ہوئی لاجونتی کو روک بھی نہ سکتے تھے۔ وہ بت بنا کھڑا رہا۔ ساکت و جامد صرف اس کا دماغ چل رہا تھا۔

ایک دم وہ چونک گیا۔

بوڑھے امیر بخش نے پشت سے کندن کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

اب تباہی کے تمام دروازے کھل چکے ہیں بیٹا۔ نواب بختیار جنگ جتنا رحم دل منصف مزاج ہے اتنا جابر اور قہرانگیز بھی ہے۔ وہ خاندانی وقار کے خلاف کچھ بھی برداشت نہیں کرے گا۔

امیر بخش سامنے آ چکا تھا لیکن کندن خاموش تھا۔ زبان سلب تھی جگر زخمی تھا، وہ تو کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ اسے خاندانی عظمت وقار سے کیا۔ اسے تو محبت درکار تھی۔ اب بھید کھل چکا تھا۔ آدمی ضرور نواب کا کچھ قریبی ہو گا۔

اب ہنگامہ ضرور کھڑا ہو گا۔

بابا۔

وہ گہرا سانس لیتے پتھر پر بیٹھ گیا۔

کہو۔

بوڑھے امیر بخش کی آنکھیں بیٹے کی کسمپرسی پر بھیگ گئی تھیں۔ وہ بہت ہی رنجیدہ تھا۔

اب کیا ہو گا۔

کندن بغیر سوچے سمجھے بولا۔

اب بہت کچھ ہو گا۔ تمہیں معلوم ہے یہ ساری جاگیر نواب کی ہے۔ نواب بختیار جنگ کی جاگیر میں کئی گاؤں شامل ہیں۔ وہ "تقریباً" پورے شہر کا مالک ہے۔ وہ تمہیں کچا چبا جائے گا۔ تمہارے ساتھ سارے خاندان کو کولہو میں پلوا دے گا۔

پھر، پھر۔

اس کے بعد امیر بخش کے احساسات آنسوؤں کی صورت میں بہنے لگے۔ وہ سر کو بیٹے کے شانے پر رکھ کر زاروقطار رونے لگا۔

کندن اب بھی خاموش تھا۔

کاش میری ٹانگ ٹھیک ہو جاتی۔ زخم بھرنے میں ابھی چند دن اور باقی ہیں۔

کندن نے امیر بخش کو دیکھ کر کہا اور شانوں سے پکڑ کر قریب بٹھا لیا۔

میرا ساتھ دو بابا، لاجونتی تنہا رہ گئی ہے۔ وہ آدمی اسے مار ڈالے گا۔

کندن جوش میں دانت پیس کر بولا۔

پھر وہ بے ساختہ ہاتھوں پر سر رکھے سسک اٹھا۔

میں چل نہیں سکتا، مجبوری کی سنگین دیوار میرے راستے میں حائل ہے۔ کیا کروں۔

وہ مایوسی کے گہرے کھڈ میں گرتا جا رہا تھا۔ چہرے پر مضطرب سائے رقصاں تھے۔

اب ہماری اور اپنی موت کا انتظار کرو۔ نواب کے سپاہی تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گے۔

امیر بخش نے پھر جیسے اس کو جرم کی سزا یاد دلا دی۔

بابا' کیا ہوا ہے' کیا ہو گیا ہے مجھ سے؟

میں نے صرف لاجونتی سے محبت کی ہے۔ نواب کی دولت پر ڈاکہ نہیں ڈالا۔

کندن کو باپ کی اس بات پر غصہ آ گیا۔

تم نے نواب کی عزت پر ڈاکہ ڈالا ہے اور عزت کے لٹیرے کو کوئی معاف نہیں کرتا۔ بوڑھا امیر بخش بظاہر نرم رویہ اختیار کیے ہوئے لیکن اس کا انداز بے حد چبھتا ہوا تھا۔ وہ نرمی کے تیروں سے کندن کا کلیجہ چھلنی کیے جا رہا تھا۔

بابا' خدا کے لیے مجھے یوں نہ ستاؤ' میں تو پہلے ہی بہت دکھی ہوں۔ میں نے لاجونتی کے تقدس پر آنچ نہیں آنے دی۔

کندن نے باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔ بہت بیچارگی اور کسمپرسی تھی اس انداز میں۔

کندن بیٹے۔

بوڑھا امیر بخش تڑپ اٹھا۔ اس سے بیٹے کی محرومیاں اور یاسیت سے لبریز الفاظ سنے نہ دیکھے گئے۔

اچھا' بیٹے میں تمہارے ساتھ ہوں' چلو اٹھو گھر چلو۔ تمہاری ماں منتظر ہو گی۔

وہ خاموش مضطرب سا باپ کے ساتھ چل دیا۔

اور ادھر ایک اور قیامت ٹوٹ پڑی۔

محل کی شمعیں روشن ہو چکی تھیں۔ شام کے سائے رخصت ہو چکے تھے۔ چاروں جانب تاریکیاں لاجونتی کے دل کی طرح ماحول کو ہڑپ کرنے کے لیے منہ کھولے کھڑی تھیں۔

زمان نے زندہ لاش کمزور سی لاجونتی کو لمبی غلام گردش عبور کرتے رانی ماں کے کمرے میں جا کر پوری طاقت سے قالین پر دھکیل دیا۔

وہ ایک چیخ کے ساتھ گھسٹتی ہوئی رانی ماں کے قدموں کے قریب دھڑام سے گری۔

یہ کیا بدتمیزی ہے۔

رانی ماں تڑپ کر کھڑی ہو گئیں۔ لاجونتی کو اس حالت میں دیکھ کر ان کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا۔

زمان بری طرح جوش غصہ انتقام سے ہانپ رہا تھا۔ اس کے بدن سے شعلے نکل رہے تھے۔ نگاہیں انگاروں کی طرح سرخ ہو گئی تھیں۔

رانی ماں صرف نظریں لاجونتی پر ڈال کر رہ گئیں۔ وہ نگاہیں جھکائے سسک رہی تھی۔

یہ سب کیا ہے اور میں کیا سمجھوں۔

وہ مبہوت سی رہ گئیں۔

سمجھ لیجیے یہ نوابی عظمت و وقار گندگی کے تعفن زدہ ڈھیروں میں دفن ہو گئی ہے۔ یہ محل شکستہ قبروں کی طرح مسمار ہو جائے گا اس میں ہم نہیں' پنچ گھٹیا لوگ بسیرہ کریں گے۔ اس تاج کو سر سے اتار کر اس بیٹی کے قدموں تلے روندھ ڈالیے رانی ماں۔

زمان پوری طاقت سے رانی ماں کے سر کی جانب اشارہ کرتے بولا۔

لاجونتی۔

یہ سب کیا ہے۔ زمان کیا کہہ رہا ہے۔

رانی ماں گرج اٹھی' کہ سارا محل تھرا اٹھا۔

جواب دو نواب بختیار جنگ کی لاڈلی۔

زمان نے تحقیر آمیز لہجے میں لاجونتی کی جانب اشارہ کیا۔

لاجونتی گردش دوراں کا پہلا ستم برداشت کرنے قالین پر تڑپ رہی تھی۔ اقرار کی طاقت نہ تھی اور انکار کر نہ سکتی تھی۔

بولو لاجونتی' زمان کیا کہہ رہا ہے' جواب دو۔

رانی ماں نے غصہ اور جوش سے لاجونتی کو جھنجھوڑ دیا کہ اس کی ہڈیاں چیخ گئیں۔ وہ ماں کے بازوؤں میں جھول کر رہ گئی۔ زبان سلب تھی۔ صرف ویران نظروں سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

صبح صبح کو بھی غروب آفتاب کا منظر دیکھ رہی ہو۔

فضا خاموش تھی۔ کائنات تھرا اٹھی۔ محل کا گوشہ گوشہ بربادی عظمت کا ماتم کر رہا تھا۔ سیاہ سائے ماتمی لباس پہنے رقص کناں تھے۔

آہستہ بولیے' اب وقت بلند آواز میں بولنے کا نہیں رہا۔

زمان نے شاطر نظریں اور آگ لگانے کی صورت میں رانی ماں کے وجود پر ڈالیں۔

تم صحیح بات سے آگاہ کیوں نہیں کرتے۔ ہم پہیلیاں بوجھنے کے عادی نہیں ہیں۔ رانی ماں نے سختی سے زمان کو کہا اور دوسری سمت متوحش نظریں لاجونتی کے چہرے پر ڈالیں۔

میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر اس بات کا علم نواب بختیار جنگ کو ہو جائے تو اس محل پر نہیں سارے شہر پر قیامت ٹوٹ پڑے اور قیامت اس طوفان میں آپ کا یہ جاہ جلال عظمت و وقار پل بھر میں زمین بوس ہو جائے۔ اس شہر کے گلی کوچے سب کو نفرت و حقارت سے دیکھنے لگیں۔

زمان بار بار تمہید باندھ کر اور بات کو طویل کر کے رانی ماں کے صبر کو آزما رہا تھا۔ دوسرے معنوں میں ان کو جذباتی اذیت دے رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر بے حد مجروح نظر آرہی تھیں۔

زمان' خدارا ہماری الجھن کو دور کر دو' ہمیں بتا دو کہ لاجونتی نے اس خاندان کے شایان شان ایسی کون سی بات کی ہے جس سے ہمارے وقار کو ٹھیس پہنچی ہے۔ رانی ماں بے حد عاجزانہ انداز میں بولیں۔

آپ کی بیٹی۔

زمان رک گیا اور بغور گہری نظروں سے ایک ابرو اونچی کر کے رانی ماں کے تاثرات نوٹ کرنے لگا۔

ہماری بیٹی' ہاں کہو۔

رانی ماں بے ساختہ بولیں۔

سوچ لیجیے' سکت ہے سننے کی۔ بعد میں نہ کہئے گا کہ مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔

زمان کچھ دیر کے لیے رانی ماں سے براہ راست بے ادبی پر اتر آیا۔ اس کا انداز نہایت گھٹیا اور گھناؤنا تھا۔

لاجونتی سہمی ہوئی ابھی تک ایک طرف کھڑی تھی۔

رانی ماں کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔ وہ جان چکی تھی کہ زمان لاجونتی کے کردار پر ضرور حملہ کرے گا۔ وہ یہ نہ جانتیں تھیں کہ زمان لاجونتی کے حسن و عشق کی پوری داستان چشم زون میں دیکھ آیا ہے۔ اب تو جھوٹ بولنے کی گنجائش ہی نہ تھی اور نہ ہی لاجونتی اب جھوٹ بولنا چاہتی تھی۔

جلدی بولو۔ میں رانی ماں کے صبر کو اور بے چین ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔

زمان کی حد سے بڑھتی ہوئی بے ادبی لاجونتی کو ایک آنکھ نہ بھائی۔

اچھا جی' اب ایسی بے دید بھی ہو گئی ہو۔

زمان پلٹ کر لاجونتی کے قریب آگیا۔ آخری لفظ جی کو اتنا ہی طویل کر کے رانی ماں کے تجسس کو اور ہوا دی۔

زمان جلدی بولو' ہم لاجونتی کے بارے میں ہر بری بات سننے کے لیے تیار ہیں۔ رانی ماں کو غصہ آگیا۔

ٹھیک ہے تو سنئے۔

وہ کمال بے حیائی سے رانی کے کان کے قریب آیا اور عجیب تمسخر بھرے انداز میں مسکرایا۔

آپ کی لاڈلی ایک مچھیرے سے عشق کر....

اس سے پہلے کہ وہ بات کو مکمل کرتا۔ رانی ماں کا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور چٹاخ....

پھر دوسرے رخسار پر چٹاخ۔

اس کے بعد وہ نیم پاگل سی ہذیانی کیفیت میں زمان کے رخساروں کو دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگیں۔ چند لمحے زمان حیرت زدہ سا ساکت و جامد کھڑا رہا پھر بے کلی بے قراری سے ایک دم پلٹا اور بڑے مضطرب انداز میں رخساروں کو مسل ڈالا۔

رانی ماں۔

لاجونتی چیخ اٹھی۔

رانی ماں نے آخری نظر لاجونتی پر ڈالی اور زمان سے دوسری جانب منہ

لیا۔

رانی ماں۔

رانی ماں اپنے وقار و عظمت کی حزیمت برداشت نہ کر سکیں اور ہمیشہ ہمیشہ لیے گہری نیند سو گئیں۔ یہ ذلت ان کے گردش خون کی رفتار کو روکنے کے لیے تھا۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ سائے اندھیروں میں ڈوب گئے۔

نواب بختیار جنگ کی دنیا اجڑ گئی۔ وہ نیم پاگل سے ہو گئے۔ ان کی غمگسار ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منہ موڑ گئی۔ وہ اکثر ریاست کے کاموں میں باہر ہی رہتے ان کے بعد رانی ماں ہی سب کام نبٹاتی تھیں۔ رانی ماں کی وفات نے ان کے پر خاصا اثر کیا۔ وہ مستقل بستر پر پڑ گئے۔ یہ صدمہ ایسا نہ تھا جو اس کی اذیت کو جاتا۔

رانی ماں پورے محل کی عظمت کا نشان تھیں۔

وقار کی بلند تصویر تھیں۔

لاجونتی کو ماں کی موت کا ذمہ دار سوائے زمان کے اور کوئی نظر نہ آ رہا

اب تو اس کو زمان سے شدید نفرت تھی۔

☆



رانی ماں کی وفات کو چند ماہ گزر چکے تھے۔ تمام عزیز و اقارب تقریباً" جا چکے تھے لیکن خالہ جمن اس کا نکھٹو شوہر محبت علی اور بیٹی عالم آرا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محل میں ہی براجمان ہو گئے۔

حسب دستور محل میں خاموشی طاری تھی۔ اداسی کے گہرے سائے محل کے مقدر میں لکھ دیے گئے تھے۔ اہل محل کو رانی ماں کی عدم موجودگی بے حد محسوس ہو رہی تھی۔ اس وقت شام پانچ بجے کا عمل ہو گا۔ نواب بختیار جنگ خلاف معمول موسم کا لطف اٹھانے کے لیے اپنی خواب گاہ کے دائیں باغیچے میں آرام کرسی پر دراز تھے۔ یہ باغیچہ محل سے ذرا ہٹ کر تھا۔ جب سے رانی ماں نے وفات پائی تھی۔ نواب بختیار جنگ نے یہاں تنہا بیٹھنا شروع کر دیا تھا۔

وہ آرام کرسی پر نیم دراز تھے۔ کرسی کی پشت پر سر ٹکا تھا۔ چہرے پر حزن و ملال کے گہرے سائے رقص کناں تھے۔ ان کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ آنکھیں بند کیے سوچوں کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب چکے ہیں۔

ان کا خاص ملازم بخشو قہوے کی طشتری رکھ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پلٹ آیا۔

سرکار، جمن خالہ ملنے آئی ہیں۔

بخشو ہانپتا ہوا بولا۔

جمن خالہ، کون۔

اجی، جمن خالہ، آپ بھول گئے ان کو، آپ نے تو ان کو یہاں رکھ لیا ہے۔

بخشو نے پرانی بات طویل کرتے ہوئے نواب صاحب کو جمن کی یاد کروائی۔

اچھا اچھا' لیکن یہاں اس کا کیا کام؟

نواب بختیار جنگ کو اس کا آنا اچھا نہ لگا' ان کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات نمایاں تھے۔

میں نے روکا تھا لیکن وہ بھلا کہاں رکنے والی ہیں۔

بخشو جمن خالہ کی عادت کے مطابق مسکرا کر بولا۔

چلو بھیجو۔

نواب بختیار جھلا کر بولے۔

جی بہت بہتر۔

بخشو پلٹ گیا۔

چند منٹوں کے بعد جمن خالہ اپنا بھاری بھرکم وجود سنبھالے بڑی تیز رفتاری سے محل کے اس باغیچے میں داخل ہوئیں جہاں نواب بختیار جنگ تنہا بیٹھے تھے۔

اے ہے بھائی صاحب' ایسی بھی کیا دوری کہ صورت دکھانا ہی بھول گئے۔

جمن خالہ اپنا بھاری غرارہ سنبھالتی ہوئی سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

نواب بختیار نے جمن خالہ کی تیکھی آواز سے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ لیکن جمن خالہ کی بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔

آپ اس قدر پریشان مت رہا کریں۔ اگر آپ یوں دنیا سے الگ تھلگ ہو بیٹھ گئے تو ریاست کا کیا بنے گا۔ یہ کام تو پھر آپ سے نہ ہو سکے گا۔

جمن خالہ حسب عادت دایاں ہاتھ ہوا میں لہرا لہرا کر چیخ کر باتیں کرتی رہیں۔

نواب بختیار جنگ نے صرف سر کو جنبش دی اور واپس کرسی کی پشت پر سر ٹکا دیا۔

یہ چائے ابھی جوں کی توں پڑی ہے۔

جمن خالہ چائے دانی کی طرف بڑھی اور نواب بختیار کے لیے چائے بنانے لگیں۔

یہ چائے نہیں خالہ۔

بخشو پشت کی جانب سے بھاگ کر آیا۔

اف تیرا ستیاناس' اور کیا ہے۔ میرا تو ہاتھ جھلس گیا۔

ایک دم قہوہ دان کو طشتری میں پھینکنے کے انداز میں بولیں۔

بخشو ایک طرف کھڑا کھل کھلا کر ہنس دیا۔

نواب صاحب نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ اکثر جمن خالہ کی احمقانہ حرکت سے چڑ جایا کرتے تھے لیکن رانی ان کو اکثر کچھ کہنے نہ دیا کرتیں کہ جمن خالہ بے سہارا ہے۔ آخر ان کے ٹکڑوں پر پڑی ہے۔ اس لیے وہ اب بھی خاموش رہے۔ وہ رشتے میں ان کی بہن لگتی تھی جو سوائے نواب صاحب کے ساری حویلی اس کو جمن خالہ ہی کہتی تھی اور اس کا نکھٹو شوہر خالو محبت کے نام سے مشہور تھا۔

اے ہے' دیکھو ان نوکروں کا حال' کیسے مذاق اڑا رہا ہے۔

جمن خالہ تو ہاتھ دھو کر بخشو کے پیچھے پڑ گئی۔

جی' جی' نہیں نہیں جمن خالہ' معاف کر دو۔

بخشو نواب صاحب کی موجودگی کے خوف سے ایک دم جمن خالہ سے معذرت خواہ ہو گیا۔

اچھا اچھا جاؤ' دفعہ ہو جاؤ' میں نے نواب بھائی سے کچھ کہنا ہے۔

جمن خالہ نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ آج ان کے چہرے پر عجیب سی کیفیت طاری تھی یعنی کہ نئی گفتگو کا آغاز کرنے والی تھیں۔

نواب بختیار نے چونک کر دیکھا۔ انہیں جمن خالہ کے چہرے پر آج کسی فلاسفر جیسی متانت نظر آئی۔

جمن خالہ کی گھرکی نما آواز سے گھبرا کر بخشو تو بھاگ گیا اور خود جمن خالہ سنبھل کر بیٹھ گئی۔

ہاں ہاں' جمن کہو' کیا کہنا چاہتی ہو؟

نواب صاحب انتظار کی زحمت نہ گوارا کر سکے۔

بھائی صاحب ایک درخواست ہے اگر آپ ...

جمن خالہ نہایت انکساری سے بولیں۔

درخواست' کیا مطلب؟

نواب حیران کن انداز میں جمن خالہ کے چہرے بغور دیکھ کر بولے۔

میں چاہتی ہوں کہ اب لاج بیٹی کی کہیں شادی کر دی جائے۔

کہیں شادی' یہ تم کیا کہہ رہی ہو' نواب نے شدید اضطراب کی حالت میں پہلو بدلا۔

اوہو' معاف کیجئے گا' بھائی صاحب' میرا مطلب یہ تھا کہ زمان بیٹے سے۔

جمن کو بعد میں اپنی زبردست غلطی کا احساس ہوا۔

اوہو۔

نواب صاحب نے سر پکڑ لیا۔ ان کو یہ بے موقع بات قطعاً پسند نہ آئی۔

ابھی تو رانی ماں کو اس دنیا سے رخصت ہوئے چند ماہ ہی گزرے تھے۔

جمن خالہ نے آنکھیں پھاڑ کر نواب صاحب کی طرف دیکھا۔

تمہیں یہ بات زمان نے کہی ہے۔ اگر کہی ہے تو کہہ دو ابھی ہم چند سال ا[illegible] شادی نہیں کر سکتے۔

نواب صاحب کو غصہ آ گیا۔ وہ بے قراری سے دونوں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

نواب کے شدید غصے اور جلال کے سامنے جمن خالہ کی بھلا جرات کہاں۔

اب تم جا سکتی ہو۔

نواب صاحب ترشروئی سے بولے۔

اور جمن خالہ بھاری کامدار غرارے کو سنبھالتی ہوئی باغ کا گیٹ پار کر گئی۔

دروازہ کھول' زمان بیٹا' جلدی کرو۔

جمن خالہ نے دروازہ زور زور سے پیٹنا شروع کر دیا۔

کیا قیامت آن پڑی۔

زمان نے آنکھیں ملتے بڑی خفگی اور جھلاہٹ سے دروازے کی چٹخنی گرا دی۔ ہمیشہ وہ جب بھی سوتا دروازہ بند کر کے سوتا تھا۔ اسے خالہ کا اس وقت بے وقت بے حد برا لگا تھا۔

تمہارے پیغام کا جواب لائی ہوں۔'

جمن خالہ نے تیزی سے کہا۔ [illegible] جاتے ہی وہ آرام کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی

اچھا کیا کہا نواب چچا نے۔

زمان کے جیسے حواس درست ہو گئے ہوں اور وہ خالہ کی پوری بات سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو گیا۔

ان تلوں میں تیل نہیں بیٹا۔

جمن خالہ بڑی چالاکی سے زمان کے جی میں نفرت ابھارتے بولی۔

کیا کہا۔

زمان کا منہ کھلا رہ گیا۔

میں کہتی ہوں کہ نواب صاحب لاجونتی کی شادی ہرگز تم سے نہیں کریں گے۔

جمن خالہ ناک کو پیشانی کی جانب چڑھاتے بولی۔

کیوں۔

زمان نے آنکھیں جھپکتے بڑی ناگواری سے جمن خالہ کی جانب دیکھا۔

یہ مجھے معلوم نہیں۔ بحرحال نواب بھائی کے تیور تمہارے بارے میں ٹھیک نہیں۔

جمن خالہ آگ لگا کر باہر نکل آئی۔ اور زمان نے جھنجھلا کر پلنگ کی پائنتی کو پکڑ کر پوری طاقت سے دبایا۔ نفرت کی آگ بھڑک اٹھی۔ جوان آدمی تھا۔ بری طرح سیخ پا ہو گیا۔ ویسے بھی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کم رکھتا تھا۔

دن تو کیا' تمام شب اس نے آنکھوں میں کاٹ دی اور اذیت ناک عذاب سے دوچار ہو گیا۔ مجھ سے وہ گھٹیا مچھیرا بہت اعلیٰ ہے۔ لاجونتی تو نے اچھا نہیں کیا۔ زمان نے جوش جذبات میں مکہ پوری طاقت سے میز پر مارا کہ اس پر لگا ہوا شیشہ کرچیوں کی صورت میں چاروں طرف پھیل گیا۔ وہ ان خوفناک خیالات کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبتے ڈوبتے بے چین ہو گیا۔

لاجونتی تم نے میری توہین کی ہے۔

وہ اس خیال کے آتے ہی نفرت اور حقارت کے بے پناہ جذبے سے پاگل ہو گیا اور کندن کو ہر ممکن قتل کروانے کے منصوبے سوچنے لگا۔ وہ لاجونتی کی معصومیت سے انحراف نہ کر سکتا تھا۔ وہ پاکیزہ تھی۔ اس کو لاجونتی کے مقدس ہونے میں بھی

کوئی شک نہ تھا لیکن لاجونتی نے محبت کے لیے اس کو کہاں سے اپنا لیا۔

تمام شب اس نے کانٹوں پر بسر کی۔

ڈراؤنے خواب عجیب عجیب قسم کے خیالات زہریلے سانپوں کی طرح اس ک ذہن کو ڈستے رہے۔ ایک دم اس نے پریشان اور بیقراری سے کروٹ لی پرسکون نیند اس کی پہنچ سے باہر تھی۔ اس کو اپنے وقار کی دھجیاں بکھرتی نظر آ تھیں۔

یہی احساس اس کو ڈستا رہا۔ اس کا ذہن پراگندہ خیالات سے پھٹا جا رہا تھا۔

دوسری صبح یونہی بے چینی کی حالت میں وہ شب خوابی کے لباس ہی میں لاج کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ وہ خدا کی یاد سے فارغ ہو کر مسہری پر ابھی نیم وا ہی تھی۔ آفتاب اجالے کا پیغام لے کر ساری کائنات کو منور کر رہا تھا۔ ماں کی وفا کے بعد لاجونتی زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی بند رہتی۔ وہ محل کی رنگینیوں کو ب فراموش کر چکی تھی۔ وہ اس وقت پرانے خیالات کو کھنگالتی ہوئی نیم بیہوش تھ اس کی خواب گاہ کے پردے اٹھے ہوئے تھے۔ ماحول پرسکون تھا۔ اس وقت آرام بھی موجود نہ تھی۔

اجازت۔

وہ ایک دم چونکی اس کی آنکھوں سے ہراس جھلکنے لگا۔

دفعتاً زمان کو پردے اٹھا کر آتے دیکھا تو مسہری پر سیدھی ہو گئی۔ وہ یہ تھی کہ یہ شخص جب بھی آتا ہے ضرور کوئی فتنہ کھڑا کرنے آتا ہے لیکن ویسے زمان اس کے بارے میں سب کچھ جان گیا تھا۔ گو وہ نہ چاہتی تھی کہ اس بھا زمان پر آشکارہ کرنا مگر کیا کرتی عشق کب تک چھپ سکتا تھا۔ ایک نہ ایک دن ظاہر ہونا ہی تھا۔ ویسے بھی کندن کو دیکھ کر وہ بے قابو ہو چکی تھی۔ ایک مدت بعد تو ملا تھا۔ لیکن تشنگی کم نہ ہوئی تھی۔ پیاس میں اضافہ سا ہو گیا تھا۔ وہ ا تکلیف کا احساس کیئے پھر تڑپ اٹھی۔

وہ یونہی لیٹی رہی۔

اور وہ بڑی بے تکلفی سے اس کے قریب آ کر سنگ مرمر کی حسین ترا

گدے دار کرسی پر بیٹھ گیا۔

کیا ہو رہا ہے۔

زمان نے گہری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

لاجونتی نے اس کی آنکھیں عجیب کیفیت سے دوچار دیکھیں تو جل کر خاکستر ہو گئی۔ وہ جب بھی دیکھتی کہ زمان بات کرتے ہوئے ایک ابرو اوپر اٹھاتا ہے تو رقابت و نفرت کے رکیک جذبے سے پاگل ہو جاتی۔ اس کا دل چاہتا کہ وہ زمان کا منہ نوچ لے۔ وہ اسے ایک آنکھ نہیں بھاتا تھا۔ حالانکہ یہ کیفیت اس کی کندن سے ملاقات سے پہلے بھی تھی اور کندن ایک ان پڑھ جاہل لیکن کس قدر شستہ۔ اس کی شخصیت دل موہ لینے والی۔ اس کی گفتار دل میں کھب جانے والی اور اس کی چاہت نے اسے دنیا سے بیگانہ کر دیا تھا۔

کیا دیکھ رہی ہو۔

زمان نے چونک کر نظریں چرا کر کہا۔

میں تمہاری آنکھوں مین چھپی رقابت کو دیکھ رہی ہوں جو میرے بارے میں پیدا ہو چکی ہے۔

لاجونتی کا خوف یکسر ختم ہو چکا تھا۔

اس کی ذمہ دار تم خود ہو۔

زمان نے برجستہ کہا۔

مطلب۔

لاجونتی تڑپ کر پلنگ سے کھڑی ہو گئی۔ اس کے دراز گیسو لہرا کر ایک جانب کو اکٹھے ہو گئے۔ سفید لباس میں وہ کس قدر نکھری نکھری سی لگ رہی تھی۔

بالکل شبنم کی طرح پاکیزہ۔

زمان نے چند لمحے رک رک لاجونتی کے دلکش تراشیدہ جسم کو دیکھا جو کسی ماہر تراش کی اچھوتی تخلیق لگ رہا تھا۔

مین حیران ہوں ایک تو تم مجرم ہو اس پر یہ اکڑ کیسی؟

زمان اٹھ کر اس کی پشت کے پاس کھڑا ہو گیا۔ وہ دریچے میں دور خلاؤں مین

سورج کی تمازت کو بغور دیکھ رہی تھی۔ زمان مدہوش ہو گیا۔ اس کے جسم سے اٹھ سکتی۔ والی سرشار مہک نے زمان کے دل میں ہلچل سی مچا دی۔ وہ شدید طور پر لاجونتی کے قرب کو ترسنے لگا تھا۔

لاج' ادھر دیکھو' خدارا میں تمہارے راز کو سینے میں دفن کر لوں گا۔

زمان حد درجہ عاجزی پر اتر آیا۔

وہ کس لیے۔

لاجونتی کی بھنویں تن گئیں۔

اس لیے کہ میری بن جاؤ' ویسے تو تم میری ہو لیکن میں چاہتا ہوں دل سے پیا کرو۔

زمان نے سینے پر دونوں ہاتھ رکھے۔

دل پر کسی کا اختیار نہیں۔

لاجونتی نے رخ پلٹ کر کہا۔ اس کے انداز میں حد درجہ بیگانگی تھی۔

ہوں' اس کا مطلب ہے کہ وہ آدمی تم پر پوری طرح جادو کر گیا ہے۔

زمان نے شدید نفرت کے بے پناہ جذبے سے کہا۔

میں کسی قیمت پر بھی کندن کی توہین برداشت نہیں کر سکتی زمان۔

لاجونتی نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا۔

آہستہ بولو' عنقریب تم میری بیوی بن جاؤ گی اور ہونے والے شوہر کے سا تمہارا رویہ کچھ معیوب سا ہے۔

زمان نے لاجونتی کے بہت ہی قریب آ کر کہا۔

یہ جناب کا خیال خام ہے۔

لاجونتی نے دو قدم پیچھے ہٹ کر کہا۔

اچھا' کیا تم شادی سے منکر ہو۔

زمان نے پلٹ کر لاجونتی کو شانوں سے پکڑ لیا۔

زمان کی گرفت بہرحال مضبوط تھی۔ وہ جھول سی گئی۔

میری بات کان کھول کر سن لو' تم مر سکتی ہو لیکن اس مچھیرے کی بیوی بن

زمان نے زبردست نفرت سے ہونٹ سکیڑے۔

لاجونتی کا خون کھولنے لگا۔ وہ اپنی اس قدر تضحیک برداشت نہیں کر سکی۔

نکل جاؤ' میرے کمرے سے' میں تمہاری صورت بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی۔ میں کہتی ہوں چلے جاؤ' چلے جاؤ۔

لاجونتی نے زمان کو خاموش کھڑے دیکھ کر بڑے جوش سے ہاتھ کو دروازے کی طرف اشارہ کرتے کہا۔

زمان نے سراسیمگی کے عالم میں لاجونتی کی سرخ آنکھوں میں جھانکا۔ وہ بوکھلا سا رہ گیا۔ غصے میں اس قدر حسین نظر آ رہی تھی۔ جوش جذبات سے اس کا بدن خزاں رسیدہ ٹہنی کی طرح لرز رہا تھا۔

میرا خیال ہے تمہارا دماغ چل گیا ہے۔

زمان نے آہستہ سے کہا۔

ہاں ہاں' میرا دماغ چل گیا ہے۔ میں پاگل ہو گئی ہوں۔ تم کیوں نہیں میرے سامنے سے چلے جاتے۔

زمان نے بری طرح اپنے جذبات پر جبر کیا۔ وہ اس قدر جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔

ہنہ۔

زمان نے انتقامی جذبے کے تحت جاتے جاتے لاجونتی کو دیکھا اور اپنی دانست ں نواب بختیار کے ادب و لحاظ کو قدموں تلے روندتا ہوا پردا اٹھا کر باہر نکل گیا۔

لاجونتی ٹوٹی شاخ کی طرح مسہری پر گری اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کے من میں غم کی پرچھائیاں سمٹ آئیں تھیں۔ قسمت میں ازل سے ہی تنہا تھی۔ کیا رکھی خواب اشکوں میں ڈھل جائیں گے۔ زمان اس کی محبت کے راستے میں آہنی دیوار بن کر حائل ہو جائے گا۔ یہ مانی ہوئی حقیقت تھی کہ زمان کو دنیا کی کوئی طاقت استے سے ہٹا نہ سکتی تھی۔ اگر کوئی اس دیوار کو راستے سے ہٹا بھی دے تو دونوں نہ صرف تباہیوں کے گہرے خوفناک کھڈ منہ کھولے کھڑے تھے جن میں گرنا لاجونتی :

مقدر تھا لیکن پھر بھی جذبہ دل صادق تھا۔ وہ سچے دل سے محبت کرتا تھا اور وہ بھ
دل سے پیار کرتی تھی۔ کندن اس کی رگ رگ میں سما چکا تھا۔ وہ تخت و تاج
ٹھکرا سکتی تھی لیکن کندن کو چھوڑنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

وہ بے قرار سی ہاتھوں پر چہرہ رکھے زاروقطار رو دی۔ ویرانی بے چینی اس
مقدر بن چکی تھی۔ وہ چونک اٹھی۔ زبردست اضطرار کی حالت میں اس کی رگ
رگ پھڑک رہی تھی۔

زمان چیتے کی طرح چھپ کر وار کرنے والا انسان تھا۔ خونخوار بھیڑیا اور سنگ
اور ظالم۔

☆



زمان کے دل سے رقابت کی آگ ابھی سرد کہاں ہوئی تھی۔ وہ کندن کو تلاش کرنے کئی بار دریا پر بھی جا چکا تھا۔ قسمت اچھی تھی کہ کندن ٹانگ کا زخمی ہونے کی وجہ سے بہت دنوں سے دریا پر نہ جا سکا تھا ورنہ زمان کے جال میں ضرور پھنس جاتا۔ وہ دریا سے واپسی پر بپھرے شیر کی طرح بالائی منزل پر ٹہل رہا تھا۔ اچانک اس کے دل میں کیا آئی کہ ہوا کے تیز و تند جھونکے کی طرح نواب بختیار کی خواب گاہ کا پردا اٹھا کر داخل ہو گیا۔

زمان۔

دفعتاً" نواب صاحب چونک پڑے۔ ان کو زمان کا اس طرح بغیر اجازت کے اندر آنا بہت گراں گزرا۔

کس طرح آئے ہو؟

نواب بختیار خونخوار نظروں سے اسے دیکھ کر بولے۔

ان کے کمرے میں چڑیا پر نہ مار سکتی تھی۔ زمان کو اس قدر بے ادب دیکھ کر ان کی رگ رگ میں شدید غصہ بھڑک اٹھا۔

آپ کو خبردار کرنے آیا ہوں۔

وہ تمام شاہی آداب فراموش کر چکا تھا۔

کس لیے، ہم نے آج تک کبھی کوئی غیرقانونی حرکت نہیں کی۔

نواب بختیار حیران زدہ سے بول اٹھے۔ ان کو زمان پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ کبھی ان کے سامنے آنکھ اٹھا نہ اٹھانے والا آج اتنا بے باک ہو جائے گا۔

آپ نے نہیں کی، لیکن آپ کی لاڈلی بیٹی، ہر قسم کے شاہی اصولوں کو توڑ چکی ہے۔

وہ حسب عادت بڑی مکاری سے ایک ابرو چڑھا کر بولا۔

زمان، زبان قابو میں رکھو، ورنہ ہم کھینچ لیں گے۔

نواب بختیار کا خون کھول گیا۔ وہ بری طرح لرزنے لگے۔ ان کا توانا جسم زمان کی زبردست گستاخی کا بوجھ برداشت نہ کر سکا۔ ایک دم انہوں نے اپنے پلنگ کی پشت پر سر ٹیک دیا۔ گردن کے سہارے وہ سر کو بلند بھی نہ کر سکتے تھے۔

میری زبان کھینچنے سے پہلے اپنی بیٹی کو گولی کا نشانہ بنا دیجئے۔ چچا حضور۔

زمان انتہائی درشت لہجے میں بولا۔

زمان۔

وہ یوں تڑپ کر مسری سے کھڑے ہوئے جیسے کسی بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ ان کے حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔ جسم کے مسام سلگنے لگے تھے۔

تم کیا چاہتے ہو۔ ہماری بیٹی کو پوری سزا ملے گی۔

نواب بختیار ہر تباہی کے لیے تیار نظر آنے لگے۔

لاجونتی دریا کے اس پار ایک مچھیرے کے عشق .....

زمان، بکواس بند کرو، ہم آگے کچھ سننا نہیں چاہتے۔

نواب بختیار تڑپ اٹھے، اگر بات سچی نکلی تو ہم ضرور اس کو گولی مار دیں گے۔

انہوں نے چاروں جانب گھبرائی ہوئی نظروں سے دیکھا اور پھر تڑپ کر خونخوار نظروں سے زمان کو دیکھا۔

میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ نکل جاؤ میرے کمرے سے اور آئندہ اپنی صورت مت دکھانا۔

زمان ندامت آمیز انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر بڑی برق رفتاری سے باہر نکل گیا۔

زمان کے جانے کے بعد نواب بختیار جنگ نے بڑی بے قراری سے ہاتھ ملے اور پھر کسی گہری سوچ کے ساتھ ہی وہ بڑے فیصلے انداز میں گدے دار دیوان پر

گئے اور گاؤ تکیہ سے ٹیک لگاتے ہی وہ چیخے۔

بخشو، بخشو۔

چند لمحے گزر جانے کے بعد بخشو حسب عادت چھلانگ لگا کر اندر آ گیا۔

حکم میرے آقا۔

بخشو شاہی آداب کو ملحوظ رکھتے جھک کر بولا۔

دل آرام کو بلاؤ۔

جی۔

بخشو نے حیران ہو کر کہا۔

میں کہہ رہا ہوں کہ دل آرام کو بلاؤ۔

وہ پوری قوت سے چیخے۔

جی اچھا۔

بخشو نے ایک دم چھلانگ لگائی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

دل آرام، اری او دل آرام۔

بخشو بھاگتا ہوا لاجونتی کے کمرے میں گھس گیا۔

کیا ہے، منہ اٹھا کے چلے آ رہے ہو۔ دیکھتے نہیں ہو، چھوٹی سرکار کے بال بنا رہی ہوں۔

دل آرام کے ساتھ لاجونتی بھی چونک گئی۔

سب دیکھ رہا ہوں۔ اب چل جرا بڑے نواب صاحب کے پاس، تیری مرمت کریں گے تو جو محل کی مرغیاں چرا کر اپنی نانی کو پہنچاتی ہے۔

بخشو حیرت انگیز ہجڑوں جیسی اداکاری کرتے بولا۔

ہائے اللہ، چھوٹی سرکار، یہ کام تو میں نے نہیں کیا۔

دل آرام کا خون خشک ہو گیا۔

گھبراؤ نہیں، کسی نے غلط کہہ دیا ہو گا۔

لاجونتی نے بالوں کو رخساروں سے ہٹاتے ہوئے دل آرام کو مطمئن کرنا چاہا۔

چلو بھی، اب کیا سوچ رہی ہو۔

بخشو بلند آواز سے چیخ کر بولا۔

دل آرام کے چہرے سے آگ سی گرمی نکلنے لگی۔ نواب صاحب نے تو اس کو کبھی نہیں بلایا تھا۔

ہاں ہاں، جاؤ دل آرام، جو بات ہو گی بتا دینا۔

لاجونتی نے دلاسا دیا۔

لیکن چھوٹی سرکار، میں تو اس چوری کے بارے میں بالکل نہیں جانتی۔

دل آرام بخشو کو دیکھ کر بولی۔

یہ صفائی وہاں پیش کرنا۔

بخشو نے دل آرام کو ہاتھ سے اشارہ کیا۔

دل آرام پریشان سی نواب صاحب کے کمرے کی جانب چل دی۔

آداب، بڑے سرکار۔ وہ پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو گئی اور لرزتے ہوئے جھک کر مودب سلام پیش کیا۔

دل آرام۔

نواب صاحب کی گرجتی آواز سے وہ کانپ گئی۔

جی۔

دل آرام نے نظریں اٹھائیں۔

ہم جو پوچھیں بالکل سچ سچ بتانا۔ تمہیں معلوم ہے، جھوٹ بولنے والے کو ہم کبھی معاف نہیں کرتے۔

نواب بختیار کی آواز میں حد درجہ جلالت ٹپک رہی تھی۔ لیکن ان کی نگاہوں میں ویرانیاں ہی ویرانیاں سمٹ آئی تھیں۔ جیسے حسرتوں کا قافلہ رواں دواں تھا۔

میں خدا کو حاضر ناظر جان کر وعدہ کرتی ہوں کہ جو بھی کہوں گی سچ سچ کہوں گی۔

دل آرام نے خاص شاہی اصول مدنظر رکھتے ہوئے کہا۔

ہوں، ہم نے جو کچھ لاجونتی کے بارے میں سنا ہے کیا وہ سچ ہے۔

نواب بختیار کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اس بیٹی کے بارے میں دریافت کرتے جو اس قدر نازوں سے پالی گئی ہو۔ اس کی پرورش کے لیے دنیا کی ہر نایاب چیز مہیا کی

گئی ہو۔

دل آرام کا ماتھا ٹھنکا، اس کے دل میں فوراً یہ خیال پیدا ہو گیا کہ یہ آگ زمان کی لگائی ہوئی ہے۔

میرے آقا، میری جان آپ پر قربان، میں نے کبھی چھوٹی سرکار کو غلط نہیں دیکھا۔

دل آرام نے ہاتھ جوڑ کر مودب انداز میں کہا۔

دل آرام کا جواب سن کر نواب بختیار کے غصیلے جذبات میں قدرت ٹھنڈک پیدا ہو گئی تھی۔

تو کیا تم نے لاجونتی کے بارے میں کچھ نہیں سنا اور نہ کچھ دیکھا۔

نواب بختیار نے ایک بار پھر تسلی کرنا چاہی۔

نہیں عالم پناہ، میں نے چھوٹی سرکار کے بارے میں کچھ نہیں دیکھا۔ وہ تو کئی مہینوں سے اکیلی کہیں آتی جاتی بھی نہیں۔

دل آرام نے صاف صاف تردید کر دی۔

ٹھیک ہے، جاؤ۔

نواب بختیار نے دھڑکتے دل کے ساتھ دل آرام کو جانے کی اجازت دے دی اور خود زمان کی لگائی ہوئی آگ میں مسلسل جلتے رہے۔ دل آرام کے اقرار پر بھی ان کے دل کو قرار کیوں نہیں آ رہا تھا۔ وہ زمان سے نگاہیں ملاتے ہوئے کتراتے تھے۔ یہ بات ان کو کھا گئی تھی۔ وہ محل کے درودیوار سے آنکھیں چرا کر گزرتے تھے۔ وہ ایسے دوراہے پر کھڑے تھے جہاں سے کوئی بھی رستہ ان کی دلی تسلی کے لیے ناکافی تھا۔ ان کا دماغ تھک چکا تھا۔ ذہن سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا تھا۔ وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے کہ لاجونتی کا معیار اتنا پست بھی ہو سکتا ہے۔ ایک نواب زادی معمولی چھچھورے سے محبت کرے یا میل جول بڑھائے۔ یہ بات ان کے ذہن کی کوئی رگ ماننے کو تیار نہ تھی۔

اگر یہ بات درست ہوئی تو ہم دونوں کو قتل کرا دیں گے۔

نواب بختیار جنگ نے مضبوط ارادہ بڑے اعتماد کے ساتھ کیا اور دکھ بھرے

انداز میں سر کو شانوں پر گرا لیا۔ وہ بیٹی سے دریافت کرنے کی بھی جرات نہ پا رہے تھے۔ لاجونتی نے آنکھ اٹھا کر کبھی ان سے بات نہ کی تھی۔ اور وہ بیٹی سے اس قدر اخلاقی گراوٹ پر مبنی بات کریں گے۔

وہ سوچتے رہے۔ ان کا ذہن عجیب عجیب قسم کے خیالات سے دوچار تھا۔ زمان کی بداخلاقی سے وہ بہت متاثر ہو چکے تھے۔ نہ جانے کیوں ان کو اپنا دبدبہ رعب عظمت و وقار سب زمین ریز ہوتا محسوس ہو رہا تھا۔ ایک لاکھوں ٹن وزنی چٹان تھی جس کے نیچے وہ دبے جا رہے تھے۔ وہ سوچتے رہے۔ خیالات ناگ بن کر ان کے ذہن کو چاٹتے رہے۔

ادھر دل آرام بڑی تیز رفتاری سے بالکونی کا زینہ پار کر کے لاجونتی کے کمرے میں داخل ہوئی۔

کیوں' کیا ہوا۔

لاجونتی ایک دم پلٹ کر بولی۔ وہ ابھی تک دریچے کے پاس کھڑی تھی۔

چھوٹی سرکار' اس محل میں قیامت آنے والی ہے۔

دلارام ہانپتی ہوئی قالین پر دوزانوں بیٹھ گئی۔

قیامت' کیا مطلب ہے تمہارا۔

لاجونتی اپنے بوجھ پر کھڑی نہ ہو سکی' وہ بے جان سی قریب ہی تپائی پر بیٹھ گئی۔

جناب' نواب صاحب کو سب کچھ علم ہو چکا ہے۔ میں نے ان کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے لپکتے دیکھے ہیں۔

دل آرام نواب صاحب کی ذہنی کیفیت کے بارے میں بالکل صحیح اندازہ لگا چکی تھی۔

کندن کے بارے میں؟

لاجونتی کا سانس ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ وہ بہت زیادہ گھبرا رہی تھی۔

میرا خیال یہی ہے چھوٹی سرکار' ورنہ ان کا یہ پوچھنا' کہ تم نے آپ کے بارے میں کیا کچھ دیکھا اور سنا ہے؟

دل آرام کافی پریشان نظر آ رہی تھی۔

تم نے کیا کہا۔

لاجونتی کو محل کی دیواریں دھڑام سے گرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

میں نے صاف انکار کر دیا۔ چھوٹی سرکار' جان بھی چلی جائے تو یہ راز میری زبان پر نہیں آئے گا۔

اب تو یہ راز ہر زبان پر آ ہی جائے گا دل آرام۔ کہانیاں بنیں گی۔ داستانیں ابھریں گی۔ دنیا کی ہر زبان پر ہمارا نام ہو گا۔ زمان کو پتہ چل جانے کے بعد اس راز کو چھپانے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

لاجونتی کے چہرے پر گہرے غم کے سائے تھرا رہے تھے۔

اب کیا ہو گا چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے کھڑے ہو کر نہایت ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

ہونا کیا ہے' ہم اپنی تباہی کے منتظر ہیں۔ ہم کندن کی محبت سے انکار نہیں کر سکتے۔ اس کو فراموش کر دینا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

لاجونتی خاموش دیواروں کو گھورتے ہوئے بولی اور دل آرام خاموش ہو رہی۔

ایک غم ہے جو جان کو لے لے گا۔

لاجونتی نے دل آرام کو بغور دیکھا۔

کون سا غم؟

دل آرام چونک کر بولی۔

زمان کندن کو قتل کروا دے گا۔ کون اسے کہے کہ یہاں سے چلا جائے۔

لاجونتی شدید بے قرار نظر آ رہی تھی۔

وہ چند لمحے رکنے کے بعد دل آرام کو دیکھ کر بولی۔

اگر کندن زندہ نہ رہا تو ہمیں اس محبت کی قسم ہم بھی جان دے دیں گے۔ یہ دنیا کون ہوتی ہے ہمارے راستے میں حائل ہونے والی' ہم زمانے سے ٹکرا جائیں گے ....

لاجونتی زبردست جوش سے بول رہی تھی۔ آخری فقروں کو مکمل کرنے کی جب سکت نہ رہی تو ہاتھوں پر سر رکھے بری طرح سسک اٹھی۔

لیکن دل آرام خاموش تکے جا رہی تھی۔ وہ کچھ کہہ نہ سکتی تھی لیکن اس مح
کے اصولوں کو اچھی طرح جانتی تھی جس کی پشتیں یہاں خدمت گزاری میں گزر
تھیں اور وفاداری میں دل آرام کا خاندان مثال اول تھا۔ جبھی تو دوسری کنیزو
سے دل آرام کو خاص رعایت حاصل تھی۔ اس کو کمرہ بھی محل میں لاجونتی کے
ساتھ دیا گیا تھا کیونکہ دل آرام کی ماں ایک عرصے سے رانی ماں کی خدمت گزا
رہی تھی۔

چھوٹی سرکار۔

دل آرام چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

لاجونتی نے چہرہ اوپر اٹھایا۔

آپ سے نواب صاحب ضرور کچھ نہ کچھ دریافت کریں گے۔

دل آرام نے لاجونتی کے اداس چہرے کو بغور دیکھ کر کہا۔

نہیں، ابا حضور میرے ساتھ ایسی بات نہیں کر سکتے۔ میں ان کی طبیعت کو اچ
طرح جانتی ہوں۔

لاجونتی نے یوں ہی بیٹھے بیٹھے کہا۔

نہ جانے کندن کا کیا حال ہے۔ اس کا زخم بھی درست ہوا کہ نہیں۔

لاجونتی کو ایک دم کندن کے زخم کا خیال آ گیا۔

اسے کیا معلوم کندن نے آج آخری پٹی کی گرہ کھول کر زخم کو بغور دیکھا۔ ز
بالکل درست تھا۔ ایک عرصے کے بعد زخم بھر ہی گیا۔ بالکل مندمل بھی ہو گیا لیک
کافی حد تک نشان چھوڑ گیا تھا۔ وہ جھکا ہوا سیدھا ہو گیا اور صحن میں تیز تیز چل
ٹانگ کو دیکھنے لگا کہ اب دوسری بار اس سے زیادہ تکلیف برداشت کر سکتی ہ
نہیں۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کی تڑپ سے کہیں زیادہ لاجونتی کی تڑپ تھ
اس کا سارا روپ ایک کربناک حالت میں ڈوب چکا تھا۔ لاجونتی سے ملنے کی خوا
ایک ہوک بن کر اس کے سینے کو جلانے لگی۔ اب دنیا کی کوئی طاقت اس کو رو
نہیں سکتی تھی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ اس تصور کے ساتھ اس کو اپنے جسم سے لاج
کی مہکتی ہوئی خوشبو آنے لگی۔ اس نے اپنے بازوؤں کو بغور دیکھا جو لاجونتی

پھول سا بوجھ اٹھانے کو ترس گئے تھے۔

وہ ان ہی خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ماں کی خوشیوں سے بھرپور آواز پر وہ چونک گیا۔

کندن، تمہیں مبارک ہو بیٹا۔

کیا ہوا، کندن نے آنکھیں اٹھائیں۔

تمہارے ہاں بیٹا ہوا ہے۔ میرا پوتا، ابھی ابھی بھابی نے اطلاع دی ہے۔ صابرہ کی خوشی دبائے نہ دب رہی تھی۔ اس کے انگ انگ سے خوشیاں پھوٹ رہی تھیں۔

یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دیوانی ہو گئی ہے۔

بیٹا۔

کندن نے بے ساختہ آنکھیں صابرہ کے چہرے پر گاڑ دیں جیسے بیٹے کی پیدائش نہیں اس نے موت کی خبر سن لی ہو۔

ہاں بیٹا، تمہارا بیٹا، تمہیں بیٹے کی خوشی نہیں ہوئی۔

صابرہ نے بھرپور مسرت بھرے انداز میں کہا۔

لیکن اس بات کا جواب دینے کی بجائے وہ جھک کر ٹانگ کو دیکھنے لگا۔

اب ٹانگ ٹھیک ہے۔

صابرہ نے جھک کر بغور دیکھا۔

ہوں، اس زخم کو تو دنیا والوں نے بہت جلد مندمل کر دیا۔

کندن کے الفاظ میں بے پناہ درد پنہاں تھا۔

کیا؟

صابرہ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے منہ اٹھایا۔

اب ٹانگ ٹھیک ہے ماں۔

کندن نے بلند آواز میں مسکرا کر ماں کو ٹانگ دکھائی۔

تمہارے بابا ابھی تک نہیں آئے۔

ماں نے سورج کی دم توڑتی ہوئی کرنوں کو دیکھ کر کہا۔

وہ چاچا خیرو کے ہاں گئے ہیں۔ ویسے بھی آج انہیں جلد آ جانا چاہئے تھا۔

کندن نے معنی خیز انداز میں ماں کو بغور دیکھا۔

کیوں' آج کیا ہے۔

صابرہ کی چھٹی حس نے کام کیا' کیونکہ اس کی ٹانگ درست تھی اور وہ کبھی اور کسی وقت بھی لاجونتی کے پاس جا سکتا تھا۔

کندن نے چونک کر ماں کو دیکھا۔ ماں کا انداز شدید کرخت قسم کا تھا۔

آہستہ بولو اماں' ماما سن لے گا۔

کندن کو پوری طرح علم تھا کہ وہ اس وقت بالکل ماما نواز کے گھر کی دیوار کے قرب کھڑا ہے۔

تم میری آواز بند کر سکتے ہو لیکن دنیا کی آوازیں کس طرح بند کر سکو گے۔ ساری بستی جان چکی ہے کہ تم لاجونتی کے عاشق ہو' جہاں دو آدمی بیٹھتے ہیں لوگ تمہارا ذکر کرتے ہیں۔ تمہاری کہانی اس بستی کے کونے کونے پھیل چکی .... بولو کندن اس رسوائی کے داغ کو کس طرح دھو کر زمانے کی نظروں میں بے گناہ کہلاؤ گے۔

آخری الفاظ ادا کر صابرہ کندن کے شانے پر سر رکھ کر بری طرح سسک اٹھی لیکن وہ تو ایک چٹان تھی جس پر زمانے کا تازیانہ کوئی اثر نہ کرتا تھا۔ وہ ساکن و جامد کھڑا تھا۔ ماں کی تڑپ پر بھی اس کے جسم کا تناؤ کم نہ ہوا۔ وہ ماں کی سسکیاں دکھ درد سے بھری آہیں محسوس کر رہا تھا لیکن ہاتھ بڑھا کر وہ آنسو خشک نہ کر سکا۔ وہ بغلوں میں ہاتھ دبائے منجمد برف کے تودے کی مانند کھڑا رہا۔

تم تو پتھر ہو جس پر حالات کی گردش کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

ماں نے تڑپ کر کندن کو پوری طاقت سے جھنجھوڑ دیا۔

ماں تم بھی میری طرح پتھر بن جاؤ۔

وہ یوں بولا جیسے کسی تہ خانے سے بول رہا ہو۔

میں پتھر بن جاؤں اور تمہیں برباد ہوتا دیکھتی رہوں۔ تم اپنا گھر برباد کرتے رہو۔

صابرہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

میرا گھر؟

وہ بڑبڑایا' جیسے اپنے گھر کا اسے احساس ہی نہ ہو۔

ہاں شمی' وہ تمہاری بیوی ہے اور اب خدا نے تمہیں چاند سا بیٹا دیا ہے۔ کندن خدا کے لیے لوٹ آؤ' اور تم جن راستوں پر چل رہے ہو وہ راستے تمہیں تباہیوں کے عمیق غار میں گرا دیں گے۔ لوٹ آؤ۔ اپنی دنیا میں لوٹ آؤ کندن ....

آخری فقرے پر ماں نے کندن کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

اماں' یوں مت کرو' اماں۔

کندن نے جھلا کر ماں کے ہاتھ پکڑ لیے' اور سامنے چارپائی پر بیٹھ گیا۔ شام ڈھلتے بوڑھا امیر بخش آ گیا۔

ماں نے یہ خوش خبری اسے آتے ہی سنائی۔ امیر بخش کی بوڑھی خمیدہ کمر سیدھی ہو گئی۔ ایک مدت کے بعد اسے حقیقی خوشی میسر ہوئی تھی۔ اس کی نسل بڑھ رہی تھی۔ اس کا پوتا اس کا خون' اس کے جگر کا ٹکڑا' وہ خوشی اور مسرت و انبساط کے جھولے جھولنے لگا۔

آج رات اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور سونے کے لیے بستر پہ لیٹ گیا۔

امیر بخش اور صابرہ ایک ہی چارپائی پر بیٹھ کر بچے کی ہی باتیں کرنے لگے۔ رات بڑھ رہی تھی۔

شمی تو ٹھیک ہے نا۔

امیر بخش نے محبت سے کہا۔

اللہ کا شکر ہے۔ دونوں ہی ٹھیک ہیں۔ چند دن گزر جائیں تو شمی کو لے آؤں گی۔

صابرہ سے اب بچے کی دوری برداشت نہ ہو رہی تھی۔

ٹھیک ہے لیکن یہاں شمی کو کام ہی کرنا پڑے گا۔

امیر بخش نے کچھ سوچ کر کہا۔

میں اسے کام تھوڑے کرنے دوں گی۔ وہ تو پہلے ہی بہت کمزور ہے۔

صابرہ نے بے پناہ پیار سے کہا۔

امیر بخش مسکراتا ہوا سیدھا لیٹ گیا۔ صابرہ نے پلٹ کر کمرے کے دوسرے کونے کی جانب دیکھا۔

کندن دونوں ہاتھوں کو سر کے نیچے باندھ کر لیٹا گہری سوچ میں مستغرق تھا۔ کمرے میں لالٹین کی ملگجی روشنی پھیل چکی تھی۔

سو گیا ہے۔

امیر بخش نے کندن کو دیکھ کر کہا۔

خدا جانے وہ سویا تھا یا نہیں۔

صابرہ نے بھی اس کو دیکھا۔ نہ جانے اس کا دل آج کھٹکا کیوں محسوس کر رہا تھا کہ جس دن کندن اس حالت میں نیم وا لیٹا ہو وہ لاجونتی کے لیے بے حد بے چین ہوتا ہے۔ صابرہ نے خوفناک خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کی بہت کوشش کی لیکن مایوس ہو کر خود بھی اپنے بستر پر لیٹ گئی۔

نصف شب بیت چکی تھی۔ کندن نے ماحول کو پر سکوت دیکھ کر ادھر ادھر چور آنکھوں کو گمایا۔ ماں اور باپ کو پر سکون سوتے دیکھ کر وہ بغیر آواز کے اٹھا۔ دبے قدموں وہ آہستہ آہستہ اٹھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا۔ جب ماں نے کروٹ لی تھی لیکن سارے دن کی تھکی ہوئی تھی۔ پھر وہ نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔ وہ برق رفتاری سے کمرے سے باہر نکل گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ بالکل ویسے ہی پٹ سے پٹ ملا دیا تاکہ آنکھ کھل جانے کی صورت میں ماں کو احساس نہ ہو۔ وہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھا لیکن' اس کو ماں کی ہوشیاری پر غصہ بھی آ گیا۔ آج ماں نے خلاف معمول تالا لگا دیا تھا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا کہ اچانک اس کے قدم زمین کے ساتھ چپک گئے۔ اس کا بیٹا رو رہا تھا۔ شاید دودھ کے لیے۔ اس کی مامی نے چولہا جلایا تھا۔ ایک دم آواز آنی بند ہو گئی اور کندن نے دیوار کے قریب بنے ہوئے تنور پر پاؤں رکھا اور دیوار پھلانگ گیا۔ باہر نکل کر کندن نے چھپر کے نیچے بندھے گھوڑے کو کھولا اور اس پر گھاز پہنایا اور لگام کھینچ کر شہر کی جانب ڈال دیا۔

ساری کائنات خواب خرگوش کے مزے لے رہی تھی اور وہ دیوانہ وار گھوڑا بھگائے لیے جا رہا تھا۔ دنیا سے اس کا رشتہ ہی کیا تھا۔ اس نے سارے ناطے لاجونتی کے نام سے پیوست کر لیے تھے۔ آج ایک عرصہ کے بعد وہ ملنے جا رہا تھا۔ دل میں نئی امنگوں کا ہجوم تھا۔ وہ مخصوص راستوں سے ہوتا ہوا محل کی سب سے بلند دیوار کے نیچے پہنچا۔ حسب دستور اس نے پوری طاقت سے کمند پھینکی اور بڑی پھرتی سے دیوار پار کر گیا۔

ہوشیار۔

چند گز کے فاصلے پر آوازیں آ رہی تھیں۔ کندن کا دل دھلا' لیکن جذبہ شوق اس کو آگے سے آگے لیے جا رہا تھا۔ وہ بڑی برق رفتاری سے زینہ پار کر گیا۔ بالکونی سے گزر کر وہ لاجونتی کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

خواب گاہ حسب معمول اداس اور بے قرار تھی۔ سبز شمع روشن تھی لیکن ہر شے سے بے چینی ٹپک رہی تھی۔ مسہری کے سفید ریشمی پردے گرے ہوئے تھے لیکن مسہری کی چرمرسے احساس ہو رہا تھا کہ سونے والا پوری طرح بیدار ہے۔ نیند تو کب کی رخصت ہو چکی تھی۔ کندن کا دل زور سے دھڑکا۔ دریچے کے پردے اٹھے ہوئے تھے۔ چاند کی دودھیا روشنی ماحول کو اور خوبصورت اور دلکش بنا رہی تھی۔

لاج۔

وہ جھکا اور لاجونتی کی روشن پیشانی پر اپنے انگارہ ہونٹ رکھ دیے۔

کندن' تم آ گئے' میری جان' تم آ گئے۔

وہ تڑپ کر اٹھی اور کندن کے کشادہ سینے سے لگ گئی۔

ہم نے تمہاری یاد میں دن بڑے بے قرار گزارے' کس طرح تمہیں بتاؤں کہ ہم کس قدر بے چین رہے۔

لاجونتی نے شدید محبت کے جذبے سے کندن کو دبایا۔

کندن جھکا اور گوہر نایاب کو چوم لیا۔

میری لاج۔

کندن کے توانا بازوؤں کا حصار تاریک ہوتا گیا اور لاجونتی اپنے چاہنے والے کے سینے میں سموتی چلی گئی۔ زمین و آسمان کا فرق مٹ چکا تھا۔ وہ کندن کے سینے سے لگی جدائی کے داغوں کو دھوتی رہی۔

کندن نے بڑی نرمی سے لاجونتی کے چہرے کو اوپر اٹھایا۔

آنسو' تیری آنکھوں میں آنسو۔

کندن کا دل کٹ گیا۔

یہ آنسو' تیری جدائی میں اتنے بہے ہیں لیکن اب خوشی کے ہیں۔

لاجونتی مسکرائی۔

اور .... کندن نے جھک کر لاجونتی کے رخساروں کو چوم لیا۔



محبت ...... تمام شب وصال کی دولت سے مالا مال ہونے والے پاکیزہ محبت کے پروانے اتصال جسم نہیں وصال روح چاہتے تھے۔ دونوں ہجر و فراق کی درد بھری داستانیں سناتے رہے۔ نہ جانے شب کب گزر گئی کہ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ دونوں ہی تڑپ اٹھے۔ دریچے سے اجالا چھن چھن کر آ رہا تھا۔

چھوٹی سرکار' بیدار ہو جائیں۔

دل آرام اندر آتے ہی ایک دم ٹھٹکی۔

چونک کر دونوں نے دل آرام کی جانب دیکھا۔

ہم سوئے ہی کب ہیں دل آرام۔

لاجونتی خوشیوں میں جھوم رہی تھی۔

دل آرام صرف آنکھیں جھپکا کر رہ گئی۔

آفتاب نکل آیا چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے دریچے سے جھانک کر جیسے خبردار کیا۔

کندن نے آنکھیں اٹھا کر سامنے دیکھا۔

لاجونتی کی جان نکل گئی۔

اب کیا ہو گا' دل آرام' کندن کو کیسے محل سے باہر بھیجا جائے۔ ابھی تو آمدورفت شروع نہیں ہوئی۔

دل آرام دروازہ کھول کر باہر وسیع غلام گردش میں گئی۔ چند لمحوں کے بعد وہ پلٹ آئی۔

ابھی محل میں چہل پہل شروع نہیں ہوئی۔

دل آرام نہایت بے چین نظر آ رہی تھی۔

نہیں' دل آرام ہم اس وقت کندن کو نہیں جانے دیں گے۔

لاجونتی نے کندن کی جانب دیکھا۔

لیکن چھوٹی سرکار' ان کا جانا ہی بہتر ہے۔

دل آرام اصرار بھرے لہجے میں کہا۔

کندن نے دل آرام کی جانب دیکھا۔ وہ ایک بازو میں لاجونتی کے نازک وجود کو لیے ہوئے تھا۔

نہ جاؤ کندن' ہم تمہیں نہیں جانے دیں گے۔ ہم نے بہت راتیں شدید کرب کے ساتھ گزاری ہیں۔

لاجونتی نے کندن کو اپنے نازک بازوؤں میں لے لیا۔

کندن کا جگر خون ہو گیا۔

کون بدنصیب تمہیں چھوڑ کر جانا چاہتا ہے۔

دل آرام کی موجودگی کا احساس کیے بغیر ہی کندن نے لاجونتی کو پیار کر لیا۔ دل آرام نے نظریں پھیرلیں۔ ویران نظریں لاجونتی کے چہرے پر ڈالیں۔ وہ کس قدر پریشان تھی۔ جدائی کے اذیت ناک لمحے اسے ڈسنے کے لیے تیار تھے۔ تمام شب شگفتگی اس کے چہرے پر عیاں تھی۔ اب آن کی آن میں غائب ہو چکی تھی۔

اب تم جاؤ گے تو کون جانے کب لوٹو گے۔

لاجونتی کے ہر لفظ میں درد و کرب پنہاں تھا۔

چاہنے والے کبھی جدا نہیں ہوتے لاج۔

کندن نے بے پناہ محبت کے جذبے سے سرشار ہو کر لاجونتی کو سینے سے لگا لیا

اور بڑے پیار سے اس کے ریشمی بالوں پر سر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

چھوٹی سرکار۔

دل آرام دیوانوں کی طرح دروازے کی جانب دیکھ کر بولی۔

لاجونتی تڑپ کر کندن سے علیحدہ ہو گئی اور کندن بڑے مطمئن انداز میں لاجونتی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

گرفتار کر لو اسے۔

زمان پلک جھپکتے ہی اندر آ گیا۔ اس کی آواز میں انتقام شعلے برسا رہا تھا۔ وہ اپنے آدمیوں کو حکم دیتے بولا۔

خبردار جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔

کندن نے ایک لمحہ میں اپنی چست پتلون میں سے خنجر نکالا اور ہوا میں لہرا دیا۔

لاجونتی کا خون خشک ہو گیا۔

زمان نے ایک آنکھ سے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور کندن دریچہ پھلانگ کر اپنی پھرتی دکھاتا ہوا برق کی تیزی سے محل کی دیواروں کو شارع عام کی طرح استعمال کرتا ہوا اپنے گھوڑے تک پہنچ گیا۔ کافی فاصلے پر ہی اس نے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پر چھلانگ لگائی اور مخصوص راستوں سے ہوتا ہوا گم ہو گیا۔

بے شک زمان کے آدمیوں نے بہت دور تک اس کا تعاقب کیا لیکن بے سود۔ اس کے ساتھ ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح محل میں پھیل گئی تھی جہاں دو ملازم بیٹھے [illegible]۔

جی واہ، کیا جوان دیکھا میں نے اس نوجوان کو۔

باورچی نے دوسرے باورچی سے کندن کی تعریف کی۔

تم نے کہاں دیکھا۔

پہلا باورچی کان دبا کر آگے بڑھ گیا۔

دل آرام، اری او دل آرام۔

محل کی تین چار کنیزوں نے دل آرام کو گھیر لیا۔

کیا بات ہے۔

دل آرام لاجونتی کے لیے قہوہ لے جا رہی تھی۔

کچھ سنا تم نے۔

ایک کنیز نے جھک کر کہا۔

کیا؟

دل آرام انجان بنی بول اٹھی۔

لو اور سنو، کیسے بھولی بن رہی ہے۔ صبح کیا ہوا تھا، چھوٹی سرکار نے تو..... کنیز کا انداز تمسخر آمیز تھا۔

بس بس، زبان بند کرو، ہم ان کے نمک خوار ہیں۔ ہمیں ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔

دل آرام نے اسے آرام سے جھاڑ دیا اور آگے چل دی۔

ہونہہ

بن رہی ہے۔

دونوں اپنا سا منہ لے کر چل دیں۔

☆



چند ہی لمحے گزرے تھے کہ لاجونتی کی داستان محل کے گوشے گوشے سے نکل کر نواب بختیار کی خواب گاہ میں بھی پہنچ گئی۔ انہوں نے جوش جذبات میں اپنا سر پ لیا۔ وہ اس رسوائی کو برداشت کرنے کی ہمت نہ پا رہے تھے۔ بار بار زمان کے ہوئے الفاظ:

آپ کی لاڈلی نے محل کے تمام اصول فراموش کر دیے ہیں۔

آپ کی لاڈلی نے محل کے تمام اصول فراموش کر دیے ہیں۔

ایک بار نہیں دو بار نہیں کئی بار دماغ کی سلیٹ پر اس فقرے نے ان کو د بنا دیا۔ ان کا دماغ چکرانے لگا لیکن اس فقرے نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا۔

اری سنا تم نے چھوٹی سرکار کی خواب گاہ میں ہر روز کوئی اجنبی آتا ہے آج تو چھوٹے سرکار نے پکڑ لیا۔

پکڑ لیا۔

موا بھاگ گیا۔ پکڑا جاتا تو ہڈی پسلی نہ ٹوٹتی اس کی۔

پائیں باغ میں گزرتے ہوئے انہوں نے چونک کر کان کھڑے کر لیے۔

تڑپ کر بے قرار درد کو تسکین دینے کے لیے انہوں نے کانوں پر ہاتھ لیے۔ لیکن دل سے ایک شعلہ لپکتا اور دماغ کو جلا کر راکھ کر دیے جا رہا تھا۔ ا دماغ پھٹنے لگا تھا۔

نہیں، جھوٹ ہے۔

ہو پوری طاقت سے دھاڑے، لیکن آواز دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔

ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ جھوٹ ہے۔

وہ ایک دم تڑپ کر قالین پر گرے۔ اٹھنے کی ناکام کوشش کرتے شیشے کی خوبصورت میز سے ٹھوکر لگی اور قالین کے دھاگوں میں الجھے اور دھڑام سے مسہری کے پائے سے ٹکرائے۔ جب سکت باقی نہ رہی تو اندھوں کی طرح ٹٹول کر مسہری پر لیٹ گئے۔ بستر کاٹنے لگا۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھے۔ تمام شب تڑپ تڑپ کر عظمت و ہمت اور جاہ و جلال کا عظیم عروج و وقار کا مینار یہ ذلت برداشت نہ کر سکا۔

دوسری صبح ان کو اپنی خواب گاہ میں مردہ پایا گیا۔

تمام لوگ لاجونتی کو نواب بختیار جنگ کی موت کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔ رشتہ دار عزیز دوست احباب اس طرح دیکھتے جیسے لاجونتی نے بوڑھے باپ کو گلا دبا کر ہلاک کیا ہو۔ سب ہی تو افسردہ اور پریشان تھے لیکن آخری کانٹا نکل جانے کے بعد زمان کلی طور پر محل اور ریاست پر قابض ہو گیا۔ اس کے لیے اس سے زیادہ پرمسرت بات اور کیا ہو گی کہ اتنی مختصر عمر میں وہ ریاست کا وارث بن رہا تھا اور تخت پر بیٹھ کر حکومت کرے گا۔ زمان نے بمشکل نواب بختیار جنگ کے رسم چہلم تک انتظار کیا۔ اس کے بعد بڑے دھوم دھڑکے کے ساتھ رسم تاجپوشی کا اعلان کر دیا گیا۔ وہ تمام دنیا کے روبرو تخت نشین ہونا چاہتا تھا تاکہ کسی قسم کا شک نہ رہنے پائے۔ اب وہ لاجونتی کے ہر قول و فعل کا واحد مالک تھا۔ اسے ہر قسم کا اختیار تھا لیکن لاجونتی کو کوئی آنچ موم نہ کر سکتی تھی۔ زمان ابھی تک لاجونتی سے کافی حد تک نرمی برت رہا تھا۔ اس کے لیے جمن بیگم کو کافی اختیارات دے دیے تھے۔ عالم آرا اب پہلے سے کہیں زیادہ محل میں چہکتی پھر رہی تھی۔

لاجونتی کی بربادی پر جمن خالہ کو پورا یقین ہو چکا تھا کہ اب نواب زمان کبھی لاجونتی سے شادی نہیں کرے گا۔ اس لیے وہ اپنی بیٹی کو بار بار سمجھاتی رہتی تھی۔

اے ہے نامراد، اس وقت شام ہے، نواب حیدر زمان کو قہوہ بنا کے دے آ۔ ان کے پاس رہا کر۔ بڑے خلوص، محبت، پیار سے بولا کر۔

غرض کہ وہ ہمہ وقت عالم آرا کے کان کھاتی رہتی لیکن لاجونتی کی تقدیر ہی ہٹ گئی۔ وہ دن میں شام کے سائے دیکھ رہی تھی۔

یہ کیا ہو گیا۔ ہم اس کی امید بھی نہ رکھ سکتے تھے۔

لاجونتی افسردہ سی اپنی خواب گاہ میں چکر لگاتے دل آرام سے مخاطب ہوئی۔

دل آرام نے نظریں جھکا لیں جیسے کہہ رہی ہو۔

چھوٹی سرکار' مقدر میں ہی ایسا تھا۔

سارا محل زمان کی لگائی ہوئی آگ میں جل رہا تھا۔

لاجونتی دریچے سے پار گہری نظروں سے دیکھ کر بولی۔

دل آرام کی زبان گنگ تھی۔

دل آرام۔

لاجونتی نے گھمبیر سی آواز میں کہا۔

حکم چھوٹی سرکار۔

دل آرام ہاتھ باندھے جیسے سسک سسک کر رو دی۔

دل آرام۔

لاجونتی بے ساختہ دل آرام کی طرف بڑھی۔

ہم سارے لوٹے گئے ہیں لیکن تم کیوں رو رہی ہو؟

لاجونتی نے آنسوؤں سے لبریز آنکھیں دل آرام کے وجود پر ڈالیں۔

چھوٹی سرکار' مجھے مار ڈالئے چھوٹی سرکار۔

دل آرام بیتاب بے قرار لاجونتی کے قدموں سے لپٹ گئی۔

دل آرام۔

لاجونتی جھکی اور اپنے نرم و نازک ریشمی آنچل سے دل آرام کے آنسو صا کیے۔

تم نے ایسا کون سا سنگین جرم کیا ہے جس کی سزا تمہیں موت کے روپ دی جائے۔

لاجونتی کے الفاظ میں ہزاروں من کرب پنہاں تھا۔

میں نے آپ کی خدمت کی ہے۔ میرے آباؤ اجداد آپ کے نمک خوار ر ہیں۔ چھوٹی سرکار' اس گناہ کی پاداش میں مجھے محل سے نکالا جا رہا ہے۔ ابھی اور ا وقت۔

یہ کہہ کر دل آرام زار و قطار تڑپ تڑپ کر رو دی۔

ہوں' ہم سمجھ گئے۔

یہ چنگاری بھی نواب حیدر زمان کی چھوڑی ہوئی ہے۔ وہ ہمارے سکون کو پوری طرح برباد کرنے پر تل چکا ہے۔

لاجونتی بظاہر بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھی لیکن اس کی آنکھوں میں مایوسیوں اور بربادیوں اور ناامیدیوں کے لاتعداد سائے تھرک رہے تھے۔ ویرانیاں اس کا مقدر بن چکی تھیں اور اداسی اس کے معصوم چہرے سے عیاں تھی۔

ہائیں' ہائیں' تم ابھی تک یہاں ہو' اے میں کہتی ہوں نواب صاحب نے تمہیں فی الفور نکل جانے کو کہا تھا۔

اچانک شور مچاتی ہوئی جمن خالہ ہانپتی ہوئی منہ میں پان کی بڑی سی گلوری جبڑوں میں ادھر ادھر گھماتی داخل ہوئی۔

چلی جاتی ہوں خالہ' ذرا دیر کو رک گئی تھی۔

دل آرام منت بھرے انداز میں بولی۔

اچھا' نواب حیدر زمان نے ملازمین کو محل سے نکالنے کا اختیار آپ کو دے دیا ہے۔

لاجونتی نے بھرپور طنز کا تیر چھوڑا۔

اے لڑکی' ہوش کی دوا کر' میں تو نواب زمان کے کہنے پر آئی تھی۔

جمن خالہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی' دوسرے ہی لمحے وہ دل آرام کی طرف بڑھی۔

اری چل چل نکل اب' تیرا سامان باہر پہنچا دیا گیا ہے۔

جمن خالہ کے الفاظ زبردست فرعونیت سے بھرپور تھے۔

اچھا چلی جاتی ہوں جمن خالہ۔

دل آرام جاتے جاتے افسردہ نظریں لاجونتی پر ڈال کر بولی۔

ٹھہرو' دل آرام۔

جی۔

بے ساختہ دل آرام نے پلٹ کر دیکھا۔

یہ لو، دل آرام ہمیں افسوس ہے کہ تمام زندگی ہماری خدمت کرنے کے باوجود بھی تم اس محل سے تہی دست جا رہی ہو۔

لاجونتی قیمتی ہیروں سے مزین نیکلس دل آرام کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔

چھوٹی سرکار۔

دل آرام نے متوحش نظریں لاجونتی کے دکھ بھرے چہرے پر ڈالیں۔

اے لڑکی، تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔

جمن خالہ نیکلس چھیننے کی غرض سے لاجونتی کی جانب بڑھی۔

لیکن ...

چٹاخ۔

ہٹ جاؤ۔

لاجونتی کا نازک ہاتھ ہوا میں لہرایا اور جمن خالہ کے دائیں رخسار پر ساری انگلیوں کے نشان چھوڑ گیا۔

چلی جاؤ میرے کمرے سے اور خبردار تمہاری منحوس صورت اس طرف دیکھی گئی۔

لاجونتی نے نہایت حقارت سے جمن خالہ کو باہر کا راستہ دکھایا۔

دوسری طرف لاجونتی نے نیکلس دل آرام کی طرف بڑھایا۔

جس نے موقعہ کی نزاکت جان کر نکلس کو آنکھوں سے لگا لیا۔

اس سے پہلے کہ نواب حیدر زمان قتل کرا دے اس محل کو چھوڑ دو۔

لاجونتی نے دل آرام کو بہت جلد رخصت ہونے کی اجازت دے دی۔

دل آرام دکھی چہرہ آنسوؤں سے بھری آنکھیں لیے لاجونتی پر الوداعی نظریں ڈالتی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محل کو خیرباد کہہ گئی۔

ابھی نواب حیدر زمان کو بتاتی ہوں۔

جمن خالہ چیختی چلاتی باہر نکل گئی۔

اور لاجونتی بے دم سے مسہری پر گر گئی۔

ایک تو ہی غمگسار ہمدرد تھی دل آرام، تجھ کو بھی اس زمانے نے جدا کر دیا۔

ونتی نہایت افسردہ مسہری پر لیٹ گئی۔ دکھوں نے اس کے گرد گھیرا ڈال لیا تھا۔

ایک دم وہ اٹھی اور بڑی برق رفتاری سے بالکونی پار کر کے وسیع غلام گردش ے ہوتی ہوئی زمان کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

زمان۔

ریشمی پردے اٹھا کر وہ بے ساختہ بولی۔

زہے نصیب، لاجونتی تم، کتنا خوش قسمت ہوں میں۔

ایک دم زمان چونک اٹھا۔ لاجونتی کو دیکھ کر خلاف توقع اس کی حیرت عروج پر ی۔

اب تو آپ کا نصیب ویسے بھی روشن ہو گیا۔

لاجونتی کے لہجے میں بے انتہا طنز شامل تھا۔

بیٹھو، بیٹھو، ارے بیٹھو تو سہی۔

زمان نے فوراً" اٹھ کر لاجونتی کو شانوں سے پکڑ کر کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

کیسے آنا ہوا۔

زمان کے انداز میں بے حد ملائمت اور حلیمی شامل تھی۔

کوئی ایسا خاص کام بھی نہیں۔

لاجونتی آنچل کی گرہ بناتے کھولتے کرسی سے ٹیک لگاتے بولی۔

پھر بھی۔

زمان اپنی جگہ پر سیدھا ہو گیا۔ سیاہ پھولدار لباس میں لاجونتی کا حسن بے داغ ل رہا تھا۔

میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ دل آرام کو محل سے نکالنے کی وجہ؟

لاجونتی کا انداز ترش تھا۔

وجہ تم خود بھی جانتی ہو۔

زمان آگے کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

اس لیے کہ وہ میری کنیز تھی۔ آپ کی غلامی نہیں کرتی تھی۔ یہ وجہ ہو گی۔

لاجونتی ترش روئی سے گویا ہوئی۔

تمہیں اس کے جانے کا اس قدر دکھ کیوں ہے۔ جان' سارا محل کنیزوں سے بھرا پڑا ہے۔ تم اب ان سب پر حکم چلا سکتی ہو۔ سب لوگ تمہارے ملازم ہیں۔

زمان نے جھک کر محبت سے بھرپور نظریں لاجونتی کی جھکی پلکوں پر ڈالیں جو ا وقت نظریں نیچی کئے بیٹھی تھی۔

زمان چند لمحے تاخیر کے بعد لاجونتی کے چہرے کو بغور دیکھ کر بولا۔ وہ کچھ رہی تھی۔

کیا سوچ رہی ہو لاج۔

زمان نے کہا۔

میں یہ سوچ رہی ہوں کہ جب آپ جیسے لوگوں کو تمام اختیارات مل جاتے تو وہ انسانوں کو بھی چابی کا کھلونا جان کر اپنی مرضی کا تابع بنا لیتے ہیں۔

لاجونتی کی بات سنتے ہی زمان نے فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔

چونک کر لاجونتی نے زمان کے چہرے کو بغور دیکھا۔

اس میں اس قدر خوش ہونے والی کون سی بات ہے۔

لاجونتی کو زمان کا اس طرح کھل کر ہنسنا بالکل پسند نہ آیا۔

مجھے تو تمہارے بھولے پن پر ہنسی آ گئی تھی کہ یہ سب کچھ میرا حق تھا نے لے لیا ہے۔

زمان شرمندہ سا ہو گیا۔

دل آرام کو محل سے نکالنا بھی آپ کے حق میں شامل تھا۔

لاجونتی نے پھر طنز بھرا تیر چھوڑا۔

بالکل' میرے حق میں شامل تھا۔ بلکہ وہ میرے حق پر ڈاکہ ڈال رہی تھی۔

کیا مطلب؟

لاجونتی بری طرح چونک گئی۔

مطلب' صاف واضح ہے کہ جو کچھ بھی ہوا اس کی موجودگی میں ہوا' تم ا

موجودگی میں اس نوجوان کو ملتی رہی ہو۔ اس نے کیوں بات کو راز میں رکھا۔ ایسے نمک حرام ملازم کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہئے۔ ہمارے خاندان میں اصولوں کو توڑنے والوں کو یہی سزا دی جاتی رہی ہے۔

زمان کچھ نہ چاہتے ہوئے بھی غصے میں آ چکا تھا۔

اس نے کوئی خلاف اصول بات نہیں کی' کندن اگر آتا رہا ہے تو وہ میری اجازت سے آتا ہے اور اب بھی آئے گا۔

چٹاخ۔

زمان کا خون کھول گیا۔ وہ لاجونتی کی اس قدر بے باکی برداشت نہ کر سکا۔

تڑپ کر لاجونتی نے اپنے پھول سے رخسار پر ہاتھ رکھ لیا اور ڈبڈبائی نظروں سے زمان کے چہرے کو تکنے لگی۔

تمہیں شرم آنی چاہئے' اپنے ہونے والے شوہر کے سامنے ایسی نازیبا گفتگو کرتے۔

زمان کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔

تمہیں کس نے کہہ دیا کہ تم میرے ہونے والے شوہر ہو جب میں تسلیم نہیں کرتی۔

لاجونتی جوش سے کھڑی ہو گئی۔ وہ نازک وجود رکھتے ہوئے بھی چٹان کی طرح سخت اور اٹل ہو چکی تھی۔

یہ بندھن بہت مضبوط ہے۔ تم چاہتے ہوئے بھی اس کو نہیں توڑ سکتی' میں بہت جلد حالات سازگار ہونے پر شادی کے انتظامات کروائے لیتا ہوں۔

کس کی شادی؟

لاجونتی نے پلٹ کر کہا۔

تمہاری۔

زمان اس کے قریب آتے ہی محبت آمیز لہجے میں مسکرایا۔

ہرگز نہیں' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ میں تم سے شادی کروں۔ یہ ممکن ہی نہیں۔

لاجونتی' ہوش کی دوا کرو۔ تم کس سے مخاطب ہو۔ میں جانتا ہوں تمہیں کون

گستاخ بنا رہا ہے۔ یہ تم نہیں تمہارے اندر کندن نامی وہ پنچ آدمی بول رہا ہے جس کے عشق کا تم اب تک دم بھر رہی ہو۔

زمان کی رگیں پھول گئیں۔ وہ اس قدر توہین برداشت نہ کر سکتا تھا۔

لاجونتی اب کھلم کھلا بغاوت پر اتر آئی تھی۔

خدا کے بنائے ہوئے سب انسان ایک جیسے ہیں۔ چاہے نواب زمان حیدر ہو یا کندن۔

لاجونتی کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آئی۔ اور زمان کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تڑپتا چھوڑ آئی۔

لاجونتی ہمارے قہر کو نہ للکارو' ہم اسے اس دنیا میں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

جوش انتقام اور بھڑکیلے جذبات کو زبردستی روکنے کے لیے زمان نے دائیں ہاتھ کی مٹھی بائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر ماری اور بستر پر گر گیا۔ لاجونتی اس کے لیے معمہ بنتی جا رہی تھی۔ ایسا سوال تھا جس کو حل کرنا اب بہت مشکل نظر آ رہا تھا لیکن کندن کا قصہ وہ بہت جلد ختم کر دینا چاہتا تھا۔ مسلسل سوچنے پر بھی جب یہ گتھی نہ سلجھی تو وہ کمرے سے باہر نکل کر بالکونی میں آیا۔ بھرپور غصیلے جذبات کو بروئے کار لاتے ہوئے اس نے تالی بجائی۔

ایک لمحہ کی دیر میں محل کے تمام ملازم اور پہرے دار سپاہی اکٹھے ہو گئے۔

میرا حکم ہے کہ اس پاجی کو جہاں بھی دیکھا جائے قتل کر دیا جائے۔

وہ پوری طاقت سے گرجا۔

بلکہ اس کو زندہ ہمارے سامنے پیش کیا جائے ہم خود اس کی گردن اتاریں گے۔

نواب حیدر زمان کی گرج سے ساری کائنات لرز رہی تھی۔ اس گرج میں انتقام کے شعلے' حقیقی چاہت کی چنگاریاں اور جلن کا احساس شامل تھا۔ لاجونتی کے اس نفرت آمیز رویے نے اس کے جذبات کو شدید مجروح کر دیا تھا۔

تمام لوگ ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔

کیا دیکھ رہے ہو۔ تمہیں معلوم نہیں' یہ سب کچھ منظر عام پر آ چکا ہے۔

وہ پوری طاقت سے دھاڑا۔

لاجونتی نے ہنگامے کی آواز سن کر چاروں جانب دیکھا اور اٹھ کر دروازے سے باہر بالکونی میں آ گئی۔

روپا۔

لاجونتی نے جاتی ایک کنیز کو پکارا۔

حکم چھوٹی سرکار۔

روپا چند دنوں سے اس کا کھانا لے کر آ رہی تھی۔

یہ آج تمہارے نواب حیدر زمان کو کیا ہو گیا ہے۔ کب سے شور مچائے جا رہے ہیں۔

لاجونتی نے مسکرا کر طنز کی۔

معلوم نہیں جناب۔

روپا مودب جھک کر بولی اور مشروب کی طشتری کمرے میں لے گئی۔

لاجونتی نے کہنی کے بل پر چند لمحے وہیں کچھ سوچا اور پھر واپس اپنے کمرے میں چل دی۔

اس وقت دل آرام کی عدم موجودگی اس کو کس قدر شاق گزر رہی تھی۔ آج دل آرام ہوتی تو کتنا دلاسا دیتی۔ دل آرام کی یاد آتے ہی وہ بے حد مغموم ہو گئی۔ اداسیاں اس کے چاروں جانب گھیرا ڈالے تھیں۔ وہ اسی سوچ کے تانے بانے بنتی شام تک وہاں کھڑی رہی۔ اس کو احساس ہی نہ رہا کہ کب رات نے اجالے کی سفیدی کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا اور وہ بوجھل بوجھل قدموں سے اپنے کمرے میں چل دی۔

شام ہوتے ہی محل میں کڑی نگرانی شروع ہو چکی تھی۔ چاروں جانب کے دروازے بند کر دیے جاتے۔ باہر والے گیٹوں پر ایک نہیں دو دو پہرے دار پہرہ دے رہے تھے۔ سپاہی تمام رات بدل بدل کر محل کی فلک بوس دیوار کے اردگرد چکر لگاتے تھے لیکن ....

عشق سچا ہو تو دنیا کی کوئی دیوار راستے میں حائل نہیں ہو سکتی۔ دنیا لاکھ پہرے

بٹھائے جن کو آنا ہو وہ سب کچھ توڑ کر آجاتے ہیں۔ کندن نے حسب عادت آج پھر کمند کا سہارا لیا اور درمیانی دیوار پھلانگ کر لاجونتی کے دریچے میں چھلانگ لگا دی۔

تڑپ کر لاجونتی اٹھی اور باہر والے دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

کندن، تم کو نہیں آنا چاہئے تھا۔ میری زندگی، وہ تمہیں کبھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔

لاجونتی محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر کندن کے سینے سے لپٹ گئی۔

میری جان، میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔ دنوں کی بات نہ کرو۔ میں تو ایک لمحہ بھی تمہارے بغیر نہیں گزار سکتا۔

کندن، لاجونتی بری طرح سسک اٹھی۔۔

مجھے لے چلو یہاں سے۔

لاج، تیری آنکھوں میں آنسو، کون بدبخت ہے جس نے تجھے تکلیف دی ہے۔

نہ جانے کیوں آج کندن بری طرح تڑپ اٹھا۔ لاجونتی آج سے پہلے اس قدر نہ روئی تھی اور نہ تڑپی تھی۔

کندن، کیا تمہارے پاس ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں، میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔ آج اس نے میرے منہ پر طمانچہ مارا ہے۔ ہم یہ توہین برداشت...

لاجو۔

اس نے تمہارے پھول سے رخسار پر طمانچہ مارا ہے۔ قسم ہے مجھے اس ذات کی جس نے پیدا کیا ایسے کئی طمانچے مار کر اس کا منہ نوچ نہ لوں تو کندن نام نہیں۔

کندن کی رگوں میں خون کی گرمی ابال انگیز حد تک پگھلنے لگی۔ وہ تڑپ کر اٹھا، بے ساختہ اس نے تپتے ہونٹ لاجونتی کے رخسار پر رکھ دیئے۔ شدت جذبات سے اس نے آنکھیں بند کر لیں اور لاجونتی محبت کی ٹھنڈک محسوس کرتی مسرور ہو چکی تھی۔

نہیں کندن، اس وقت جوش میں نہیں ہوش میں آنے کا ہے۔

کندن نے محبت پاش نظریں لاجونتی کی آنکھوں میں ڈال دیں۔ وہ سبز شمع کی روشنی میں اس کے حسن میں اور اضافہ کر رہی تھی۔

کیا کرنا چاہئے۔

کندن نے کہا۔

صرف مجھے تمہارا ساتھ چاہئے۔ مجھے تم سے پیار ہے۔ ہم تمہیں چاہتے ہیں۔ ہماری دولت تم ہو کندن، ہمیں اس جہنم سے نکال دو۔ ہم تمہارے ساتھ جھونپڑی میں رہ لیں گے لیکن اس محل میں نہیں آئیں گے۔

لاجونتی نے کندن کے سامنے جیسے منت کی۔

ہم یہاں نہیں رہیں گے، تمہارے سوا کوئی نہیں ہمارا۔

لاجو۔

کندن نے پوری طاقت سے لاجونتی کو اپنے وجود میں سمیٹ لینا چاہا۔ آج لاجونتی کو اس قدر مظلوم دیکھ کر اس کی روح تڑپ اٹھی۔

میں ہرگز چھوڑ کر نہیں جاؤں گا میری جان، میری آنکھوں میں رہو، میرے دل پر حکومت کرو۔ میرے پورے وجود کی ریاست تمہارے نام ہے۔ محبت کی لازوال دولت تیرے قدموں میں نچھاور کر دوں گا۔

لاجونتی نے احسان مند نگاہوں سے کندن کو دیکھا اور جانے کے لیے قدم اٹھائے لیکن وہ خود تو کمند کے ذریعے اتر سکتا تھا مسلہ لاجونتی کا تھا۔ اسے کس طرح محل سے باہر لے جایا جائے۔

ابھی کندن اس مسلے کو حل کرنا ہی چاہتا تھا کہ لاجونتی بری طرح ٹھٹھکی۔

محل کے سب سے بڑے داروغہ نے قیامت خیز آواز پیدا کرتے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا۔

گرفتار کر لو۔

کندن مطمئن کھڑا رہا لیکن لاجونتی اس کے سامنے بازو پھیلا کر کھڑی ہو گئی۔

خبردار، اگر کندن کی طرف ہاتھ بڑھایا، ورنہ ہاتھ توڑ دوں گی۔

ہنہ، ہاہاہا۔

آج داروغہ بھی آنکھیں دکھا رہا تھا۔

اس کے فلک شگاف قہقہے میں لاجونتی پانی پانی ہو گئی۔ ندامت سے اس نے

کندن کی طرف دیکھا جس کا مطلب شاید یہ تھا کہ میں اب تمہیں نہیں بچا سکتی۔

غم نہ کرو، یہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

کندن نے لاجونتی کو دائیں ہاتھ کی گرفت میں لے کر قریب کر لیا۔

ارد گرد سپاہی ایک دوسرے کی طرف معنی خیز انداز میں تکنے لگے۔

آج تک یہ ہماری گرفت سے بچتا آیا ہے۔ لیکن اب نہ جانے پائے۔

دو سپاہی داروغہ کے حکم سے کندن کو زنجیریں پہنا چکے تھے۔

بدبخت تو کتے کی موت مرے گا۔

ایک سپاہی بولا۔

گیدڑ کی موت آتی ہے تو شہر کا رخ کرتا ہے۔

کسی اور آواز کے تضحیک آمیز فقرے نے کندن کو شرمسار کر دیا۔ وہ ا
گھٹیا فقرے سننے کا عادی نہ تھا۔

چلو، داروغہ نے کندن کو باہر نکال کر لاجونتی کو اندر بند کر کے بھاری
ٹھونس دیا۔ کندن کو دیوان عام لے جایا گیا۔

یہ بارہ دروازوں پر مشتمل ایک خوبصورت محرابی کمرہ تھا جس کے آخر
سنگ مرمر کا حسین تخت زر بیفت اور قیمتی آرائشی چیزوں سے مرصع سنہری گاؤ
لگے تھے جس پر نواب وقت بیٹھ کر اپنے امیروں وزیروں سے چند گھڑیاں گز
کرتے تھے اور اب وہ گھڑی نواب حیدر زمان کو نصیب ہو چکی تھی اور یہ اطلاع
مل چکی تھی کہ آپ کا حریف گرفتار کر لیا گیا ہے۔ وہ شاہی لباس میں ملبوس تخت
بیٹھا تھا۔ دونوں جانب مشیروں اور خاص آدمیوں کی قطاریں حکم کی منتظر تھیں۔ باہ
ہر دروازے پر ایک ایک پہرے دار ننگی تلوار سونتے پہرے پر کھڑا تھا۔ کسی کو
مارنے کی اجازت نہ تھی بلکہ نواب حیدر زمان کا چند دنوں میں رعب و جلال
دوسروں پر اس قدر حاوی ہو چکا تھا کہ کوئی سرعام ان سے آنکھ ملانے کی جرات ن
کرتا تھا۔ سب خاموش تھے۔ جیسے کسی کا انتظار تھا۔ نواب حیدر زمان کی منتظر نظر
بار بار آخری دروازے پر مرکوز ہو کر واپس لوٹ آتیں جہاں سے اکثر مجرم آیا کر
تھے۔

ابھی چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ کندن کو بند و سلاسل میں جکڑ کر چند سپاہی نواب حیدر زمان کے سامنے سے گزرے۔

خوف و ہراس اور دہشت کی بجائے کندن کے چہرے پر متانت چھلک رہی تھی۔ کندن کے چہرے کو یوں پرسکون دیکھ کر نواب حیدر زمان کے اندر آگ کا شعلہ لپکا اور وہ رقابت کی آگ میں جل کر راکھ ہو گیا۔

ہمارا مجرم آ گیا۔ آج ہم اس سے گن گن کر بدلے لیں گے۔

نواب حیدر زمان نے کندن کو آتے دیکھ کر کہا۔

لیکن کندن نے اس بات کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ صرف اسے نفرت سے دیکھ کر رہ گیا۔ زمان نے آنکھیں پھاڑیں۔

کندن کے چہرے پر خوف کی معمولی پرچھائیں بھی نہ تھی بلکہ وہ انتہائی رکیک نظروں سے زمان کے سراپے کو گھور رہا تھا۔ بے شک اس کو اپنی تضحیک پر ملال ضرور تھا لیکن وہ اس وقت ظاہر نہ کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی عاشق بزدل نہیں ہوا کرتے۔ اسی سوچ کے ساتھ اس نے چہرہ اور اوپر اٹھایا اور گہری نظروں سے زمان کو دیکھا۔ اس کے جسم کے تناؤ سے محسوس کیا جا سکتا تھا کہ یہ نوجوان بزدل نہیں یا خوفزدہ نہیں۔

کون ہو تم؟

زمان نے جان بوجھ کر سوال کیا۔

انسان۔

کندن نے جیسے مختصر سا جواب دے کر بڑا احسان کیا ہو۔

ہوں، کرنے کیا آئے تھے۔

نہ جانے کیوں زمان کندن کے منہ سے سننا چاہتا تھا تاکہ جرم ثابت ہونے پر کڑی سے کڑی سزا دی جا سکے۔

ڈاکہ ڈالنے۔

کندن نے پھر بڑی رعونت بھرے تاثرات کو چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

اچھا، پھر کامیاب ہو گئے ہو میرے خیال میں۔

نواب حیدر زمان نے انتہائی تمسخرانہ انداز میں کہا جیسے کندن کا مذاق اڑایا۔

یہ تم جانتے ہو' میں ڈاکہ ڈالنے میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں۔

کندن کا لہجہ انتہائی گستاخانہ دیکھ کر ایک سپاہی آگے بڑھا۔

حکم کیجئے سرکار' ابھی اس بدبخت کا سر تن سے جدا کر دیا جائے۔

نہیں ابھی نہیں۔

زمان نے آنکھ کے اشارے سے سپاہی کو روکا لیکن زمان اس کی جرات پہ حیران رہ گیا کہ یہ انسان ہے یا درندہ' جو اس قدر قیامت خیز حالات میں بھی خوفزدہ نہیں ہے۔۔

ہم تمہیں نرمی اور صلح کن فیصلے سے باخبر کر دیتے ہیں کہ ہمارے خزانے دولت سے بھرے پڑے ہیں تم جتنی بھی دولت چاہو لے جاؤ لیکن ہمیں لاجونتی واپس لوٹا دو۔

زمان نے آخری تیر پھینکا۔

تمہارے خزانے میں میرے کام کی کوئی چیز نہیں۔ جو مجھے پسند تھی وہ گوہر نایاب میں نے پا لیا ہے۔

کندن نے لاجونتی کے تصور میں آنکھیں بند کر لیں۔

گستاخ' لے جاؤ' اس نانہجار کو' ہم تڑپا تڑپا کر ماریں گے اسے۔

نواب جوش انتقام میں کانپ رہا تھا۔ اس کی رگیں پھول گئیں تھیں۔ آنکھوں کے ڈورے سرخ ہو چکے تھے۔ کائنات لرز گئی۔

لے جاؤ اس کو اور ہمارے زنداں میں ڈال دو جہاں یہ سسک سسک کر جان دے گا۔

وہ تخت سے اتر کر پریشان اور جھلاہٹ میں زور زور سے ہاتھ ملنے لگا۔

سپاہی نواب حیدر زمان کو اس قدر گرم دیکھ کر خوف زدہ ہو چکے تھے۔ وہ کندن کو گھسیٹتے ہوئے زنداں کی جانب لے گئے۔

کندن کو محل کی تنگ و تاریک کوٹھڑی میں دھکیل کر باہر سے بڑا سا تالا ٹھونس دیا گیا۔ رات کو اس کے باہر ایک سپاہی پہرہ دیتا اور وہ ارمانوں کی خاک اڑاتا بے یارومددگار کوٹھڑی میں پڑا رہتا۔ اور صبح نیا سورج اس کی نامرادی کا پیغام لے کر آتا اور شام ہوتے ہی لوٹ جاتا۔

روپا۔

اندر آتے ہی لاجونتی نے روپا کو پکارا۔

حکم چھوٹی سرکار۔

روپا نظریں اٹھا کر بڑی معصومیت سے بولی۔

تمہیں معلوم ہے کندن کا کھانا کس وقت جاتا ہے۔

لاجونتی نے اچانک ہی روپا سے سوال کر دیا۔

کوٹھڑی میں کھانا باورچی لے کر جاتا ہے چھوٹی سرکار۔

روپا سہم کر بولی۔

کس وقت۔

شام کو۔

ہوں۔

لاجونتی کسی سوچ میں اتر گئی۔

کندن کو کسی مصیبت میں گرفتار دیکھ کر بھلا لاجونتی کو چین آتا۔ اس کی تو نیندیں کب سے حرام ہو چکی تھیں۔

دیکھو روپا' کسی سے بات نہ کرنا۔

جی نہیں چھوٹی سرکار' بھلا مجھے مصیبت میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔

اچھا باورچی کو بلاؤ۔

جی بہتر۔

روپا سیدھی وہاں پہنچی جس جگہ شام کی چائے کا بندوبست ہو رہا تھا۔

فضلو' ارے فضلو۔

روپا پکارتے ہوئے آگے چلی گئی۔

اری روپا' ادھر آ جاؤ' کیا بات ہے آج یوں ہمیں پکار رہی ہو۔

فضلو جو ایک عرصے سے روپا کو پسند کرتا تھا' بولا۔

تمہیں چھوٹی سرکار بلا رہی ہیں۔

روپا نے بیٹھتے ہوئے سبزی کی ایک پھانک منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

چل ہٹ' مجھے چھوٹی سرکار خواہ مخواہ بلائیں گی۔ اری میں نے کیا بگاڑا ہے۔

باورچی فضلو حسب عادت معمولی سی بات پر بھی پریشان ہو جایا کرتا تھا۔

فضلو ہاتھ جھاڑتا ہوا اٹھا۔

سنو' وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گی۔ صرف تم اس کوٹھڑی والے قیدی کو دینے جاتے ہو نا۔

ہاں جاتا ہوں۔

فضلو گھبرا کر بولا۔

تو بس اس کے لیے ہی کوئی بات کریں گی تم سے۔ گھبراؤ نہیں۔

روپا نے اسے دلاسا دیا۔

اچھا' جاتا ہوں۔

وہ جاتے جاتے مسکرا کر بولا اور باورچی خانے کا بڑا سا دروازہ پار کر گیا۔

آ سکتا ہوں چھوٹی سرکار۔

فضلو نے جھجکتے ہوئے پردوں کو اٹھایا۔

آؤ' فضلو' ہمیں تمہارا ہی انتظار تھا۔

لاجونتی ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

فضلو سہم کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ فطرتی طور پر دل کا کمزور تھا۔

رات کا کھانا کوٹھڑی میں تم لے کر جاتے ہو۔

جی ہاں' چھوچھو .... چھوٹی سرکار' میں تو صرف لوہے کے گیٹ کے پاس ہی ہوں۔ وہاں سے کالو پہلوان مجھ سے کھانا لے لیتا ہے اور پھر اندر لے جاتا ہے۔

تم کیوں نہیں جاتے اندر۔

لاجونتی کو حیرت ہوئی۔

اجی جناب' اس قدر جبردست قیدی کو سنبھالنے کے لیے دل گردے کی جرورت ہوتی ہے اور پھر طاقت کی بھی۔ آپ کو معلوم ہے وہ قیدی جن ہے جن' جسے

پہلوان ہی سنبھال سکتا ہے۔

لاجونتی خاموش ہو گئی۔ کندن کو ملنے کی یہ امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ کالو پہلوان اپنے جسم کی طرح زبان کا بھی بے حد خراب اور ظالم آدمی تھا۔ وہ کسی صورت بھی کندن سے بات کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔

اچھا جاؤ'۔

نہایت افسردہ لہجے میں لاجونتی نے باورچی فضلو کو جانے کو کہا اور خود عالم اضطراب میں کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔ دائمی فراق نے اس کے چہرے کو حسرت ناک گرد نے ڈھانپ لیا تھا۔ وہ پریشان پریشان سی رہنے لگی تھی۔ کھانے والے کمرے میں جانا تو چھوڑ ہی دیا تھا۔ اس کا کھانا روپا اس کے کمرے میں ہی لے کر آتی تھی۔ اس کی بھوک اڑ چکی تھی۔ صرف زندہ رہنے کے لیے دو چار لقمے زہر مار کر لیتی تھی۔ وہ شدید قسم کے اذیت ناک حالات سے دوچار تھی۔

اف کندن' تمہیں کس طرح پاؤں۔

وہ تڑپ اٹھی' سفید ریشمی تکیے میں چہرہ چھپا کے وہ بری طرح سسک اٹھی۔ اس کی کیفیت اس پرندے کی طرح تھی جس کے پر کاٹ کر گہرے کنوئیں میں پھینک دیا گیا ہو اور کوئی داد فریاد سننے والا نہ ہو۔

☆



غضب ہو گیا سرکار۔

پہرے دار ہانپتا ہوا دیوان خانے میں داخل ہو گیا۔

کیا ہو گیا۔

تڑپ کر زمان کھڑا ہو گیا۔ اس کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔

کندن بھاگ گیا جناب اور ...

کالو پہلوان کو قتل کر گیا۔ یہی کہنا چاہتے ہو نا۔

جی، پہرے دار ہانپتا ہوا بولا۔

زمان نے مضطرب حالت میں زور زور سے تالی بجائی۔

چند لمحوں میں محل کے پہرے دار سپاہی داخل ہوئے۔ سب کے چہرے ہوئے تھے۔

کیسے بھاگ گیا وہ۔

نواب حیدر زمان گرج کر بولا۔

وہ اس محل کے ہر راستے سے واقف ہے جناب۔

ایک سپاہی جرات کر کے بولا۔

لیکن ہم حیران ہیں کہ اس کے پیروں میں زنجیریں تھیں۔ وہ کس طرح! گیا۔

اس نے کالو پہلوان کو ہاتھوں کی کڑیاں کھولنے کی دھمکی دی ہو گی۔

بکواس بند کرو۔

زمان نے بری طرح اس سپاہی کو جھاڑ دیا۔

ہمیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں سرکار، ہم لوگ تو شور کی آواز سن کر جب کوٹھڑی کی طرف بھاگے تو وہ محل کی دیوار پھلانگ چکا تھا اور کالو پہلوان کا سر بری طرح زخمی تھا۔ کڑیوں میں چابی پھنسی ہوئی تھی اور سب اس کے قریب پڑی تھیں۔

نواب حیدر زمان سپاہیوں کی باتیں سن کر حیرت ناک مجسمہ قہر بن گیا۔ وہ ظالم بھیڑیے کی طرح چنگاڑا۔

ہمیں قسم ہے اپنی جوانی کی ہم اسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ جاؤ جہاں سے بھی ملے اسے گرفتار کر کے لاؤ۔ لاجونتی کے سامنے ہم اس کے جسم کے ٹکڑے کر دیں گے۔ ہمارے وقار کی عظمت کو ریزہ ریزہ کرنے والے کو ہم ہرگز ہرگز زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ جاؤ۔

وہ پھر دھاڑا۔

میں کہتا ہوں جاؤ۔

قہر و جلال، نفرت و حقارت میں ڈوبی ہوئی آواز محل کے سناٹے کو چیر گئی۔ وہ تڑپ اٹھا۔ آج انتہا ہو گئی ہر ظلم کی ہر ستم کی۔

وہ بے ساختہ مڑا اور سپاہی دوسرے لوگوں کے ساتھ ادھر ادھر پھیل گئے۔

وہ سراپا آگ بن چکا تھا۔

وہ اپنی دانست میں بھاری جوتوں سے زمین کو روندتا ہوا لاجونتی کے کمرے میں جا داخل ہوا۔

لاجونتی۔

پردے کو پھاڑ دینے کی حد تک جھنک کر بولا۔

وہ بستر پر اوندھی لیٹی تھی۔ ایک دم سے تڑپ کر اٹھی۔

زمان کی حالت غیر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچنے لگے کیونکہ اب اس کا کوئی پرسان حال بھی نہ تھا۔

وہ پوری طرح زمان کی قید و بند میں تھی۔

تم، زمان، یہاں، لیکن کیوں ر

لاجونتی نے ٹھہر کر فوراً سوال کیا۔ وہ زمان کی وحشت زدہ حالت سے پریشان بھی ہو چکی تھی۔

کیا مطلب، کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں؟

وہ الفاظ کے روپ میں زہر اگل رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر غم و غصہ کی کئی لکیر ابھر آئی تھیں۔

شاید میرا یہی خیال ہو۔

ہار ماننے والی وہ بھی نہ تھی۔

لاجونتی، تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میری ضد بہت بری ہے۔

زمان نے اپنی برتری ظاہر کرتے ہوئے لاجونتی کو دبانے کی کوشش کی۔

ہوں، بالکل، میں تمہاری ہی نسل کی ایک فرد ہوں۔ میری رگوں میں تمہار آباؤاجداد کا ہی خون ہے۔ تم نے مجھ پر ظلم و ستم کی جو تلوار تان رکھی ہے میرے ارادوں کو متزلزل نہیں کر سکتی۔

لاجونتی کے الفاظ بھاری حیثیت رکھتے تھے۔

تم اس مچھیرے کی اولاد کو فراموش نہیں کرو گی۔

زمان کا لہجہ پھر کندن کے لیے نفرت آمیز تھا بلکہ بڑا رکیک تھا۔

زمان، خبردار تم نے کندن کے بارے میں ایسی نازیبا گفتگو زبان پر استعمال میں اس کی توہین برداشت نہیں کر سکتی۔

لاجونتی کا خون کھول اٹھا۔ اس کے جذبات میں کھلبلی سی مچ چکی تھی۔

لاجونتی، مت بھولو، کہ تم اس قدر آسانی سے کندن کو دے دی جاؤ گی۔

ہم تمہاری لاش اپنی خواب گاہ میں دفن کر لیں گے لیکن اس کے حوالے نہیں کر سکتے۔

زمان نے نفرت سے لاجونتی کے اداس چہرے کو دیکھا۔

زمان، خدارا ظلم کی تلوار کو اتنا نہ اچھالو کہ خدا کا قہر تمہیں جلا کر راکھ دے۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں کندن کے لیے اس تخت و تاج کو بھی ٹھکرا سکتی ہوں۔

لاجونتی نے بڑے مضبوط ارادے سے ہاتھ کو جوش سے اٹھایا۔

اچھا تمہارے ارادے اس قدر مضبوط ہیں۔ ہم نے تمہیں حاصل کرنے کا پورا بندوبست کر لیا ہے۔ تمہاری اطلاع کے لیے کہے دیتا ہوں کہ آج کی رات صرف تمہاری اس محل میں ہے۔ کل صبح نور پور والی حویلی میں تمہیں بھیج دیا جائے گا تاکہ میرا دشمن میرے جذبات کا قاتل تمہیں ملنے آئے اور تمہیں نہ پا کر مایوس لوٹ جائے اور اب وہ کبھی زندہ بچ کر نہیں جا سکتا۔ ہم نے پہرے بہت مضبوط کر دیے ہیں۔

زمان اب پوری طرح قہر و جلال کی تصویر نظر آرہا تھا۔ اس کے الفاظ میں شہنشاہیت کا عکس غالب تھا۔ تکبر و نخوت سے بھرپور لہجے نے اس کے روپ کو اور گھناؤنا بنا دیا تھا۔

زمان، چلے جاؤ یہاں سے، چلے جاؤ، جاؤ۔

لاجونتی پر ہذیانی کیفیت طاری ہو چکی تھی۔ وہ زمان کے الفاظ کی مار برداشت نہ کر سکتی تھی۔ جب زمان نے چند لمحے رک کر اس کے لرزتے وجود کو حیرت سے دیکھا تو وہ دیوانوں کی طرح زمان کی طرف بڑھی اور پوری طاقت سے اس کی قبا کو سینے سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا، وہ پاگلوں کی طرح زمان کے سینے سے سر ٹکرا کر چیختی رہی لیکن اس آہنی وجود رکھنے والے ستون نما جسم کو خم نہیں آیا۔ وہ مسکراتا رہا۔ وہ تڑپتی رہی، تڑپ تڑپ کر وہ خود ہی ساکن ہو گئی۔

زمان نے چونک کر دیکھا۔ اس کی گرفت کمزور پڑ رہی تھی۔ لاجونتی کا سر زمان کے سینے سے مس ہوتا ہوا پیچھے ہٹا اور وہ دھڑام سے قالین پر گر پڑی۔

زمان کا ایک لحہ میں سارے جسم کا خون چہرے پر اکٹھا ہو گیا۔ گھبرا کر اس نے ارد گرد دیکھا۔ پھر وہ آرام سے آگے بڑھا اور لاجونتی کے پھول سے جسم کو اٹھا کر اس کی مسہری پر لٹا دیا۔ محبت سے لبریز انداز میں زمان نے لاجونتی کے چہرے کے بالوں کو ہٹایا اور محبت پاش نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔

خدا کرے تمہیں کبھی ہوش نہ آئے تو اسی طرح میری بانہوں میں رہے۔ جھکا اور لاجونتی کی دراز زلفوں کو چوم لیا۔ وہ بے ہوش پڑی تھی۔ ایک دم وہ اٹ اور لاجونتی کو اسی حالت میں چھوڑ کر برق رفتاری سے اپنے کمرے کی طرف بھاگا۔ وہ لاجونتی کو تمام رات بے ہوش رکھنا چاہتا تھا۔

خالہ کو بلاؤ۔

وہ غلام گردش میں جاتے ملازم سے بولا۔

بہتر سرکار۔

ملازم تیز رفتاری سے جمن خالہ کو بلانے چل دیا۔

چند لمحے بھی نہ گزرے تھے کہ خالہ صدقے واریاں کرتی زمان کے کمرے کی طرف بڑھی۔

قربان جاؤں میرے بچے نے مجھے یاد کیا ہے۔

وہ زمان کے قریب جاتے ہوئے بولی۔

چلنے کی تیاری کرو۔

تیاری' کہاں؟

جمن خالہ ایک دم بھونچکی سی ہو کر زمان کو تکنے لگی۔

اپنی حویلی میں' لاجونتی تمہارے سپرد کی جاتی ہے۔ اس کی مکمل نگرانی ہو چاہیے۔

زمان نے پشت کی جانب ہاتھ باندھ کر بات کو مختصر کرتے ہوئے کہا۔

اے ہے' اچھا' اچھا' میں سمجھ گئی' کیا یاد کرے گی لاجونتی' سائے کی طرح سا رہوں گی۔ مجال ہے جو کلموہا وہاں بھی بھٹک جائے۔

جمن خالہ ساری بات کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

تیاری کرو' وقت ضائع نہ کرو' ابھی جانا ہے لاجونتی کو ہوش آنے سے پہلے...

زمان نے جمن خالہ کی تقریر سے تنگ آ کر کہا۔

اچھا' میں ابھی تیاری کرتی ہوں۔

جمن خالہ غرارے کو لہراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔

غم کی آندھیوں نے محبت کا گلشن جلا ڈالا تھا۔ کندن دیوانہ وار کالو پہلوان کو قتل کر کے اپنی بستی کی طرف بھاگا۔ چند سپاہیوں نے اس کا بہت دور تک تعاقب کیا لیکن بہرحال وہ توانا تھا۔ بے شک مسلسل دو تین دن کی بھوک نے اس کو نڈھال کر دیا تھا۔ لاجونتی کے عشق سے چھٹکارا حاصل کرنا بہت مشکل ہو گیا' ہائے کیا ہو گیا' کیا نہ ہو جائے گا۔ وہ ہر آنے والے خوفناک لمحوں سے بے نیاز تھا۔ اس کے اندر کی محبت دیوانگی اختیار کر چکی تھی۔ محل سے بھاگ کر وہ سب سے پہلے وہ سپاہیوں کی نظروں سے بچتا بچاتا دریا کے کنارے پہنچا لیکن یہ دیکھ کر اس کی روح قبض ہو گئی کہ اس کا گھوڑا غائب ہو چکا تھا۔ ہنگامے کی آواز قریب آ رہی تھی۔ کندن نے رفتار تیز کر دی۔ برہنہ پاؤں وہ کانٹوں سے الجھتا اپنی بستی کی طرف بھاگا۔

ماں۔

دروازے پر ہی اس نے درد بھری آواز میں ماں کو پکارا۔

چند لمحوں میں کنڈی کھل گئی۔ گھر کو ماتم کدہ دیکھ کر وہ سکتہ کے عالم میں سر کھڑا رہا۔

آ جاؤ' دیکھ لو' اپنے باپ کو دیکھ لو' آگے بڑھ کر' وہ زندگی کے آخری سانس صرف اس لیے لے رہا ہے کہ وہ تمہاری صورت دیکھ لے۔

ماں کے لہجے میں محبت بھی تھی اور طنز سے بھرے تیروں کی بارش بھی تھی۔

ماں مجھے چھپا لو۔

کیا' کیا کہہ رہے ہو' کیا کر کے آئے ہو۔

صابرہ نے تڑپ کر کندن کو سینے سے لگا لیا۔

میں نے نواب کا آدمی قتل کر دیا ہے۔

قتل، تم نے قتل کیا .... چٹاخ .... ایک نہیں صابرہ نے پاگلوں کی طرح کندن کا چہرہ نوچ لیا اور کئی تھپڑوں سے اس کے رخساروں کو انگارہ بنا دیا۔

وہ صحن میں بچھی چارپائی پر گرا اور بری طرح سسک اٹھا۔

ماں نے بری طرح تڑپ تڑپ کر اپنے ہاتھ کاٹ لیے۔ امیر بخش زندگی کے آخری سانس پورے کر کے اس دکھ بھری دنیا سے کب کا رخصت ہو چکا تھا۔ شاید وہ بیٹے کی بربادی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ ابھی صابرہ وہیں تڑپ رہی تھی اور کندن وہیں پڑا سسک رہا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

چھپ جاؤ میرے بیٹے، تمہیں نواب کے سپاہی کبھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تمہیں پھانسی پر چڑھا دیں گے۔

دوسری دستک پر کندن ایک دم اٹھا اور بے دھڑک کنڈی کھول دی۔

شیری۔

کندن کا گھوڑا ہانپتا دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گیا۔

تو آ گیا۔

کندن نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اور اس کی پیشانی کو چوم لیا۔

گھوڑے کو بری طرح سانس چڑھا ہوا تھا اور پسینے سے شرابور تھا۔

وہ گھبرا کر اٹھی۔

ماں، کہاں چلی گئی۔

کندن نے چونک کر پکارا۔ ماں کی تڑپ دیکھی نہ جاتی تھی۔

میں تمہارے باپ کو دیکھ آؤں۔

وہ تیز رفتاری سے کمرے کی دہلیز پار کر کے گرتے گرتے بچی۔ کمرے میں بتی تیل ختم ہو چکا تھا۔ امیر بخش کب سے میٹھی نیند سو چکا تھا۔

دکھوں کی سویر ہو چکی تھی۔

اکیلا ماں کا دم باقی تھا۔

وہ تڑپ اٹھا، حالات کے گرداب میں پھنس چکا تھا۔ اب اس پر ایک بیوی اور ماں کا بوجھ باقی تھا لیکن کب تک، وہ عاشق تھا۔ اس کو گھریلو ذمہ داریوں سے واسطہ، وہ تو ازدواجی حقوق تک فراموش کر چکا تھا کہ وہ ایک خوبصورت بچے کا باپ بھی ہے۔ اس کی روش میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی۔ وہ لاجونتی کے لیے یوں ہی تڑپا۔ اب محل میں جا کر لاجونتی سے ملنا بہت مشکل تھا۔ وہ رات ہوتے ہی دور دور سے محل کو دیکھتا اور مایوس لوٹ آتا۔

ایک شب وہ یوں ہی واپس لوٹ رہا تھا کہ چاند کی چاندنی میں وہ ایک سایہ آتا دیکھ کر بری طرح ٹھٹکا۔ اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کرنا چاہی۔

کندن بابو۔

ایک نسوانی سریلی آوز نے اس کے قدم وہیں چپکا دیے۔ یہ جانی پہچانی سی آواز پر وہ ایک دم رک گیا۔

سایہ قریب آ گیا۔

دل آرام، تم، اس وقت کہاں سے آ رہی ہو۔

وہ حیرت ناک انداز میں بولا۔

ہاں کندن بابو، میں اس وقت چھوٹی سرکار کا پتہ معلوم کرنے گئی تھی۔

پھر۔

کندن تڑپ کر دل آرام کے قریب ہو گیا۔

بہت کوشش کے باوجود بھی محل کے اندر نہیں جا سکی لیکن مجھے شہر میں اڑتی اڑتی خبر ملی ہے کہ نواب چھوٹی سرکار کو نور پور حویلی میں بھیج دیا گیا ہے۔

نور پور۔

کندن نے گہری کرب انگیز سانس لی۔ وہ کس قدر دور چلی گئی تھی جہاں سے اس کی خوشبو بھی نہ آ سکے گی۔

کندن بابو، اب ...

چھوٹی سرکار پر بڑے ظلم ہو رہے ہیں۔ اتنا نازک بدن رکھنے والی شہزادی جمن خالہ کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے گی۔

دل آرام، یہ کیا کہہ رہی ہو۔ لاجونتی پر اٹھنے والا ہاتھ خدا کی قسم میں کاٹ دوں گا۔ مجھے یہ بتا دو نور پور کہاں ہے۔ میں اب لاجونتی کو اٹھا کر لے جاؤں گا۔

کبھی ظالموں کے ہاتھ میں نہیں دوں گا۔

کندن دیوانوں کی طرح ہونٹوں کو چبانے لگا۔ جذبات اس کے بس میں نہ تھے۔ بے چین مضطرب حالت میں اس نے سر کو گھوڑے کے سر پر دے مارا لیکن پھر خود ہی درد کی شدت سے اٹھا لیا۔

دل آرام۔

کندن ایک دم چونکا۔

گھبرائیے نہیں لکشمن ہے۔

دل آرام نے آواز کی سمت نظریں اٹھا کر کہا۔

لکشمن۔

کندن کا انداز سوالیہ تھا۔

جی ہاں کندن بابو' جب مجھے محل سے نکال دیا تھا۔ میں اپنے منگیتر کے پاس چلی گئی تھی۔ سوائے لکشمن کے میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اب ہم نے شادی بھی کر لی ہے۔

اچھا' خدا تمہیں خوش رکھے۔

کندن نے آہستہ سے دونوں کو دعا دی۔

خدا آپ کو بھی خوش رکھے کندن بابو۔

لکشمن نے پذیرائی کی۔

ہماری قسمت میں خوشی کا کوئی نام نہیں لکشمن بھائی۔

ایسا نہ کہئے' اللہ سب کی سنتا ہے۔

لکشمن نے دلاسا دیتے ہوئے کندن کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

نہ جانے کب سنے گا۔ ایک مدت گزر گئی ہے ٹھوکریں کھاتے ہوئے۔

کندن نے سرد آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھا جہاں تاریک رات کو روشن کرنے والے ستارے ٹمٹما رہے تھے۔ اپنی جانوں کا خون کر کے وہ شب کو اجالا دے رہے تھے۔

لکشمن' کندن نے جوش سے پکارا۔

جی فرمائیے۔

لکشمن آداب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بولا۔

مجھے نور پور حویلی کا پتہ بتا دو' میں وہاں ضرور پہنچوں گا۔

مجھے نہیں معلوم کندن بابو۔

تمہیں نہیں معلوم' میں ضرور معلوم کر لوں گا۔

اس کے ساتھ ہی وہ زور سے چیخا۔

لاجونتی' میں تمہارے پاس آؤں گا۔

کندن دیوانہ ہو گیا تھا۔ لاجونتی کی جدائی اس سے برداشت نہ ہو سکی۔ وہ راتیں' وہ باتیں' وہ پیار بھری ملاقاتیں' ایک ایک لمحہ تصویر کی مانند کندن کی نگاہوں میں پھرنے لگا۔

میں آؤں گا۔ لوگ خدا کے پاس چلے جاتے ہیں۔ میں تمہیں نہیں پا سکتا۔

کندن نے گریبان پھاڑ لیا اور ہنستا ہوا ایک سمت کو چل دیا۔

پاگل ہو گیا۔

لکشمن نے کہا اور دل آرام آنسو صاف کرتی لکشمن کے ساتھ چل دی۔

حالات کندن کو کہاں سے کہاں لے آئے تھے۔ وہ پاگل ہو گیا تھا۔ شہر کے گلی کوچوں میں ہر عورت کو دیکھ کر لاج' لاجو' کی دردناک آوازیں دے کر پکارتا لیکن کوئی بھی اس کے زخم پر مرہم نہ رکھ سکا۔ وہ گلی گلی کوچہ کوچہ بوسیدہ پھٹے پرانے کپڑوں میں دوڑتا پھرتا۔ حواس باختہ' اسے کچھ یاد نہ رہا تھا۔ صرف زمانے کی چیرہ دستیاں اور لاجونتی کا وجود لاجونتی اس کے خیالات کا عکس' اس کی یادوں کا مرکز اور اس کی زندگی کا سکون تھی۔ وہ اس کا سرمایہ حیات تھی۔

وہ صرف اسی سرمائے کو یاد رکھے تھا۔ سب کچھ اس کے ذہن سے محو ہو چکا تھا۔ ہر موقعہ کی تلاش میں زمان نے اس کے گھر والوں کو تلاش کرنا شروع کر دیا تھا لیکن امیر بخش تو اسی دن ہمیشہ کی نیند سو چکا تھا۔ صابرہ روز روز کی مصیبت سے تنگ آ کر شمی اور اپنے پوتے روشن کو لے کر کہیں اور جا چکی تھی۔ وہ روشن کو ہر قیمت پر بچانا چاہتی تھی کیونکہ نواب حیدر زمان کندن کی نسل کو ختم کرنے کے درپے تھا۔

زمان کے آدمی کئی بار آ کر زینب اور محمد نواز کو تنگ کر چکے تھے لیکن ان دونوں میاں بیوی کا ایک ہی جواب تھا۔

ارے بھائی ہمیں نہیں معلوم۔

سپاہیوں نے کہا۔

کیوں نہیں معلوم' وہ تم لوگوں کا ہمسایہ تھا۔

ہمسایہ تھا تو ہم اس کے ہر قول و فعل کے ذمہ دار تو نہیں۔

محمد نواز اب بے دھڑک جواب دے دیا کرتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر نواب کے آدمیوں سے ایک بار بھی نرمی یا خوفزدہ ہو کر بات کی۔ وہ سمجھیں گے کہ شاید واقعی ان کے بارے میں جانتے ہیں۔ ویسے بھی وہ شمی کے بارے میں اکثر تشویشناک حالات سے دوچار رہتا۔ وہ اکثر اپنی بیوی سے کہا کرتا۔

زینب۔

نواز نے حقے کی نے کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے کہا۔

کیا بات ہے۔

زینب بھی کسی سوچ سے ایک دم چونک کر بولی۔

مجھے شمی کی فکر ہر وقت پریشان رکھنے لگی ہے۔

میں بھی اکثر یہی سوچتی ہوں' کیا کیا جائے۔

زینب افسردگی سے بولی۔

ہاں' ہے تو سوچنے کی بات' کہاں مقدر لکھے تھے میری بیٹی کے۔

محمد نواز جو کندن کی حرکات سے تنگ آ گیا تھا' بولا۔

لیکن زینب خاموش رہی' اس کے بوڑھے چہرے پر حزن وملال کی گہری پرچھائیاں پھیلتی جا رہی تھیں۔

دن یوں ہی گزر گئے۔

کندن کا گھرانہ کسی نامعلوم منزل کی تلاش میں سرگرداں دنیا کے کسی اور بازار میں بسنے لگا۔ صابرہ کی صحت جواب دیتی جا رہی تھی۔ حالات سنگین سے سنگین تر ہوتے جا رہے تھے۔ کندن ایک عرصہ سے غائب تھا۔ اس کو تلاش کرنا بالکل بے سود

تھا۔ وہ اکثر آتے جاتے لوگوں سے پتہ پوچھتی۔ دریافت کرنے پر یہی معلوم ہوتا۔

اے ہے خالہ' وہ پاگل ہو گیا ہے' آج شہر کے اس بازار میں اور کل شہر کے اس بازار میں۔

وہ سنتے ہی بری طرح سسک اٹھتی لیکن ان حالات کا ذکر وہ شمی سے بالکل نہ کرتی۔ شمی تو پتھر کا بے جان بت تھی جس پر حوادث زمانہ اور موسموں کا تغیر و تبدل بھی کوئی اثر نہ رکھتا تھا۔ وہ خاموش شکستہ عمارت کی طرح آنے والی تیز و تند آندھیوں کا انتظار کر رہی تھی۔ نہ جانے کون سی زبردست طوفانی رات اس عمارت کو تباہ کر کے گزر جائے۔ وہ تو ایک شکستہ ستون تھی اور گرنے کی منتظر تھی۔

لیکن وہ کس کیے لیے زندہ تھی۔

روشن کے لیے۔

اس کی امیدوں کا واحد مرکز۔

روشن' اس بے وفا انسان کا خون جو اس کو چھوڑ گیا تھا لیکن روشن پھر بھی اس کی جان تھا۔

اے بیٹا' بچے بات تو سنو۔

چوراستے پر کب سے نظریں پھیلائے صابرہ نے ایک نوجوان کو پکارا۔

کیا بات ہے اماں۔

گاؤں کے نوجوان نے صابرہ کو پہچان کر کہا۔

تم نے کندن کو نہیں دیکھا۔

صابرہ نے نوجوان کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

اماں' کیوں' ہلکان ہوتی ہو' ہم نے تو آج تک تیرے کندن کی صورت نہیں دیکھی۔

نوجوان نرمی سے صابرہ پر ترس کھاتے ہوئے بولا۔

تم نے صورت نہیں دیکھی۔ وہ اس بستی میں آیا ہی ہے' تم کبھی اس کی صورت دیکھو تو حیران رہ جاؤ' کیسا سجیلا خوبصورت ہے میرا بیٹا.... میرا کندن' اچھا....

صابرہ خود سے ہی باتیں کرتی آگے چل دی۔

نوجوان حیرت زدہ سا اس کے نقش قدم کو گھورتا رہا۔

اور وہ۔

دیوانی بیٹے کے انتظار میں ایک ایک پل کاٹتے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا کو خیر باد کہہ گئی۔

جہاں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔

جانے والے خود بخود ہی پہنچ جاتے ہیں۔

موسم آتے جاتے رہے لیکن من کی رت نہ بدلی۔

☆



روپا، ہمیں کندن کے پاس لے چلو۔ یہاں ہمیں کس لیے قید کر دیا ہے۔

لاجونتی بری طرح رو دی۔

بکواس بند کرو، تیری جل جائے جوانی، نوابی وقار کو تباہ و برباد کرنے والی۔

جمن خالہ ہانپتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

لاجونتی سہم کر اٹھ بیٹھی۔ وہ اس حویلی میں پوری طرح جمن خالہ کے رحم و کرم پر تھی۔

آرام سے کہئے جمن خالہ۔

روپا کو جمن خالہ کی درشت روئی پر غصہ آ گیا۔

کہنے دو روپا، ہمارا وقت آ چکا ہے ایسی باتیں سہنے کا۔

لاجونتی کے انداز میں حد درجہ افسردگی کا عنصر غالب تھا۔

چل ری زبان بند کر، ہنہ۔

جمن خالہ کولہے مٹکاتی پھر باہر کو چل دی۔

چھوٹی سرکار۔

لیکن لاجونتی ہاتھوں پر سر رکھے سسک سسک کر رو دی۔ اس کے جسم کے خفیف جھٹکوں سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ شدت کرب سے رو رہی ہے۔

اس کے جذبات اس کے بس میں نہیں ہیں۔

روپا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بھیگی پلکیں لئے لاجونتی کے قدموں میں دو زانو بیٹھ گئی۔

چھوٹی سرکار' ہمارے بس میں ہوتا تو ہم اپنی جان دے کر آپ کو کندن دیتے۔

روپا' ہم پاگل ہو جائیں گے۔ ہم کندن کے بغیر اب بالکل نہیں رہ سکتے۔

لاجونتی نے بے تاب ہو کر روپا کے شانے پکڑ لیے۔

روپا نظریں جھکا کر مایوس رو دی۔ وہ صرف لاجونتی کی تڑپ کو محسوس کر تھی لیکن اس کے درد کا مداوا نہیں کر سکتی تھی۔

شام کے دھندلکے چھانے لگے تھے۔ لاجونتی کا بے قرار دل مچل مچل کر سسکنے کی تاب بھی نہ رکھتا تھا۔ وہ جیسے بستر مرگ پر سیاہ ناگن زلفیں بکھرا دروازے پر نہ جانے کس کی منتظر تھی۔ اس کی دراز پلکوں کی گھنی جھالروں چھپی بادامی آنکھیں ہر وقت حویلی کے درودیوار پر ایسی ہی نظریں ڈالا کرتی تھیں ایک دم جیسے وہ پوری طاقت سے اٹھ بیٹھی۔

قالین پر بیٹھی روپا بھی سیدھی ہو گئی۔

لیکن جمن خالہ کو دیکھ کر لاجونتی کے وجود میں انگارے سے پھٹنے لگے۔

اس نے کچھ کھایا کہ نہیں۔

جمن خالہ تیز و طرار زبان کو بڑی نخوت سے چلاتے ہوئے بولی۔

ابھی تو کچھ نہیں خالہ' کھانے کا ابھی وقت تو نہیں ہوا۔

روپا چونک کر اٹھی اور آہستہ سے بولی۔

اور اب کون سا وقت ہو گا' چل کھانا لا اس کے لیے۔

جمن خالہ حسب عادت کولہوں پر ہاتھ رکھ کر بڑی بدتمیزی سے بولی۔

لاجونتی کا گردش کرتا خون ابل گیا۔ یہ عورت اس کے سامنے آنکھ نہیں کرتی تھی اور اب زمان نے اس کو اس قدر سر پر چڑھا لیا ہے۔

چلی جاؤ یہاں سے' جب میری کینز میرے ساتھ ہے تو تمہیں بار بار کمرے میں آنے کی ضرورت نہیں' چلی جاؤ۔

اچھا' ابھی تمہارے دماغ کا کیڑا زندہ ہے' تو ذرا صبر کر۔

جمن خالہ غصے سے پاگل ہو گئی' وہ کچھ مارنے کے لیے اٹھی لیکن قریبی :

پیتل کا بھاری گلدان لاجونتی کے ہاتھ سے نکلا اور جمن خالہ کا سر لہولہان کر گیا اور لاجونتی نہایت قنوطیت کے عالم میں جمن خالہ کے پھٹے سر کو دیکھتی رہ گئی۔ اگر روپا بیچ بچاؤ نہ کروا دیتی تو نہ جانے کیا ہو جاتا۔

میں نے تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ زیادہ زبان کی گرمی اچھی نہیں ہوتی۔

شب کے گیارہ بجے بیچارا محبت علی جمن خالہ کا سر دباتے ہوئے بولا۔

لیکن جمن خالہ اس وقت بولنے کے موڈ میں نہ تھی صرف قہرانگیز نظریں ڈال کر رہ گئی' محبت علی اس کا سر دباتا رہا۔

ایک دم وہ چونکا' جونہی نظریں اٹھائیں سامنے دیوار پر کلاک شب کا ایک بجا رہا تھا۔

جھک کر محبت علی نے دیکھا جمن خالہ کی آنکھ لگ چکی تھی۔ وہ سونے کے لیے اٹھا۔

ہنہ ہوں۔

جمن خالہ نے ایک دم سر ہلایا۔

میں دبا رہا ہوں جی آپ کا سر' اب کیسی طبیعت ہے؟ محبت علی مارے خوف کے لرز رہا تھا۔

چل چل اپنا کام کر۔

جمن کو نیند نے مدہوش کر دیا تھا۔ محبت علی بیچارا پھر سر دباتا رہا۔ اسے تمام رات سر دبانے کا حکم تھا۔ کیا کرتا' بیوی کے ٹکڑوں پر پڑا تھا۔ نواب بختیار جنگ رشتے میں جمن کے ماموں زاد تھے اور اب تک ان کے ہی ٹکڑوں پر پڑی تھی۔ اس کو اس قدر روپیہ پیسہ مل جاتا تھا کہ محبت علی کو کوئی اور محنت کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی تھی۔ اس لیے اگر بیوی کے حکم سے انحراف کرے تو ذلیل ہو کر محل اور اب موجودہ حویلی سے نکلنا پڑے گا۔

وہ کبھی اونگھتا کبھی بیدار ہو کر بڑے غصے سے جمن خالہ کو دیکھتا اور پھر مجبور ہو کر دوبارہ سر کو دبانے لگتا۔

ٹھک ٹھک ٹھک۔

محبت علی نے چونک کر کلاک کی جانب دیکھا۔ شب کے دو بجے تھے۔ وہ فطری طور پر کمزور دل واقع ہوا تھا۔

ٹھک ٹھک۔

دروازے پر پھر کوئی دستک دے رہا تھا۔

کون ہے۔

جمن خالہ ایک دم محبت علی کا ہاتھ جھٹک کر اٹھ بیٹھی۔

پتہ نہیں، کوئی کب سے دستک دے رہا ہے۔

محبت علی کھڑے ہوتے ہوئے بولا۔

تو کھولو پھر، یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔

جمن خالہ حسب عادت چیخ کر بولی، اور ایک دم ہڑبڑا کر محبت علی دروازے کی جانب بھاگا۔

کیا مصیبت آن پڑی تم پر۔

محبت علی نے جھلا کر دروازے کی کنڈی کھولتے ہوئے روپا کو دیکھ کر کہا۔

چھوٹی سرکار کو بڑا تیز بخار ہے۔

روپا سہمی ہوئی تھی۔

بخار ہے، تو ہم حکیم ہیں جو اس شہزادی کے لیے دوائی لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔

جمن خالہ دور سے ہی ترشی سے بولی۔

اس سے کہو سوئی رہے آرام سے۔۔

آپ کیا کہہ رہی ہیں جمن خالہ، چھوٹی سرکار کی طبیعت بہت خراب ہے۔

روپا بہت پریشان نظر آ رہی تھی۔

میرا خیال ہے جا کر دیکھنے میں کیا حرج ہے۔

تم چپ رہو جی۔

جمن خالہ نے محبت علی کو جھاڑ دیا۔

وہ خاموش شرمندہ سا اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

ایک دم جمن خالہ اٹھی۔ سر پکڑ کر جوتا ڈھونڈنے لگی۔

اب کیا ہو گیا ہے۔

محبت علی حیران ہو کر بولا۔

دیکھ آؤں، نواب زمان کا بھی کوئی مذہب نہیں، اس کلموئی کو کچھ ہو گیا تو مصیبت ہم پر نازل ہو جائے گی۔

جمن خالہ کا لہجہ بے حد نفرت آمیز تھا۔ دوسری طرف نواب زمان سے خوفزدہ بھی تھی۔

وہ بھاری بھرکم جسم کو گھسیٹ کر روپا کے ساتھ چل دی۔

ہائے ہائے کرتی جمن خالہ نے کمرے کے قناویز پردے اٹھائے اور تیزی سے قریب چلی گئی۔

اسے کیا ہو گیا ہے۔ یہ الٹا میرے گلے نہ منڈھ جائے۔

جمن خالہ نے تشویش ناک نظریں لاجونتی کے اداس مایوس چہرے پر ڈالیں۔

اس کا جسم بخار سے پھنک رہا تھا۔ چہرے پر سرخی کی بجائے زردی کا ڈھیرا تھا۔ شدت بخار سے سانس آگ کے انگاروں کی طرح پھنکتا ہوا آ رہا تھا۔

اس وقت کوئی حکیم۔

اس وقت حکیم کہاں سے لاؤں۔

جمن خالہ نے ایک دم نفرت سے روپا کی بات چھین لی۔

جمن خالہ چند لمحے سوچتی رہی۔

روپا۔

جی، روپا قریب آتے بولی۔

تم اسے گرم گرم قہوہ دے دو، ذرا دن نکلتا ہے تو حکیم کو بلاتے ہیں۔ وہ ٹھک ٹھک کرتی ایڑیاں مارتی ہوئی زینہ اتر گئی۔

لیکن دوسری صبح خاندانی حکیم تو کیا معمولی معالج بھی حویلی میں داخل نہ ہوا۔

وہ کب چاہتی تھی کہ لاجونتی صحت یاب ہو۔ اپنی بیٹی کو ملکہ بنانے کے لیے تو جمن خالہ نے محل والوں کی غلامی کی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے خواب شرمندہ

تعبیر ہو جائیں گے۔ ویسے دنیا امید پر قائم ہے۔ جمن خالہ بھی اسی امید کے سہارے زندہ تھی اور نواب حیدر زمان کی غلامی میں اتنا عرصہ پڑی تھی۔

جمن خالہ' خالہ' خالہ۔

ایک ملازم ہانپتا ہوا جمن خالہ کے گھٹنوں میں گرتے گرتے بچا۔

اے ہے موا کیا چمٹ گیا تیرے ساتھ۔

جمن خالہ نے بے ساختہ اس کو دو ہتھڑ مارتے ہوئے کہا۔

وہ' وہ' باہر نواب صاحب آ رہے ہیں۔

نواب حیدر زمان۔

جمن خالہ نے بڑی سی میز پر ناشتے کا سامان حسرت بھری نظر سے دیکھا۔ خالہ نے مسکرا کر سامنے کھڑکی سے دیکھ کر کہا۔

جی' ہاں جی۔

اچھا' چل میں ابھی آئی' ان کو مہمان خانے میں بٹھا۔

لیکن کسی کو بٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ یہ حویلی نواب حیدر زمان کی اپنی حویلی تھی۔ وہ اس کے پوری طرح مالک تھے۔ سیدھے وہیں چلے آئے۔

آیئے آیئے نواب صاحب' اللہ اقبال بلند کرے۔

جمن خالہ نواب صاحب کو اندر آتے دیکھ کر گھگیاتے ہوئے بولی۔ کیونکہ وہ سیدھے ان کے کمرے میں ہی گھس آئے تھے۔

نواب حیدر زمان کمرے کو چاروں جانب معنی خیز انداز میں دیکھ کر دیوان پر بیٹھ گئے۔

جمن خالہ یہ کیا ہوا۔

نواب حیدر زمان دفعتاً" جمن خالہ کے سر پر پٹی بندھی دیکھ کر بولے۔

ویسے وہ حیرت زدہ بھی۔

یہ' یہ آپ کی چہیتی لاڈلی نے مارا ہے۔ ہائے ہائے۔

میرا سر پھٹ گیا ہے' درد کے مارے' اسی لیے تو ناشتہ اپنے کمرے میں کرتی ہوں۔

نواب حیدر کے استفسار پر جمن خالہ نے ساری داستان شروع کر دی۔

لیکن کیوں۔

نواب صاحب تذبذب کے عالم میں بولے۔

کیا بتاؤں نواب صاحب' آج کل سانچ کو آنچ ہے۔ جب سے لاجونتی آئی ہے کندن کندن پکار رہی ہے۔ کل بھاگی بھاگی نکلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پکڑا تو قریب پڑا ہوا بھاری گل دان میرے سر پر دے مارا۔

جمن خالہ نے تھپاک سے ہاتھ سر پر مارا۔

اوئی اللہ۔

پھر خود ہی درد سے بلبلا کر ہٹا لیا۔

زمان کھل کھلا کر ہنس دیا' اس کو جمن خالہ کی اداکاری کس قدر مضحکہ خیز آ رہی تھی۔

جی۔

جمن خالہ نے چونک کر زمان کو دیکھا وہ کمرے کا پردا اٹھا کر چل دیا تھا۔

چل گیا جادو ناگن کا۔

جمن خالہ نے دانت پیسے اور ناشتے کی طرف لپکی۔

لاجونتی۔

زمان نے شاہانہ وقار و عظمت کو بروئے کار لاتے بڑے رعب و دبدبے سے لاجونتی کے کمرے کا دبیز پردا اٹھایا اور بغیر اجازت لیے اندر چلا گیا۔

زمان کو اندر آتے دیکھ کر روپا خاموش باہر چلی گئی۔

لاجونتی کروٹ لیے ایک طرف آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔

لاجونتی۔

زمان نے قریب سنگ مرمر کی منقش میز پر بیٹھتے ہوئے پکارا۔

زمان۔

چونک کر لاجونتی نے آنکھیں کھول دیں۔

اب تم آ گئے ہو' کیا تمہاری ترکش میں کوئی اور تیر ہے جو میرے وجود کو ختم

کر سکے۔
لاجونتی کے الفاظ درد میں بجھے ہوئے تھے۔
میں تمہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں۔
زمان سادگی سے بولا۔
کیوں؟
لاجونتی نے بھی سادہ سا جواب طلب کر لیا۔
اس لیے کہ تم میری ....
نہیں نہیں، زمان، ایسا مت کہو، ہمارے درمیان بہت طویل فاصلے ہیں، میں ان فاصلوں کو عبور نہیں کر سکتی۔
لاجونتی جوش جذبات میں بیٹھ گئی۔
زمان نے دیکھا اس کے دراز گیسو بکھرے ہوئے تھے۔ سرخ انگارہ رخسار زرد ہو چکے تھے۔ دو چمکتی آنکھیں ویران ہو چکی تھیں۔ ہونٹوں کی پنکھڑیاں خزاں رسیدہ برگ و ثمر کی طرح خشک تھرا رہی تھی۔ کمزور ٹہنی کی طرح اس کا جسم ناتواں کانپ رہا تھا۔ صرف اس کے الفاظ مضبوط تھے۔
لاج، میرا ارادہ تمہیں تکلیف دینے کا نہیں، تمہیں میں کچھ بھی ذہنی یا جسمانی اذیت دینا نہیں چاہتا، صرف تمہیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس گھٹیا انسان کا خیال دل سے نکال دو۔ مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میری ہونے والی بیوی کسی مچھیرے کی اولاد کو پسند کرتی ہے تو یقین جانو تنہائی میں بھی میری گردن جھک جاتی ہے۔ تم سمجھتی کیوں نہیں۔
زمان کے الفاظ بظاہر نرم تھے لیکن ان لفظوں کے اندر چھپی ہوئی کڑواہٹ اور درشتی کو اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔
زمان۔
ہوں۔
لاجونتی کے پکارنے پر زمان نے ایک دم آنکھیں اٹھائیں۔
میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اب مجھ میں کسی اور کو پسند کرنے کی سعی نہیں رہی۔ میری محبت ازلی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ہم ازل سے ہی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔
اتنا کہنے کے بعد وہ دفعتاً پلٹی اور زمان کے قریب جھک کر بولی۔
میں سب جانتی ہوں کہ وہ مچھیرے کی اولاد ہے اور میں ایک نوابزادی، اور نواب حیدر زمان میرا منگیتر ہے جو کئی ریاستوں کا مالک ہے لیکن۔
وہ رک گئی۔
لیکن کیا۔
زمان چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔
میں کندن کو فراموش نہیں کر سکتی، وہ میری رگ رگ میں سما چکا ہے۔
لاجونتی۔
زمان کو غصہ آ گیا۔
مت بلند آواز سے میرا نام پکارا کرو۔ ساری دنیا جان گئی ہے کہ لاجونتی زمان کو نہیں کندن سے پیار کرتی ہے۔
زمان ایک دم پلٹ کر لاجونتی کے قریب آیا اور جھک کر اس کے کمزور شانے پکڑ لیے۔ وہ لرز رہی تھی۔ وہ کس قدر کمزور ہو چکی تھی۔
لاجونتی تمہارا شعور سو رہا ہے۔ تمہیں وہ کرنا ہو گا جو میں چاہوں گا۔
زمان نے گہری نظروں سے لاجونتی کے وجود کا جائزہ لیا۔ وہ پہلے سے کہیں زیادہ بیمار نظر آنے لگی تھی۔
لاجونتی قریب مسہری پر بیٹھ چکی تھی اور زمان اس کے قریب سنگ مرمر کی تپائی پر بیٹھ گیا۔
میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ میں تم سے کس قدر محبت کرتا ہوں۔
ہاں ہاں، تمہیں مجھ سے بہت محبت ہے جبھی تو تم اس ظالم عورت کے حوالے کر کے خود سکون سے رہ رہے ہو۔
لاجونتی نے شکایتی انداز میں بڑی دلگیر آواز میں کہا۔
جمن خالہ۔

زمان کو حیرت ہوئی۔

اور کیا' اس عورت نے میرا جینا حرام کر دیا ہے۔ سکون کا لمحہ بھی نصیب نہیں تا۔

لاجونتی سسک اٹھی۔

چھا' میں اس سے بات کروں گا۔

نہیں زمان' مجھے واپس محل لے چلو۔

لاجونتی نے منت بھرے انداز میں کہا۔

نہیں' محل میں تم صرف میری دلہن کے روپ میں جاؤ گی۔

زمان۔

لیکن وہ جا چکا تھا۔

لاجونتی تکیے پر سر رکھے بری طرح سسک اٹھی۔

جمن خالہ۔

زمان اندر جاتے ہی بولا۔

آؤ بیٹا' کیا بات ہے گھبرائے ہوئے نظر آتے ہو۔

میں نے آپ کو بھیجا تھا۔ لاجونتی کی نگرانی کے لیے۔

تو کیا کسر چھوڑی ہے میں نے اس کی نگرانی میں۔

جمن خالہ کے انداز میں چھپی ہوئی نفرت زمان نے محسوس کر لی تھی۔

ناشتہ کیا اس نے۔

زمان کی نظروں میں لاجونتی کا کمزور جسم گھوم گیا۔

کب کیا' پتہ کرتی ہوں۔

ایک دم جمن خالہ کو یاد آیا کہ لاجونتی نے رات کا بھی کھانا نہیں کھایا۔ اور اب ناشتہ بھی اس کو نہیں بھیجا۔

آپ کب سے ناشتہ کر چکی ہیں۔

زمان نے سامنے خالی میز دیکھ کر کہا۔

جمن بری طرح شرمندہ سی ہو گئی۔ اور ندامت آمیز انداز میں زمان کے سامنے

نظریں چرانے لگی۔

آپ کو اس کی خوراک کا تو خیال رکھنا چاہیے۔

کیا خیال رکھوں' کاٹنے کو دوڑتی ہے۔ جب جاؤں یوں پیچھے پڑ جاتی ہے جیسے چڑیل۔

جمن خالہ چیخ چیخ کر اپنی سچائی کا دعویٰ جتانے لگی۔

صرف چند دن کی اور بات ہے۔ ذرا میں باہر کے کام نبٹا لوں تو پھر ہم شادی کر لیں گے۔

زمان کے تصور میں لاجونتی گھونگھٹ کی اوٹ میں جھانکتی ہوئی نظر آئی۔

مان گئی وہ۔ جمن خالہ کا انداز طنزیہ تھا۔

ماننے یا نہ ماننے کا کیا سوال۔ وہ میری ہے اور ہمیشہ میری رہے گی۔ بھلا ٹاٹ میں مخمل کا پیوند لگ سکتا ہے۔ وہ کبھی کندن کی نہیں میری ہے وہ۔

زمان نے جیسے جمن خالہ کی غلط فہمی نکالنا چاہی۔

اب تو ویسے بھی تمہیں اس سے شادی کرنی ہی نہیں چاہیے۔

خالہ' کیا مطلب' کیا کہہ رہی ہو۔ زمان ایک دم گرجا۔

مم مم میرا مطلب ہے کہ وہ کسی دوسرے کو پسند کرتی ہے۔

خالہ' مجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ تم ہمیشہ ہر بات کا روشن پہلو نہیں تاریک پہلو تلاش کرتی ہو اور میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ لاجونتی پاکیزہ ہے۔ کندن نے اس کے تقدس کو داغدار نہیں کیا۔ میں نے اس کے جسم کی تھرتھراہٹ سے جان لیا ہے کہ وہ مقدس ہے اور ہمیشہ مقدس رہے گی۔ اس کے چہرے پر وہی رعنائی ہے اس کی آنکھیں ویسی ہی حیا سے لبریز ہیں۔ اس کے رخساروں پر مجھے دیکھ کر اسی طرح ئی آ جاتی ہے جیسے چند سال پہلے آیا کرتی تھی۔

اچھا' اچھا بیٹا' معاف کر دو۔

جمن خالہ کھسیائی ہوئی کھڑی ہو گئی اور زمان کمرے سے نکل گیا۔

نواب حیدر زمان زیادہ دیر ٹھہر نہ سکتے تھے کیونکہ وہ بہت جلد شادی کر لینا چاہتا تھا۔ اب لاجونتی سے دوری اس کے بس کی بات نہ تھی۔ وہ بہت جلد ریاست کے

زما کو نبٹا کر شادی کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ کلی طور پر سیاہ و سفید کا مالک تھا۔

روپا۔ لاجونتی نے لیٹے لیٹے کہا۔

حکم کیجئے چھوٹی سرکار۔

نواب حیدر زمان تشریف لے گئے۔

وہ اپنی قسمت پر مسکراتے ہوئے بولی۔

جی ہاں' ابھی ابھی چلے گئے۔ روپا نے سادگی سے کہا۔

وہ کیا تھی اور کیا بن گئی۔ کبھی ہم بھی حاکم تھے۔

جی۔ روپا نے چونک کر کہا۔

کچھ نہیں روپا۔ لاجونتی نے کروٹ بدلی۔

خیالات کے گھناؤنے سائے اس کے وجود کو ڈسے جا رہے تھے۔ کندن کی یاد نے جلا کر راکھ کر ڈالا تھا۔ ایک عرصہ ہو گیا تھا اپنے محبوب سے ملے ہوئے۔ پرانی یادیں اس کے ذہن پر تازیانے برسانے کے لیے کافی تھیں۔ وہ اس کے ساتھ ہی تڑپ اٹھی۔

کندن تم کہاں ہو' ہم تمہارے بدلے کوئی جنت لینے کو تیار نہیں' کندن۔

وہ بیتاب ہو گئی پھر ساون بھادوں کی ایسی جھڑی لگی کہ تمام رات نہ سو سکی' سویرے سویرے روپا نے کمرے کا دروازہ کھولا۔ دریچوں کے پردے سرکا دیے تھے۔

سرکار' چھوٹی سرکار۔

بار بار پکارنے پر بھی وہ بے ہوش پڑی تھی۔

ہائے اللہ۔

روپا بری طرح گھبرا گئی' لاجونتی کے جسم سے شعلے نکل رہے تھے۔ بخار کی شدت سے اس کا جسم پھنک رہا تھا۔ چہرے پر چھائی ہوئی سرخی کسی دہکتی ہوئی انگاری سے کم نہ تھی۔

چھوٹی سرکار' آنکھیں تو کھولیں۔

روپا کو لاجونتی کی کسمپرسی پر ویسے بھی ہمدردی سی ہو چکی تھی۔

وہ لاجونتی کو ریشمی لحاف اوڑھا کر بھاگی بھاگی خود ہی حویلی سے نکل کر شہر کے اچھے حکیم کے پاس گئی۔ وہ جانتی تھی کہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اگر خالہ جھڑک لے گی تو کیا ہوا۔ نواب حیدر زمان تو خوش ہو گا۔ آخر کو کیوں نہ ہو وہ ان کی شریک حیات بننے والی تھی۔

چند لمحوں میں حکیم روپا کے ساتھ لاجونتی کے کمرے کی طرف چل دیا۔

صحن کے خوبصورت کنج میں محبت علی اور جمن خالہ چونکے۔

حکیم ہے' میرا خیال ہے لاجونتی کی طبیعت زیادہ خراب ہے۔

محبت علی نے کہا۔

ہوں' آج زمان کا بھی لہجہ اکھڑا ہوا تھا۔ یہاں تو کسی سے فیض کرنے کا بدلہ ہی نہیں ملتا' چلو آؤ دیکھیں' کیا دورہ پڑا ہے لاڈو کو۔

جمن خالہ زبردست نفرت آمیز انداز میں محبت علی کو لے کر لاجونتی کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

حکیم لاثانی جو شہر کے مانے ہوئے حکیم تھے۔ لوگ ان کی صلاحیتوں اور بے پناہ تجربے کی بنا پر لاثانی کہتے تھے۔ ستر پچھتر سال کی طویل عمر رکھنے والے حکیم لاثانی ایک نظر میں ہی لاجونتی کی بیماری جان گئے تھے۔ وہ نبض سے زیادہ لاجونتی کی زبان سے نکلنے والے الفاظ پر غور کر رہے تھے جو عالم غنودگی میں بڑبڑا رہی تھی۔

کندن۔ حکیم لاثانی کا انداز سوالیہ تھا۔

محبت علی اور جمن خالہ نے فوراً" ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور روپا نے گردن جھکالی۔

سمجھ دار حکیم لاثانی کمرے میں موجود ہر فرد کی نگاہوں کا مطلب سمجھ چکے تھے۔ ایک دم کھڑے ہوئے۔

یہ لیجئے پڑیاں' دن میں تین تین بار پلا دیجئے' لیکن اگر یہ شخص ان کو دے دیا جائے تو دل کی بیماری جلد سکون پا سکتی ہے۔

اتنا کہہ کے حکیم لاثانی روپا کے ساتھ کمرے سے نکل گئے۔

میں کہتا ہوں کہ اس عشق کی گانٹھ کو اب محل میں واپس کر دو۔

محبت علی کا انداز بڑا گھٹیا تھا۔

تمہارا تو دماغ چل گیا ہے بھلا اب تک میں نے کوئی کام بغیر فائدے کے کیا بھی ہے۔

جمن خالہ ناک چڑھا کر لاجونتی کو سنبھالنے کی اہمیت جتلانے لگی۔

ہاں ٹھیک ہے لیکن جو یہ سکون برباد ہو رہا ہے۔

تمہارا سکون کیوں برباد ہوا جی' جاؤ آرام کرو' جو تمہارا کام ہے میں سب ٹھیک کر لوں گی۔

جمن خالہ نے بے حد گستاخ لہجے میں اپنے شوہر کو جھاڑ دیا۔ وہ بیچارا آنکھیں جھکائے کمرے سے نکل گیا۔

محبت علی کے جانے کے بعد وہ واپس لاجونتی کے پاس آئی اور روپا بھی آ چکی تھی۔

اسے سمجھاؤ' باز آجائے ان حرکتوں سے' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔

جمن خالہ نے روپا کو دیکھ کر لاجونتی کی طرف اشارہ کیا۔

جمن خالہ۔ روپا صرف اس قدر ہی کہہ سکی۔

چند ثانئے جمن خالہ نے دل کے پھپھولے پھوڑے اور حسب عادت پاؤں قالین پر گھسیٹتی ہوئی پردے اٹھا کر نکل گئی۔

روپا مغموم اداس سی لاجونتی کے بال سنوارنے لگی۔

☆



وہ دیوانہ پاگل محبوب کی لگن کو سینے سے لگائے لوگوں سے پوچھتا ہوا نور پور پہنچ تو گیا۔ اس کے ذہن کی سلیٹ پر صرف ایک نام کندہ تھا اور وہ تھا.... لاجونتی۔

صرف لاجونتی کی صورت اس کو نظر آتی تھی۔ اس کے دیدار کی خواہش اس کو کہاں سے کہاں لے آئی تھی۔ وہ پاگل دیوانہ لاجونتی کے دیدار کا بھکاری نور پور کی گلی کوچوں میں لاج لاج پکارتا دوڑتا پھرتا رہا۔

اے بھائی' تو نے لاج کو دیکھا۔

کندن نے دیوانہ وار ایک آدمی کے شانے کو پکڑ کر کہا۔

کیا بکواس ہے کپڑے خراب کر دیے۔

سفید پوش نوجوان گندے میلے ہاتھ لگنے سے جھنجلا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی' وہ ایک دم پیچھے ہٹا۔

ہمیں نہیں معلوم کون ہے۔

نوجوان نے اپنی دانست میں نفرت سے دھتکار دیا اور آگے چل دیا۔

وہ ہر آنے جانے والے آدمی کو گہری نظروں سے دیکھتا۔ اچانک سڑک کے دوسرے کنارے پر عورتوں کو جاتے دیکھ کر وہ ایک ہی جست میں سڑک عبور کر گیا۔

تم نے میری لاج کو دیکھا۔

وہ ایک نوجوان عورت کے قریب جا کر بولا۔

ہی ہی ہی' دیوانہ۔

وہ تمسخر آمیز ہنسی ہنس کر آگے چل دی۔

اور وہ جاتی ہوئی عورتوں کے نقش قدم کو گھورتا رہا۔

لوگ اس کو حقیر جان کر قدموں تلے روند کر گزر جاتے۔ وہ سڑک کے ایک کنارے پر پڑا اپنے مقدر کی سیاہی کو اتارنے کی کوشش کرتا رہا لیکن کوئی بھی اس کے درد کا مداوا نہ کر سکتا تھا۔ کون ایسا ہمدرد ہوتا جو اس کی لاج اس کو لا دیتا۔

وہ تڑپتا رہا' مچلتا رہا' یاد ماضی عذاب بن کر اس کے دل و دماغ کو چاٹتا رہا۔ لاجونتی کی نس نس میں بسی مہک اس کو دیوانہ بناتی رہی۔ ہجر کی آگ نے اس کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ وہ گیلی لکڑی کی طرح سلگ رہا تھا۔ وہ راکھ میں دبی چنگاری تھا جو بظاہر ٹھنڈی نظر آ رہی تھی لیکن اندر اندر اس کی جان کو کھوکھلا بنا رہی تھی اور یہ چنگاری اس کے تن من کو جلا رہی تھی بلکہ جھنجھوڑ رہی تھی۔ لاجونتی کی یاد نے اس کے ذہن سے اس کی پرانی یادیں بھی چھین لی تھیں۔ اسے صرف لاجونتی یاد تھی۔ وہ خاک بسر خاک نشین شہر والوں کے ستم سے تنگ آ کر قبرستان میں ایک چھوٹی سی سایہ دار دیوار کے پاس رہنے لگا تھا۔ قریبی قبروں کے باسی روکھی سوکھی دے جاتے تو وہ زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔ وہ ایسے ہی حال میں خوش تھا۔ وہ بوسیدہ کپڑوں میں بڑھی ہوئی ڈاڑھی مٹی سے اٹے جسم کو لیے ویسے ہی ایک درخت کی چھاؤں میں لیٹا تھا۔

اے بھائی۔

ایک قبر کے قریب رہنے والے بوڑھے نے پکارا۔

کندن نے چونک کر لال لال آنکھیں کھولیں' ان آنکھوں میں وحشت دیکھ کر بوڑھا کچھ خوفزدہ سا ہو گیا۔

کیا بات ہے۔

وہ اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا پھر لیٹ گیا۔

سنو تم جو اس قدر گرمی میں یہاں مارے مارے پھرتے ہو۔

تمہیں اس سے کیا۔

کندن کو بوڑھے کی ہمدردی پر غصہ آ گیا۔

غصہ نہ کرو یار' میرا مطلب تھا کہ تمہارا کوئی نہیں۔

بوڑھا نرمی سے اس کے قریب بیٹھ گیا۔

نہیں۔

کندن نے لاپرواہی سے آنکھیں بند کر لیں۔ اسے بوڑھے کے وجود کا مطلق اثر نہ تھا یا وہ آداب محفل سے بالکل مبرا ہو چکا تھا۔

بوڑھا دردناک انداز میں مسکرایا اور اس کی آنکھوں میں نمی سی چھلکنے لگی۔

تمہارا بھی کوئی نہیں لگتا' میرا مطلب تھا کہ تم میری جھونپڑی میں آ جاؤ' تمہیں یہاں دیکھ کر میرا دل گھبراتا ہے۔

بوڑھے کو کندن پر ترس آ گیا۔

جھونپڑی' تمہاری جھونپڑی میں جانے سے فائدہ' وہاں مری لاج ہو گی۔

کندن کرب ناک انداز میں بڑبڑایا۔

لاج؟

بوڑھے نے معمولی سی سرگوشی سنی اور خاموش ہو گیا۔

ہاں' ہی جس نے میرا سلون چھین لیا ہے۔ میرے تن بدن میں جدائی کی آگ اسی نے لگائی ہے' وہی میری غمگسار ہے لیکن اب ..

بوڑھے نے چونک کر کندن کے چہرے کو دیکھا۔

اور اب؟

بوڑھے نے پوری تفصیل جاننا چاہی۔

آگے کچھ نہیں' دنیا والوں نے چھین لی ہے مجھ سے' اس کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ اس کو غائب کر دیا ہے۔ لے گئے ہیں دنیا والے۔

لاج' میں تمہیں تلاش کروں گا۔

وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اپنے اندر مچی ہوئی ہلچل کو نہ روک سکا۔ پہلے بوڑھے سے ٹکرایا پھر راستے میں ایک پتھر سے الجھ کر گرا اور پھر بھاگنے کی رفتار تیز کر دی۔ بوڑھا صرف اس کی بے قراری اور بے چینی کو دیکھتا رہ گیا۔

نہ جانے کتنے دکھوں نے اس کو ستا رکھا ہے۔ اس دنیا میں کوئی سکھی نہیں۔

بوڑھا اپنی کدال کاندھے پر ڈالے اسی طرف چل دیا جہاں وہ قبر کھودتا ہوا کندن کے پاس آیا تھا۔

آج کندن نے راستے تبدیل کر لیے تھے۔ شہر کے باہر کھلی آبادی میں چل نکلا تھا۔ وہ آج لوگوں سے انتقام لے گا جو اس کی لاج چھین رہے تھے۔ وہ دیوانہ وار بھاگتا رہا۔ بلند و بالا عمارتوں کو تکتا گرتا پڑتا چلا جا رہا تھا۔

ایک دم وہ رکا تڑپا اور بری طرح چیخا۔

لاج۔

دفعتاً" وہ پکار اٹھا۔

کندن کی گردن کا تناؤ اور سخت ہو گیا۔ نگاہوں میں وہی روشنی عود آئی۔ سامنے سڑک کے دوسرے کنارے پر فلک بوس عمارت کی چھت پر اس کو لاجونتی نظر آئی تھی۔

وہ پوری طاقت سے چلایا۔

لاجو۔

کندن۔

بھلا کندن پکارتا اور وہ نہ سنتی' تڑپ کر جھکی' اور بانہیں پھیلا دیں لیکن پھر سسک کر بازو سینے سے لگا لیے۔

کون سینے سے لگاتا۔ اس کے اور کندن کے درمیان ایک طویل فلک بوس دیوار تھی جس کو پھلانگنا کندن کے بس کی بات نہ تھی۔ اب تو وہ ویسے بھی اپنے حواس کھو چکا تھا۔ وہ تڑپ سکتا تھا لیکن دماغ کو تلاش کی حد تک نہ پہنچا سکتا تھا۔ اب اس میں تخلیق کا مادہ ختم ہو چکا تھا۔

کندن۔

لاجونتی نے دیوار سے سر ٹکرا لیا' وہ بے قرار پلٹی اور برق رفتاری سے زینہ پار کر کے اپنے کمرے میں آئی۔

روپا۔

چھوٹی سرکار۔

روپا نے عجیب سی نظریں لاجونتی کے چہرے پر ڈالیں' اور اس کے شانے تھام لیے۔

ہمیں مت روکو' ہم آج دنیا کی کسی طاقت سے نہیں رکیں گی۔

لاجونتی نے دیوانہ وار کمرے کے وسط سے بڑا سا دوپٹہ چادر نما اوڑھ کر باہر کی طرف لپکی۔

دیکھ لو روپا' ہم سوائے کندن کی محبت کے اور کچھ نہیں لے جا رہے۔ ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔

لاجونتی نے عجیب اضطرابیت میں روپا کو اپنے ہاتھ دکھائے۔

چھوٹی سرکار۔

روپا سسک اٹھی۔ لاجونتی کی حالت اس سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ لاجونتی کی بے بسی' اف تو تو ریاست کی مالک ہے۔

روپا آپ ہی بڑبڑائی لیکن دوسرے ہی لمحے اس کے اس کے حواس بیدار ہوئے۔ وہ تیزی سے دروازے کی طرف لپکی' لاجونتی بڑی برق رفتاری کے ساتھ زینہ اتر رہی تھی۔

چھوٹی سرکار۔

لیکن لاجونتی گیٹ سے نکل کر کندن سے لپٹ گئی۔

میری جان' میری روح۔

کندن کے دماغ کی نس پھٹ اٹھی۔ اس نے اپنی پھیلی ہوئی بانہوں میں لاجونتی کو سمو لیا۔ دائرہ تاریک ہو تا گیا۔

میرے کندن' مجھے لے چلو' ہم یہاں سے چلے جائیں ...

لاجونتی نے پلٹ کر حویلی کی جانب دیکھا اور بیتاب ہو کر کندن کے بازو کو کھینچنے لگی۔

لیکن اس سے پہلے کہ کندن لاجونتی کو دوبارہ سینے سے لگا لیتا۔

بدبخت تیری اتنی جرات۔

محبت علی نے کسی وحشی درندے کی طرح لاجونتی کو کندن کے سینے سے چھین کر

پرے ہٹا لیا۔

کندن۔

لاجونتی کی کرب ناک چیخ بلند ہوئی۔

لاج۔

کندن پاگلوں کی طرح اس کی طرف بڑھا۔

لیکن پہرے دار کا موٹا ڈنڈا اس کے سر پر پڑا اور وہ اپنے حواس پوری طرح کھو بیٹھا۔ محبت علی لاجونتی کی زندہ لاش کو گھسیٹتا ہوا حویلی کی طرف لے گیا۔

لاجو' وہ چیخا۔

خون کا فوارہ نکلا اور وہ صحرا کی جانب بھاگ گیا۔

بہت سے لوگوں نے اس کا تعاقب کیا لیکن اس کو دیوانہ سمجھ کر چھوڑ دیا۔ وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپا۔ وہ اچھے بھلے انسان کی بجائے مخبوط الحواس انسان بن چکا تھا۔ زمانے نے اسے بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ سر کا زخم تو کبھی مندمل ہو سکتا تھا لیکن دل کا زخم کبھی بھرنے نہ پائے گا اور اپنے سر کو ایک پتھر پر مار مار کر وہ زخموں کی گہرائی مں دفن ہونا چاہتا تھا۔ وہ بدن کی لاش کو سمیٹے جھونپڑی میں شکستہ دیوار کی طرح گرا اور بے سدھ ہو گیا۔

بیٹا۔

بوڑھا تو اس کا نام بھی نہ جانتا تھا۔

لیکن کندن کو خاموش دیکھ کر ہو ہڑبڑا اٹھا اور حیران سا قریب چلا گیا۔

لو پانی پیو۔

بوڑھے نے قریب ہی چھوٹی سی ٹھلیا سے پانی کے پیالے میں انڈیل کر اس کے ہونٹوں سے لگایا۔

چند لمحوں میں کندن پیاسا سارا پیالہ خالی کر گیا۔

اس سے پیاس نہیں بجھتی بابا۔

کندن کے الفاظ ساری دنیا کا درد سمیٹے ہوئے تھے۔

بوڑھے نے حیرت سے کندن کے سر کو دیکھا۔

یہ تمہارے سر کو کیا ہوا بیٹا۔

کچھ بھی نہیں۔

کندن کو احساس ہی کب تھا کہ اس کے کسی حصے کو تکلیف پہنچی ہے۔ حالانکہ خون بہہ بہہ کر اس کا چہرہ پوری طرح رنگ چکا تھا۔ اس کے ارمانوں کی تیرہ بختی خون کی صورت میں اس کے بدن کو بھگو رہی تھی۔

یہ خون کہاں سے آیا ہے' تمہارا تو سر پھٹ چکا ہے میرے بیٹے۔

بوڑھے نے تشویشناک لہجے میں کندن کے سر کو بغور دیکھا اور اٹھ کر اپنی جگہ پر چلا گیا۔

چند لمحوں میں بوڑھے نے جلی ہوئی راکھ کندن کے زخموں پر رکھ کر دبا دیا۔

ہٹ جاؤ بابا' تم تو نہ ستاؤ۔

میں تمہیں کب ستاتا ہوں' تمہارے زخموں پر پھایا رکھا ہے' انشااللہ مندمل ہو جائیں گے۔

ہنہ۔

وہ طنز سے مسکرایا' اور پھر ایک قہقہہ لگا کر چھت کو گھورنے لگا۔

بابا تم ان زخموں کو مندمل نہیں کر سکتا۔ یہ زخم اس وقت تک نہیں بھر سکتے جب تک لاج نہ مل جائے۔

کندن کے آنسو اس کے رخساروں پر بہنے لگے۔

کتنی وہ ظالم عورت ہے جس نے تجھے دکھ دیا ہے۔

بوڑھے کو غصہ آ گیا۔

بابا' اسے برا مت کہو۔ وہ بری نہیں' دنیا ظالم ہے جو اسے ملنے نہیں دیتی' دیکھو میرے بازو' وہ ان بازوؤں میں آئی اور میں نے اسے سینے سے لگا لیا۔

اس کے بعد وہ سسک اٹھا اور گھٹنوں میں چہرہ چھپا لیا۔

پھر۔

بوڑھے نے کہا۔

پھر دنیا نے اسے مجھ سے چھین لیا۔ اس کو چھین لیا۔ وہ مجھ سے چھین لی گئی'

چھین لی گئی۔

وہ ایک ہی رٹ لگا رہا تھا اور آنکھیں بند کرتا ہوا پھر لیٹ گیا۔

بوڑھا اس کی حالت زار پر افسردہ صورت واپس اپنی جگہ پر چلا گیا۔

لیکن وہ سویا کب تھا۔

وہ تو محبوب کے خیالات میں غرق تھا۔

تو معصوم ہے لاج۔

تو بے گناہ ہے۔

پاکیزہ تبسم کی طرح۔

اتنی اذیت سہنے کی باوجود بھی لاجونتی کو برا بھلا کہنے کو دل نہ چاہا اور وہ اس کے تصور میں ہی نیند کی وادیوں میں کھو گیا۔

وہ بناؤ سنگھار کیے اس کے سامنے کھڑی تھی۔

لاج۔

کندن نے چونک کر دیکھا۔

لاجونتی۔

بیتاب ہو کر کندن نے لاجونتی کو سینے سے لگایا اور ... لیکن وہ چیخ اٹھا۔

وہ تو ایک خواب تھا' حقیقت کہاں تھی۔

کیا میں خواب دیکھتا رہوں گا' تو یونہی خوابوں میں آئے گی لاجو۔

پھر کیا تھا' پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے۔ وہ چیختا ہوا حسب معمول پھر شہر جانب بھاگا۔

لوگ قہقہے برساتے رہے۔

انسانیت چیختی رہی۔

عشق تڑپتا رہا۔

لیکن ظالم دنیا آہنی دیوار بن کر دونوں کے درمیان کھڑی ہو گئی۔ جھو عزت کے پہرے دار سایہ بن کر لاجونتی کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ پابندیاں او زیادہ ہو گئی تھیں۔

میں کہتا ہوں کہ تمہاری عزت و ناموس کا جنازہ بھی نکل جائے گا۔

محبت علی نے جمن خالہ کے کمرے میں جاتے ہوئے کہا۔

کیوں' اب کیا ہوا۔

جمن خالہ نے چونک کر پان کی گلوری زور زور سے چباتے سامنے کلاک کی جانب دیکھا جو اس وقت سہ پہر کے چار بجا رہا تھا۔

اب وہ ہم سے نہیں سنبھل سکتی' زمان صاحب کو کہو کہ آ کر لے جائیں اسے۔

محبت علی بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

کہو بھی اب کیا ہوا۔

جمن خالہ بڑے تلخ رویے سے بولی۔

مجھے نوکروں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ وہ کسی وقت یہاں سے چپکے سے نکل جائے گی۔

محبت علی دہشت ناک انداز میں آنکھیں پھیلا کر بولا۔

ہائے میں مری۔

جمن خالہ ایک دم سہم گئی۔

ویسے اس دن کے بعد وہ تو کمرے میں سے ہی نہیں نکلی۔

جمن خالہ نے ذرا سکون سے کہا۔

نکل آئے گی' نکل آئے گی' اسے جب بھی موقع ملا۔

محبت علی ہاتھ بڑھا کر بلند آواز سے بولا۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

جمن خالہ کو کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے۔ اگر لاجونتی کو واپس بھیجے تو کافی خطیر رقم برباد ہوتی تھی۔ مگر یہاں اس کے چلے جانے کا اندیشہ۔ وہ زبردست الجھن میں گرفتار تھی۔

یہ عشق ایسا نہیں جو دھمکیوں سے ٹھنڈا پڑ جائے گا۔

محبت علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

اچھا بس بس' کچھ سوچنے دو۔

جمن خالہ نے حسب عادت محبت علی کو جھاڑ دیا۔

اور وہ بیچارا جورو کا غلام دوسری طرف کرسی پر بیٹھ کر چندی آنکھوں سے جمن خالہ کا منہ تکنے لگا۔

جمن خالہ ہر طرف سے بے نیاز آنکھیں بند کئے سوچنے کے انداز میں تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

لیکن یوں ہی شب کے سائے لہرانے لگے۔ ہر طرف سناٹا سا چھا گیا لیکن کون جانے لاجونتی کے دل میں آرزوؤں کا ہجوم کس قدر طوفان مچا رہا تھا۔ ایک ہلچل تھی۔ وہ تمام شب بلکہ ہر رات کندن کی دستک کی منتظر رہتی۔ آج بھی تمام شب اس نے رو رو کر گزار دی لیکن آنے والا نہ آیا۔ لاجونتی کی بے چینی اضطرابیت کی انتہا ہو چکی تھی۔ اس کو دنیا کی کوئی چیز اچھی نہ لگتی ۔ جمن خالہ اور محبت علی سے تو ازلی بیر ہو چکا تھا۔ اس کے بس میں ہوتا تو ان دونوں میاں بیوی کے ٹکڑے کروا کر کتوں سے تڑوا دیتی لیکن مجبور لاچار وہ صرف سوچ سکتی تھی لیکن اپنی طرف سے کسی ردعمل کا اظہار نہ کر سکتی تھی۔

وہ موت چاہتی تھی لیکن موت بھی اس سے دور تھی۔ لیکن آج اور قیامت نامہ موصول ہو گیا۔

جس کو پڑھ کر جمن خالہ کے سر پر منوں پانی پڑ گیا۔

تیاری کرو' نواب حیدر زمان تمہیں لینے کو آ رہے ہیں۔

جمن خالہ نے خط کو لاجونتی کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

تم خود پڑھ کر سنا دو۔

لاجونتی نے زبردست نفرت سے خط کو ٹھوکر سے پرے ہٹایا۔

اے ہے' عجیب طبیعت پائی ہے' شرم نہیں آتی اپنے ہونے والے شوہر کو اس طرح ...

بکواس نہ کرو۔

لاجونتی چیخی' وہ اب ہر قسم کے آداب یکسر فراموش کر چکی تھی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے برسنے لگے۔

روپا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

اچھا۔

جمن خالہ نے مارنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

خبردار جمن خالہ اگر چھوٹی سرکار کو ہاتھ بھی لگایا۔

روپا کو آج غصہ آ گیا' دونوں کے درمیان وہ کھڑی ہو گئی۔

اچھا' تری بھی جرات۔

جمن خالہ سیخ پا ہو گئی' اور چیخ کر روپا کی طرف بڑھی۔

جمن خالہ۔

کمرے میں جانی پہچانی گرج دار آواز سن کر جمن خالہ کا اٹھا ہوا ہاتھ جہاں تھا وہیں رک گیا۔

جمن خالہ نے آہستہ سے سہم کر پلٹ کر دیکھا۔

نواب حیدر زمان اپنے خاندانی وقار و عظمت کے لباس میں ملبوس سر پر شاہانہ تاج پہنے کھڑے تھے۔

روپا نے نظریں جھکا لیں' اور لاجونتی صرف زمان کو دیکھ کر رہ گئی۔

جمن خالہ شرمندہ شرمندہ سی کمرے سے نکل گئی۔

جمن خالہ سیدھی اپنے کمرے میں پہنچی' جہاں محبت علی گہری نیند سو رہا تھا۔

اٹھو' نکھٹو' وہاں قیامت آ گئی اور تمہیں نیند آ رہی ہے۔

جمن خالہ نے زبردست پھنکار کے ساتھ محبت علی کا لحاف کھینچ کر قالین پر پھینک دیا۔

میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو تم سوچ رہی ہو وہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

محبت علی نے جمن خالہ کی کمزوری بیان کر دی۔

کیا عالم آرا تمہاری بیٹی نہیں ہے' جو مجھے طعنے دے رہے ہو۔ میں نے سوچا تھا کہ ہماری عاقبت اب بھی سنور جائے گی۔

جمن خالہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

روپا نے ایکدم پردہ اٹھایا۔

کیا ہے ری۔

جمن نے نفرت بھرے انداز میں منہ اٹھایا۔

محبت علی صرف دیکھ کر رہ گیا۔

آپ کو نواب صاحب بلا رہے ہیں۔

روپا نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

چلو، میں آتی ہوں۔

جمن خالہ نے اپنی دانست میں سینہ تان کر کہا جیسے وہ کسی سے خوفزدہ نہ تھی۔

روپا تو واپس لوٹ گئی۔

اب مجھے معلوم ہے اس کلموہی نے مجھے ہی برا بنایا ہو گا۔

جمن خالہ نے آنچل درست کرتے ہوئے کہا۔

یہ تو خدا جانتا ہے، تم نے مجھے بھی کہیں کا نہیں چھوڑا۔

محبت علی کو موقعہ ملا۔

اچھا، میں واپسی پر تمہاری خبر لیتی ہوں۔

جمن نے منہ پر ہاتھ پھیرا اور انتقامی جذبے سے پاؤں ہارتی ہوئی زینہ چڑھ گئی۔

جمن خالہ۔

زمان جمن کو آتے دیکھ کر مسکرایا۔

کیا بات ہے بیٹا۔

جمن خالہ بظاہر نرمی سے بولی لیکن اس کے لہجے میں وہ حلاوت اور شرینی نہ تھی جو ایک ماہ پیشتر تھی۔

کل تک لاجونتی کا سارا سامان تیار ہونا چاہیے۔ ہم دوپہر تک چلے جائیں گے۔

زمان نے شدت محبت سے لاجونتی کی طرف دیکھا لیکن اس کی ویرانی ختم ہوئی۔

بہتر کل تک سامان تیار ہو جائے گا۔

جمن خالہ جاتے جاتے بولی۔

سنو۔

لاجونتی پلٹ کر بڑے تلخ انداز میں بولی۔

جمن خالہ نے چونک کر لاجونتی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں۔

تم نہیں جاؤ گی، یہیں رہو گی، ہماری حویلی کی نگرانی کرو گی۔ ہم تمہیں ماہوار خاصی رقم دے دیا کریں گے۔

لاجونتی نے بھرپور طنز بھرا نشتر جمن خالہ کے سینے میں گھونپ دیا۔

جمن خالہ صرف گھور کر رہ گئی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے زمان کا قہقہہ کمرے کے سکوت کو درہم برہم کر گیا۔

نواب حیدر زمان کی کھنکتی ہوئی ہنسی دیکھ کر لاجونتی بھی حیران رہ گئی۔

جمن خالہ حیران ہونے کی ضرورت نہیں، آخر کیوں نہ ہو، لاجونتی اب ہماری ملکہ بنے گی۔ اس کو کلی اختیارات دے دیے جائیں گے۔

لیکن لاجونتی نے بغیر کوئی تاثر لیے نگاہیں دریچے کی جانب مرکوز کر دیں جہاں سیاہ سرمئی بدلیاں چند آوارہ سفید بادلوں کے پیچھے بھاگ رہی تھیں۔

لاوجنتی اب تم آرام کرو، صبح ملاقات ہو گی۔

زمان نے لاجونتی سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

زمان کے جاتے ہی لاجونتی برگ خزاں کی طرح بستر پر گری اور بری طرح سسک اٹھی۔

اب کیا کریں، ہم یہاں بھی نہیں رہ سکتے۔ اے خدا ہمیں اپنے پاس بلا لو، جب کندن نہیں تو جی کے کیا کریں گے۔

وہ تڑپ تڑپ کر روتی رہی۔

روپا نم ناک آنکھیں لیے قریب کھڑی رہی۔

روپا۔

لاجونتی بے چین روپا کا بازو پکڑ کر بولی۔

روپا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ اس نے محبت سے لاجونتی کے ہاتھ کو ہونٹوں سے لگا لیا۔

ہم کیا کریں، چھوٹی سرکار، آپ کے دکھ کس طرح دور کریں۔ ہمارے بس میں

پا کے انداز میں حد درجہ مجبوری کا عنصر غالب تھا۔

ہمیں کندن لا دو، ہم نہیں چاہتے یہ تخت و تاج۔

لاجونتی نہایت عاجزانہ انداز میں روپا کے ہاتھوں کو پکڑ کر بولی۔

ہماری جان آپ پر نثار چھوٹی سرکار، لیکن جو کچھ آپ مانگ رہی ہیں وہ ہم نہیں دے سکتے۔

روپا کے آنسو بہہ کر اس کے رخساروں کو بھگو گئے۔

بے چینی مجبوری کی تڑپ سے بے قرار و لاچار ہو کر لاجونتی تڑپ تڑپ کر رو دی۔

روپا سے لاجونتی کی مضطرب حالت نہ دیکھی جاتی تھی۔ وہ آہستہ سے اٹھی اور چند لمحوں میں لاجونتی کے لیے قہوہ لے آئی۔

چھوٹی سرکار، دو گھونٹ پی لیجیے، ذرا طبیعت بہل جائے گی۔

روپا نے قریب جا کر کہا۔

آنسوؤں سے تر چہرہ اٹھائے لاجونتی حسرت و یاس اور تشنہ آرزوؤں کا مرقد نظر آ رہی تھی۔

لیجیے۔

روپا نے قہوے کی پیالی قریب کر دی۔

وہ خاموش تکیے کا سہارا لے کر قہوہ پینے لگی، لیکن گرم گرم قہوہ بھی اس کو سکون نہ دے سکا، اس کی وحشت بڑھتی چلی گئی۔

دائرہ حیات تنگ نظر آ رہا تھا۔

محل میں اس کی لاش کو سرخ ریشمی جوڑا بطور کفن پہنا دیا جائے گا اور ہمیشہ کے لیے زمان کی غلام بن کر رہ جائے گی۔ وہ کبھی زمان کی نہیں ہو سکتی۔ وہ کندن کی ہے کسی اور کی نہیں ہو سکتی۔ وہ سسکتی رہی، تڑپتی رہی، مچلتی رہی۔

کندن ایک ایسا آسیب تھا جو اس کے سر سے کسی صورت میں نہیں اتر سکتا تھا۔ وہ دل سے کندن کی ہو چکی تھی۔ حالات کے دھارے اس کو بہا کر کہاں سے کہاں

لے گئے تھے۔ اس محبت کے ہاتھوں اس کا سب کچھ لٹ چکا تھا۔ اس کا سکون برباد ہو چکا تھا۔ اس کی حاکمیت تباہ ہو چکی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ کندن کو فراموش نہ کر سکتی تھی۔

حویلی سے محل تک ....

اس کو قیامت تک کا سفر کرنا پڑا، اس کا نحیف بدن ایسی صعوبتوں کا عادی لیکن اب اسے دکھ سہنے کی عادت ہو چکی تھی۔ روپا کے قریب بیٹھی وہ حسرت کا مجسمہ نظر آ رہی تھی گو جس خالہ کو زمان حویلی میں ہی چھوڑ آیا تھا لیکن جس کے نہ ہونے سے دکھ کم تو نہ ہو جائیں گے۔ وہ اس ماحول سے عاجز آ چکی

اسے کیا معلوم جس کے لیے وہ اس قدر تباہ ہو چکی تھی اس کی اس دنیا نے کیا حال بنا دی ہے۔ لاجونتی اس کے ذہن کے گوشے گوشے سے چمٹ گئی تھی۔ وہ ذہنی طور پر مجروح تھا۔ سارے ناطے توڑ چکا تھا۔ لٹ چکا تھا۔ اس کے جسم پر عرصہ دراز سے وہی خستہ حال تباہ حال شکستہ لباس جو اب اور بھی چیتھڑوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ برہنہ پاؤں خاک بالوں میں ڈالے وہ گلی گلی کوچہ کوچہ آوارہ پھرتا اور حسب عادت حویلی کے آہنی دروازے پر سر پھوڑتا۔ چیخ چیخ کر لاج لاج کہتا۔

اس کا گلا بیٹھ جاتا اور مداوا کرنے کوئی نہ آتا۔ گو محبت علی نے کئی بار ملازموں سے کندن کو دھکے بھی دلوائے لیکن جب چاروں طرف سے وہ باز نہ آیا تو اس نے ایک دن خود شکستہ حال کندن کو کہا۔

اے بھائی خدا کے لیے ہمیں تنگ نہ کرو، کیونکہ اپنی جان کے پیچھے پڑ گئے جس کو تم تلاش کر رہے ہو وہ یہاں نہیں ہے۔

محبت علی بھی خدا کے خوف سے لرز گیا تھا۔ اس شخص کی کیا حالت تھی۔

وہ کانپ اٹھا۔

وقت کا گھن چکر یوں ہی چلتا رہا۔

لمحوں نے روپ بدلا اور گھنٹوں میں تبدیل ہو گئے۔ دنوں نے مہینوں کی مالا بنائی اور پھر دھیرے دھیرے تین سال کا عرصہ گزر گیا۔

زمان نے لاجونتی کی مرضی کے خلاف بڑی دھوم دھام سے شادی کر لی تھی۔ وہ محل کی مالک بن چکی تھی۔ حسب دستور وہ نواب حیدر زمان کی بیوی اہل محل کی رانی ماں کہلانے لگی۔ ہر وقت اداس رہنے والی لاجونتی بظاہر مسکرا بھی نہ سکتی تھی۔ بناؤ سنگھار اس کے چہرے کی اداسی کو چھپا نہیں سکتا تھا۔ اس کو تین سال پیشتر نواب حیدر زمان کی سیج پر بٹھا دیا گیا تھا۔

لیکن کب تک۔

وہ اس ذہنی اذیت کا شکار رہتی۔ اس کا معصوم جسم اتنی تکلیفیں برداشت نہ کر سکا۔ کندن کی یاد تے گھن کی طرح اندر سے چاٹ لیا تھا۔ محل کے ان دریچوں میں جہاں سے وہ آیا کرتا تھا وہ پاگلوں کی طرح اس کو تکا کرتی۔ گھبرا کر وہ پردوں کو چوم لیتی لیکن اس کا کندن اس کو نہ مل سکا۔

وہ تین سال روئی۔

تڑپی۔

اور حالات سے بری طرح دوچار رہی۔

اور پھر زمان کی خوبصورت بچی کو جنم دے کر ہمیشہ ہمیشہ کی نیند سو گئی۔

محل میں کہرام مچ گیا۔ لاجونتی کی موت کا کس کو دکھ نہیں تھا۔ نواب حیدر زمان تو پاگل ہوا جا رہا تھا۔ آخر کیوں نہ ہوتا۔ اتنی حسین و جمیل بیوی اس کی ہو کر واپس لوٹ گئی۔ اس نے کتنے جتن کیے تھے۔ لاجونتی کو اپنا بنانے کے لیے۔

وہ تڑپا' رویا۔

دل کی بے چینی کو بری طرح بہلانے کی کوشش کی۔ اس کا دل بہلانے کے لیے امیروں وزیروں نے طرح طرح سے رقص و سرود کی محفلیں بھی منعقد کیں لیکن لاجونتی کو فراموش کر دینا بہت مشکل تھا۔ ایک دن اس کی اداسی دیکھ کر محل کے تمام اخراجات کے حساب رکھنے والے منشی مہرلال نواب صاحب کی خواب گاہ میں آئے۔

وہ اپنی عمر اور تجربے کی بنا پر احباب میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نواب صاحب بھی ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ اچانک ان کو خواب گاہ کا دروازہ کھٹکھٹاتے دیکھ کر ایک دم وہ اٹھ بیٹھے۔

آیئے آیئے' منشی جی رک کیوں گئے؟

نواب حیدر زمان پلنگ پر ٹیک لگا کر بولے۔

آداب۔

منشی مہرلال نے مودب سلام عرض کیا۔

شکریہ' بیٹھے۔

نواب حیدر زمان نے باادب نظریں جیسے ان کی راہ میں پھیلا دیں۔

اب طبیعت کیسی ہے جناب کی۔

ٹھیک ہوں۔

نواب حیدر زمان نے بظاہر مسکرا کر کہا لیکن ان کے الفاظ کا چھپا درد صاف عیاں تھا۔

میں ایک گزارش کے لیے حاضر ہوا تھا۔

منشی مہرلال نے تمہید باندھتے ہوئے کہا۔

فرمایئے۔

نواب حیدر زمان نے سیدھی طرح بیٹھ کر منشی مہرلال کو بولنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا۔

میں کچھ عرض کروں' اگر حضور کی طبع نازک پر گراں نہ گزرے تو۔

منشی مہرلال نے اجازت طلب کی۔ وہ اس خاندان کے رعب و جلال سے اچھی طرح واقف تھے۔

کہئے کہئے۔

ہم چاہتے ہیں آپ شادی کر لیں۔ منشی لال ذرا جھجک کر بولے۔

جی۔

نواب حیدر زمان کو کوئی مطلق حیرت نہ ہوئی۔ وہ صرف اس وقت انہونی سی

بات محسوس کر رہا تھا کیونکہ ابھی تو لاجونتی کے انتقال کو چند دن بھی نہ ہوئے تھے۔ ویسے کئی کئی شادیاں تو ان کے نوابی خاندان کی عظمت کا نشان سمجھی جاتی تھیں۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں منشی جی۔

زمان نے چونک کر کہا۔

میں درست کہہ رہا ہوں نواب صاحب' ہمیں آپ کی اداسی دیکھنا بہت محال ہے۔ اگر آپ یوں ہی کونے میں اداس مضطرب پڑے رہے تو حکومت کے کام کون سنبھالے گا۔

منشی مہرلال اب کھل کر بولنے لگے تھے۔

آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ابھی تو ملکہ کو رخصت ہوئے صرف تین دن ہوئے ہیں۔

زمان نے جیسے منشی مہرلال کو یقین دلایا۔

ہمیں معلوم ہے لیکن آپ کو چہلم کے بعد اس مشورے پر عمل ضرور کرنا ہو گا۔

منشی مہرلال ایک دم کھڑے ہو گئے۔

ہوں۔ نواب حیدر زمان بھلا کب ساری زندگی ایک ہی بیوی کے ہجر میں تڑپ کر گزار سکتا تھا۔ لاجونتی زندہ ہوتی تو شاید وہ کبھی اور شادی نہ کرتا لیکن اب تو اس کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

منشی مہرلال تو چلے گئے۔

اور' وہ ایسی ہزار سوچوں میں مستغرق ہو گیا۔

وہ چونک گیا۔ اس کو اپنی تنہائیوں کا ساتھی چن لینا چاہیے۔

اچانک اس کے دماغ میں کھلبلی سی مچ گئی۔

☆



جن کی تقدیر میں خزاں لکھ دی گئی ہو وہاں بہار مانگنے سے بھی نہیں ملتی۔ ایسی ہی حالت کندن کی تھی۔ تین چار دن حویلی کی چوکھٹ پر سر پٹخ کر جب لاجونتی نے اس کی آہ و زاری نہ سنی تو واپس محل کی جانب چل دیا۔ طویل راستہ کبھی پیدل کبھی کسی قافلے کے گھوڑے پر کبھی کسی حال میں کبھی کسی حال میں تڑپ تڑپ کر وہ محل میں لاجونتی کو ملنے چل دیا۔ شہر میں مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔ وہ شہر میں مارا مارا پھرنے لگا۔ آج تو خدا بھی روکے تو میں نہیں رکوں گا .... آج لاجونتی سے ضرور ملاقات ہو گی۔ وہ دیوانہ وار شہر کی چوڑی وسیع و عریض سڑکوں پر مارا مارا پھر رہا تھا کہ اچانک بہت سے لوگوں کا ہجوم دیکھ کر وہ رکا۔

لوگ کیا کہہ رہے ہیں۔ شہر میں سناٹا کیسا ہے؟

اس کے دیوانے پن نے کام کیا اور آنکھیں پھاڑے وہ ایک درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔

بیچاری لاجونتی ایک بچی کو چھوڑ گئی۔

ایک آدمی نے ازراہ افسوس کہا۔

بچی؟

ارے یار تمہیں معلوم نہیں نواب حیدر زمان نے تین سال قبل لاجونتی سے شادی کر لی تھی۔

پہلے آدمی نے بلند آواز سے کہا۔

کندن کے کان کھڑے ہو گئے' وہ آدمیوں کے قریب چلا آیا۔

بھائیو' لاجونتی کو کیا ہو گیا ہے۔

اس کی آواز میں ایک کرب پوشیدہ تھا۔

ہیں' وہ مرگئی' اسے تو انتقال کیے آٹھ دن ہو گئے ہیں۔

ایک آدمی نے چونک کر کہا۔

لاجونتی مرگئی۔

کندن کا دل رک سا گیا۔

ہاں بیچاری ایک معصوم بچی کو جنم دے کر اسی دن انتقال کر گئی تھی۔

مجمع میں سے ایک آدمی نے مغموم لہجے میں کہا۔

اچھا۔

کندن کے حواس پر بجلی سی گری۔ وہ تڑپا۔ اس نے سینہ پیٹ لیا۔

لاجو۔

وہ پوری طاقت سے گرجا' اس کی دردناک آواز سے کائنات ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئی۔ محل والوں کا سکون لٹ گیا۔ پورا شہر اس کی تڑپ سے لرز گیا۔ کندن کے دماغ پر جیسے زلزلہ آگیا۔ اس کے دماغ کی عمارت دھڑام سے گر چکی تھی۔ وہ بری طرح رو دیا۔ وہ محل کی جانب بھاگ گیا۔

لاج' اب میں تمہیں کبھی نہ دیکھ سکوں گا۔

وہ دیوانہ محل کے ایک اداس ویران کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ذہن کی سلیٹ پر تو محل کی ایک ایک اینٹ کا نقشہ کندہ تھا اور وہ وقت گزر جانے کا منتظر تھا۔ وقت آہستہ آہستہ گزر گیا۔

اس وقت شب کے بارہ بجے تھے۔ آمدورفت ختم ہو چکی تھی۔ محل اب زیادہ تر سنسان ہی رہنے لگا تھا۔ پہرے داروں کو بھی اب اطمینان ہو چکا تھا کہ اب یہاں کوئی کندن نہیں آئے گا۔ جب کندن والی ہی نہ رہی تو کندن آ کر کیا کرے گا۔ اسی لیے وہ سرشام ہی سر جوڑ کر گپیں ہانکنا شروع کر دیتے۔ چاروں جانب ماحول کو پرسکوت دیکھ کر کندن اٹھا اور سیدھا مخصوص راستوں سے ہوتا ہوا لاجونتی کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا۔

چند ثانیے اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے خواب گاہ کو بغور دیکھا۔ لاجونتی کی سفید مسہری جوں کی توں رکھی تھی۔ کمرے کی ہر چیز یوں ہی تھی۔ دیواروں پر خوبصورت آرائشی سامان بھی لاجونتی کے وقت کا آویزاں تھا لیکن ..... اس کے دل سے ہوک سی اٹھی۔

دونوں ہاتھوں سے کندن نے بہتے آنسوؤں کو صاف کیا اور دبے قدموں بغیر آہٹ کے لاجونتی کی مسہری کی طرف بڑھ گیا۔

لاجونتی۔

مسہری کے نرم و گداز بستر پر لاجونتی کی معصوم بچی حسن و خوبصورتی کا پیکر لیٹی ہوئی تھی۔ آٹھ دن کی خوبصورت سمن ابھی سے ماں کی تصویر تھی۔

لاج' تجھے مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

کندن نے گرم گرم کمبل میں لپٹی ہوئی سمن کو اٹھایا اور ایک طویل بوسہ اس کی خوبصورت نرم پیشانی پر ثبت کر دیا۔ جوش محبت سے مغلوب ہو کر اسی طرح سمن کو سینے کے ساتھ لگا لیا۔

وہ سمن کو چرا کر لے جانا چاہتا تھا۔

میں تجھے لے جاؤں گا' تو میری لاج ہے۔

کندن نے ایک ہاتھ کی گرفت سمن پر مضبوط کر کے دوسرے ہاتھ سے زینہ اترنے لگا۔ بالکونی سے اتر کر وہ بارہ دری میں آگیا پھر پہرے داروں سے بچتا بچاتا گیٹ کی جانب بڑھا۔

کون ہے بے۔

ایک سایہ سا حرکت کرتا دیکھ کر پہرے دار نے اونگھتے ہوئے سر اٹھایا اور پھر سر گھٹنوں میں دے کر سو گیا۔ آہنی گیٹ کو پھلانگ کر باہر جانا اس کے لیے بہت مشکل تھا لیکن دیوانہ جوش میں آ چکا تھا۔ ایک ہاتھ سے وہ بڑی بڑی لوہے کی سلاخیں سیڑھیوں کی طرح چڑھنے لگا۔ گیٹ پر چڑھ کے اس نے اترنے کی بجائے چھلانگ ہی لگا دی۔

چھلانگ لگاتے ہی جب زور سے جھٹکا لگا تو سمن ایک دم سوئی ہوئی بیدار ہو

گئی۔ وہ چلا چلا کر رونے لگی۔

کندن نے اپنی پرواہ کیے بغیر اپنے رخسار کو سمن کے ہونٹوں پر رکھا اور بھاگنے کی رفتار تیز کر دی۔

بچے کے رونے کی آواز سن کر پہرے دار ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

ہیں' بچہ' کون ہے اس وقت۔

وہ ادھر ادھر تاریکی میں گھورنے لگا۔

چلو دفعان کرو' وہمہ ہے میرا۔

پہرے دار نے چکر لگایا اور دوسرے پہرے داروں کے پاس چلا گیا۔

وہ شب کے سناٹے میں ویران سڑکیں برق رفتاری سے عبور کرتا ہوا اپنی جھونپڑی میں داخل ہوا اور عین اس وقت سمن کی آیا ایک دم بیدار ہوئی کیونکہ اس وقت سمن کے دودھ پینے کا وقت تھا۔

سمن شہزادی۔

بے ساختہ جو پردا اٹھا تو اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ چند ثانئے وہ حواس باختہ سی کھڑی رہی۔ دریچے تو سب ہی بند تھے۔

سمن۔

وہ گھبرا کر بری طرح چیخی۔ شہزادی کہاں چلی گئی۔ آیا نے پاگلوں کی طرح چاروں طرف دیکھ ڈالا۔

سمن۔

وہ نواب صاحب کے اور اردگرد کے خوف و دہشت سے نیم پاگل سی ہو چکی تھی۔ وہ دیوانوں کی طرح سمن سمن پکارتی سارے محل میں وحشت زدہ بھاگی پھر رہی تھی۔ پلک جھپکتے ہی اہل محل بیدار ہو چکے تھے۔ نواب حیدر زمان دیوانہ وار بھوکے چیتے کی مانند آیا کی جانب بڑھے۔

کہاں ہے ہماری سمن' ہمیں تلاش کر کے دو ورنہ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

وہ چیخے' گرجے تڑپے' اور اس کے ساتھ ہی آیا کو سزائے موت کا حکم دے دیا گیا۔ لیکن آیا نے اس اذیت ناک موت کو گلے لگانے سے پہلے ہی اس وقت محل کی چھت سے چھلانگ لگا کر دم توڑ دیا۔ وہ اس خاندان کے عتاب کو اچھی طرح جانتی تھی ۔ نواب حیدر زمان اس گناہ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

نہ جانے کیوں وہ لاجونتی کو خاصا بھول جانے کی سعی رکھتے تھے لیکن سمن کی یاد بری طرح تڑپا رہی تھی۔ ان کا سکون لٹ چکا تھا۔ اس اضطراب سے تنگ آ کر نواب حیدر زمان نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ پریم نگر میں جاؤ اور کندن یا اس کے کوئی رشتہ دار کو جہاں بھی ہو قتل کر دو۔

عالم پناہ' اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔

ہوں۔

نواب حیدر زمان نے آنکھیں اٹھا کر تجربہ کار منشی جی کو دیکھا۔

سرکار ہم یہ مانتے ہیں کہ وہ شخص ایک عرصے سے اس محل کے سکون کو لوٹ رہا تھا۔ لیکن اب جب کہ ملکہ انتقال کر چکی ہیں ایسے میں بچی کو اغوا کرنے کا مقصد؟

منشی جی' آپ نہیں جانتے' وہ ہمیں ہر حال میں اذیت دے سکتا ہے۔

نواب حیدر زمان بیٹی کی گمشدگی پر پوری طرح درندگی پر اتر آئے تھے۔ اگر ان کے سامنے اس وقت کندن کو پیش کیا جاتا تو وہ اس کی ہڈیاں کتوں کو ڈال دیتے لیکن ان کے ہاتھ میں کچھ نہ آیا۔ بستی میں خوف و دہشت کی خاصی فضا پیدا کر دی گئی تھی لیکن وہاں سے کچھ بھی نہ ملا۔ صرف کندن کے خستہ حال مکان کو پوری طرح دیکھ لینے کے بعد مسمار کر دیا گیا تھا۔

جب چاروں جانب سے مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا تو نواب حیدر زمان نے قیمتی انعام مقرر کر دیا۔

لیکن ...

کچھ بھی نہ ہو سکا۔

کندن سمن کو وہاں سے بھی کسی انجانی جگہ پر لے گیا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارے پر یہاں کسی اکا دکا نفوس کا ہی گزر ہوتا۔ کندن نے نواب کے خوف سے جھونپڑی کو گھنے درختوں کی چھاؤں میں اس طرح بنایا کہ کوئی دریا پر اس کو تلاش نہ

کر سکتا تھا۔ وہ دریا کے اس پار عشق کی انمول نشانی کو خون جگر پلا کر پروان چڑھاتا رہا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا وہ لاجونتی کے وجود کو سمن کے وجود میں تلاش کرتا رہا اور ایک دن ایسا آیا کہ وہ تڑپ اٹھا۔ جب معصوم سمن نے بیدار ہو کر بانہیں اس کی جانب پھیلا دیں۔

لاج، میری لاج ...

کندن نے بے ساختہ سمن کو سینے کے ساتھ بھینچ لیا اور محبت کے کئی نشان اس کی خوبصورت پیشانی پر ثبت کر دیے۔

میری لاج
میری روح
میری انجانی راہوں کی منزل
اندھیروں کی ساتھی

وہ مسکرایا، اور گہری نظروں سے حسن کے اس پیکر کو دیکھتا رہ گیا جو معصوم بچپن میں بھی اپنی ماں کی تصویر تھی۔

☆



چودھویں کی ہزاروں راتیں دودھیا چاندنی کائنات پر بکھیر کر بیت چکی تھیں۔ دردوکرب میں لپٹی نہ جانے کتنی موجیں ساحل دریا سے لپٹ لپٹ کر زمانے کی بے اتفاقی پر آنسو بہاتی ہوں گی۔ نہ جانے کتنے ستاروں کا خون ہوا ہو گا۔ بار خزاں نے کتنے معصوم پھولوں کا خون چوس لیا ہو گا۔ موسم بہار کتنے گلشن سجا گئی ہو گی۔ یہاں کسی کو بھی قرار نہیں۔ کائنات کی کسی چیز کو بھی ثبات حاصل نہیں۔ وقت کا دھارا سب کو بہا کر لے گیا۔ جھونپڑی سے لے کر محل تک سب غم دوراں سے بے نیاز آنے والی خوشیوں سے سرشار کائنات کے ہنگاموں میں گم ہو چکے تھے۔ گو نواب حیدر زمان نے لاجونتی کے فورا" بعد ایک خوبصورت عورت سے شادی کر لی تھی۔ اس کے بطن سے ایک لڑکا بھی تھا لیکن وہ اکثر ایک احساس کرب میں مبتلا رہتا جس کی تلافی آج تک نہ ہو سکی تھی۔ اس کی نگاہیں ہر وقت اپنے مجرم کی تلاش کرتی رہتیں تھیں۔ مگر بے سود، ویسے وہ محل کی گہما گہمیوں میں ماضی کو کافی حد تک فراموش کر چکے تھے۔ لیکن سمن کی یاد ایسی نہ تھی کہ جو فراموش کی جا سکتی۔ پھر بھی نواب حیدر زمان اپنے بیٹے کی صورت دیکھ کر کچھ کچھ تو گزشتہ غموں کا مداوا کر ہی لیتے تھے۔

محل کے خوبصورت گوشے میں کرسیاں بچھی تھیں۔ اس وقت سہ پہر کے پانچ بج چکے تھے۔ نواب حیدر زمان آرام کرسی پر نیم دراز بیٹھے تھے۔ ان کی نظریں سامنے دور باغ کے کونے میں شہباز اور اٹھارہ سالہ زبیدہ پر تھیں۔ زبیدہ بالکل سمن کی ہم عمر تھی۔ زبیدہ رشتہ میں نواب حیدر زمان کی ماموں زاد تھی۔ بچپن سے ہی

انہوں نے زبیدہ کو شہباز کے لیے مانگ لیا تھا۔ شہباز ان کی اکلوتی اولاد تھا۔ وہ دل و جان سے شہباز کو چاہتے تھے اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تخت کا وارث دے دیا تھا۔ کاش ان کی بیٹی سمن بھی ہوتی۔

کیا سوچ رہے ہیں آپ۔

ملکہ زاہرہ کے انداز میں تذبذب کا عنصر غالب تھا۔

ہوں، کچھ نہیں۔

نواب حیدر زمان چونک گئے۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔

ملکہ زاہرہ نے دل بہلانے کی خاطر کہا۔

نواب حیدر زمان ملکہ کی بذلہ سنجی پر بے ساختہ مسکرا دیے۔

ملکہ زاہرہ بھی ہنس دیں۔

میں سوچ رہا ہوں، آج سمن ہوتی تو زبیدہ کی طرح ہوتی۔

یہ الفاظ کہتے ہوئے ان کا لہجہ زبردست افسردگی سے بھرپور تھا۔

جی ہاں، ویسے زبیدہ کیا ہے، سنا ہے لاجونتی بہت حسین تھی۔

ملکہ زاہرہ سادگی سے گویا ہوئیں۔

بالکل، تم نے لاجونتی کے کمرے میں اس کی قد آور تصویر نہیں دیکھی۔

نواب صاحب نے ملکہ زاہرہ کی توجہ لاجونتی کی جانب دلانا چاہی۔

دیکھی ہے۔

لیکن لاجونتی تصویر سے بھی حسین تھی۔ اس پر سمن، مجھے تو پیدائش کے وقت ہی وہ ماں کا عکس نظر آ رہی تھی۔

نواب صاحب نے سر کو کرسی کی پشت پر گرا دیا۔

نہ جانے کون سمن کو لے گیا۔

لیکن نواب حیدر خاموش آنکھیں بند کیے نیم دراز رہے۔

معلوم نہیں، سمن، میری بچی تو کہاں ہو گی۔

ان کے دل سے آہ نکلی اور وہ بے چین آنکھیں بند کیے اسی سوچ میں مستغرق

رہے۔ انہیں کیا معلوم محل میں جنم لینے والا انمول پھول جنگل کی ویرانی میں پل کر پروان چڑھ چکا ہے۔

بابا۔

معصوم بھولی بھالی ہو بہو لاجونتی کی تصویر جو اب بچپن سے ہی لاج کے نام سے منسوب تھی۔

کندن، صحن میں آتے ہی ایک دم چونکا۔

جان کندن۔

کندن نے محبت پاش نظریں لاج کے معصوم حسن پر ڈالیں جو چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جنگل سے چن لائی تھی اور جھونپڑی کے صحن میں چھپکتے کندن کی طرف بڑھی۔

کندن نے بازو پھیلا دیے۔

ساری اوڑھنی پھٹ گئی ہے، میں اب یہ نہیں لوں گا ہاں۔

لاج نے بڑی سادگی سے اوڑھنی کو کندن کے سامنے پھیلاتے ہوئے کہا۔

کندن نے محبت سے لاج کے الجھے بالوں کو سلجھایا اور بستر کی طرف بڑھ گیا۔

شام کے دھندلے سائے بڑھ رہے تھے۔

بابا چائے بناؤں۔

وہ بچوں کی طرح معصومانہ انداز میں کندن کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر بولی۔

ضرور۔

کندن نے سترہ سال پہلے والی نظروں سے دیکھا۔ وہ واقعی لاجونتی تھی۔ اس کے چہرے کا ایک ایک خط لاجونتی کی عکاسی کرتا تھا، بالکل وہ لاجونتی کی تصویر تھی۔ یہی وجہ تھی وہ دنیا کی نظروں سے اس کو چھپانا چاہتا تھا۔ اللہ کے کرم سے اس نے جھونپڑی ہی ایسی جگہ بنا لی تھی جہاں سے آنے جانے والوں کی نظریں ہی کم جاتی تھیں۔ وہ صبح سویرے دریا پر چلا جاتا اور کشتی میں سواریاں بٹھا کر دوسرے کنارے پر لے جاتا۔ بس اس کی یہ مزدوری تھی۔ یہ سترہ برس ایک بڑھیا اسے دے گئی تھی

جب وہ سمن کو دنیا سے چرا کر یہاں لایا تھا۔

اماں اماں' خدا کے لیے مجھے یہاں رہنے کی جگہ دے دو۔

دیوانے' یہ کیا لے آئے ہو۔

بوڑھی عورت منہ میں نوالہ ڈالتے ہوئے گھبرا کر بولی۔

بچہ۔

کس کا بچہ' کس ماں کی گود اجاڑ کے آئے ہو' واپس چلے جاؤ۔ تمہیں ایک سال سے یہاں رکھ چھوڑا تھا لیکن اب اس بچے کی آہ نہیں لوں گی۔

بوڑھی عورت نے بری طرح اس کو دھکیلا۔

کندن نے تڑپ کر خونخوار نظروں سے عورت کو دیکھا۔

تمہیں کیسے سمجھاؤں' میں نے کسی ماں کی گود نہیں اجاڑی۔

کندن کے الفاظ دردوکرب میں ڈوبے ہوئے تھے۔

بیٹا۔

بوڑھی عورت نے دیے کی روشنی کندن کے چہرے پر ڈالی۔

تم رو رہے ہو۔ اس نے کندن کے ویران اداس رخساروں پر آنسوؤں کے لاتعداد نشان دیکھ لیے تھے۔

پھر یہ بچہ کس کا ہے۔

عورت نرمی سے بولی۔

میرا' میری لاجونتی کا' اگر تو مجھے یہاں سے نکال دے گی تو میں کہیں اور...

بابا' کیا کر رہے ہو۔

ہنستے ہوئے لاج نے کندن کے شانے جھنجھوڑ ڈالے۔

وہ دفعتاً" چونک گیا۔ اس پر اس کو اپنی دیوانگی کا خود احساس ہو گیا کہ وہ ماضی کے خوفناک سایوں میں کس قدر کھو گیا تھا کہ اس کو یہ بھی ہوش نہ رہی کہ لاج کب سے چائے کا پیالہ لیے کھڑی تھی۔

کہاں چلے جاتے ہو۔

ہیں بھی نہیں' تو نے چائے پی۔

وہ نظریں چراتا ہوا لاج سے بولا۔

نہیں۔

وہ پھر ہنس دی۔

ہنسو' خدا کرے تو ہمیشہ خوش رہے۔

کندن نے چائے کا گھونٹ لیتے لاج کو دل سے دعا دی۔

اور وہ مسکراتی ہوئی اپنی چائے بھی کندن کے پاس لے آئی۔

بابا' ایک بات پوچھوں۔

لاج نے حیرت سے کہا۔

پوچھو۔

کندن نے ایک دم لاج کے چہرے کو دیکھا۔ اس کو یوں احساس ہوا کہ جیسے وہ سوالات کی بوچھاڑ کر دے گی۔

سچ سچ بتانا' تم کیا سوچنے لگتے ہو۔

لاج نے جھک کر کہا' اس کا بچپنا بھلا کب رخصت ہوا تھا۔

تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔

کندن نے جان چھڑانا چاہی۔

میرے بارے میں۔

لاج نے حیران نظروں سے دیکھا۔

دنیا تمہیں مجھ سے چھین لینا چاہتی ہے۔ اگر میں زندہ نہ رہوں تو تمہارا کیا بنے گا۔

کندن کی نگاہیں دردوکرب سے سرخی مائل ہو گئیں۔

میں تمہاے بعد زندہ رہ ہی نہیں سکتی بابا۔

لاج نے کندن کی گردن میں بازو حمائل کر دیے۔

لاجو' میری زندگی۔

کندن نے پھول سی پاکیزہ لاج کو سینے سے لگا لیا۔

میں تمہیں چھوڑ کر مرنا بھی نہیں چاہتا۔ جب تک تم زندہ رہو گی موت میرے

قریب نہیں آ سکتی۔

کندن نے لاج کے دراز ریشمی بالوں میں منہ چھپا لیا۔

بابا۔

لاج نے نظریں اٹھائیں۔ اس کا سینہ پھٹ گیا۔ ہاتھ بڑھا کر حسب عادت کندن کے آنسو صاف کر دیے۔

نہ رویا کرو بابا' میں تمہارے آنسو بھی نہیں دیکھ سکتی۔

لاج عاجزانہ لہجے میں بولی۔

اور کندن مسکرا دیا۔

ایک تو ہی تو ہے میرے درد کا درماں۔

کندن نے محبت آمیز نظریں لاج کے چہرے پر ڈالیں اور خاموش اس کے ریشمی بالوں کو سنوارتا رہا اور وہ اس کی پرسکون گود میں آنکھیں موندے دبی رہی۔

رات یوں ہی بیت گئی۔ وہ کندن کی گود میں سوئی رہی اور وہ یوں ہی اس کے بال سلجھاتا رہا۔ ساری رات کندن نے آنکھوں میں کاٹ دی لیکن وہ خود سونے کے لیے لاج کو بیدار کرنا نہ چاہتا تھا۔ اسے ذرہ بھر بھی اس کی تکلیف گوارہ نہ تھی۔ اسے نیند پیاری ہی کب تھی۔ وہ تو لاج کے سہارے زندہ تھا۔ وہی اس کا سکون اس کا قرار تھا۔ ایک دم کندن نے نگاہیں اٹھائیں۔

سحر کی ملگجی سی روشنی جھونپڑی کو روشن کرنے گھس آئی تھی۔

لاج' لاجو۔

محبت پاش نظروں سے دیکھتے ہوئے کندن نے لاج کے رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔

لیکن اس کے وجود پر کوئی حرکت پیدا نہ ہوئی۔

وہ مسکرایا۔

لاجو' اٹھو میری جان' سحر ہو گئی۔

وہ آہستہ سے پکارا۔

ہوں' سونے دو بابا۔

وہ کسمسا کر پھر گہری نیند سو گئی۔

وہ ہنس دیا' آج پھر سے وہ ہی ننھی منی سی لاج نظر آئی جو ساری ساری رات اس کے سینے پر سویا کرتی تھی۔

اٹھنا نہیں' دیکھو کتنا دن نکل آیا۔

ہائے اللہ' بابا تم سویرے سویرے ہی دن نکال دیتے ہو۔

وہ اپنے چہرے کو کندن کی پسلی میں گھسیٹتی ہوئی پھر سو گئی۔

اس کی معصومانہ اور سادگی سے لبریز بات پر وہ کھل کھلا کر ہنس دیا۔

پگلی۔

بابا۔

اچانک لاج نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔

اٹھو میرے چاند' صبح ہو گئی' اٹھو شاباش۔

کندن نے پچکارتے ہوئے اسے اٹھایا۔

بابا۔

لاج نے تذبذب کے عالم میں نگاہیں کندن کے بستر پر گھمائیں۔

تم سوئے نہیں۔

وہ حیران رہ گئی' وہ گزشتہ رات کا منظر آنکھوں میں لیے کندن کو تکتی رہی۔

اسے کندن کے چہرے پر فرشتوں کا سا گمان ہونے لگا۔

بابا۔

لاج بے ساختہ کندن سے لپٹ گئی۔

کیا بات ہے۔

کندن نے محبت و پیار سے لاج کو ساتھ لگا لیا۔

چلو نماز پڑھ لو۔

وہ پیار سے اسے تھپتھپاتے بولا۔

اور وہ آہستہ سے جھونپڑی کے باہر منہ دھونے جھرنے پر چلی گئی۔

چائے ناشتے سے فارغ ہو کر کندن دریا کی جانب بڑھ گیا۔

اور لاج' گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

لاجو۔

وہ دروازے کی جانب جاتے جاتے بولا۔

لاج نے جھاڑو زمین پر رکھتے پلٹ کر دیکھا۔

بکری لے کر پہاڑوں سے پرے نہ جانا۔

کندن نے حسب معمول اسے پھر تاکید کی۔

اچھا' بابا' نہیں جاتی۔

وہ ہنس دی اور کندن اسے دیکھتا ہوا چل دیا۔

کام کاج سے فارغ ہو کر وہ بکری اور اس کے بچے کو لے کر پہاڑ کے دامن طرف چل دی۔

وہ ارد گرد سے بے نیاز درختوں سے ترش بوٹی توڑ کر کھاتی جاتی اور ایک باریک چھڑی سے بکری اور بچے کو ہانکتی بھی جاتی۔

ہائے اللہ۔

وہ ایک دم تڑپ کر پیچھے اچھلی' عین اس کے قدموں میں سفید خوبصورت مرغابی نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

لاج کا دل دھک سے رہ گیا۔

چونک کر لاج نے بڑی بڑی آنکھیں اٹھائیں۔

ایک نوجوان ڈھیلے ڈھالے لباس میں ملبوس بھاری بندوق کاندھے پر لٹکائے اس کے سامنے کھڑا تھا۔

تم نے اس کو مارا ہے۔

لاج کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

ہاں۔

نوجوان کا اچانک سکتہ ٹوٹا۔

اس صحرا میں اس قدر لازوال حسن' وہ تو اس علاقے ہی کی پروردہ تھی صحرا کی حور ہو یا آسمان سے اتر آئی ہو۔ اس کی بڑی بڑی خمار آگیں آنکھیں قیامت ڈھا رہی تھیں۔

تم کون ہو۔

نوجوان نے چونک کر اس کے سفید ملائم رخساروں کو دیکھ کر کہا۔

لیکن لاج ہنسی ضبط نہ کر سکی۔ وہ عجیب عجیب نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

تو کون ہے۔

لاج نے برجستہ کہا۔

میں تو انسان ہوں۔

نوجوان نے حیران حیران نظریں اس کے وجود پر ڈال دیں۔

تو میں تمہیں کوئی بھوت نظر آ رہی ہوں۔

لاج حسب عادت ہوں پر پورا زور ڈال کر بولی۔

نہیں تو' تو بھوت نہیں' ویسے اس صحرا میں انسان کا وجود میں نے آج پہلی بار دیکھا۔

نوجوان نے دور سامنے اس کی جھونپڑی دیکھ کر کہا۔

اے بابو' زیادہ باتیں نہ بنا' میں تیری باتوں میں آنے والی نہیں۔

نوجوان نے جھک کر لاج کے قدموں سے مرغابی اٹھا لی۔

بابو۔

ہاں۔

نوجوان اس کے بالکل قریب ہو گیا لیکن وہ معصوم ایسی باتوں کا مطلب نہ سمجھتی تھی۔

جانوروں کو مار کر تجھے کیا ملتا ہے۔

وہ بڑے دکھ سے بولی۔

اور تجھے انسانوں کو مار کر کیا ملتا ہے۔

نوجوان برجستہ جواب دے کر بولا۔

انسانوں' اے واہ' میں تمہاری طرح ظالم نہیں' اور نہ ہی خون کرتی ہوں کسی کا۔

لاج نے ہاتھ بڑھا کر مرغابی کے پیٹ سے خون صاف کیا۔

تو تو دنیا کی لگتی ہی نہیں' آسمان سے آئی ہے کیا۔

وہ خود ہی بڑبڑایا۔

ہیں' کیا ہے۔

وہ غصے سے تلخ ہو گئی۔

ارے نہیں تو' میرا مطلب کہ یہاں ویرانے میں کیوں رہتی ہے۔

نوجوان کو بے حد تشویش ہو رہی تھی۔

ویرانے میں' اپنے بابا کے ساتھ رہتی ہوں لیکن تو کیوں پوچھ رہا ہے۔

لاج نے حیران ہو کر کہا۔

اس لیے کہ تجھے تو محلوں میں رہنا چاہئے۔

نوجوان نے تکلفانہ لہجے میں کہا۔

ابے جا' میں تیرے محلوں کو کیا سمجھتی ہوں۔ یہ جھونپڑی ہی میرا محل ہے۔

وہ بڑے دلربائی انداز میں مسکرائی اور بکریاں لے کر آگے کو نکل گئی۔

وہ عالم وارفتگی میں دم بخود لاج کی پشت کو دیکھتا رہ گیا۔ نوجوان اس کافر حسن کو دیکھ کر دل کھو چکا تھا۔ اس کا انداز والہانہ دیکھنے والے کو احساس دلا سکتا تھا کہ یہ نوجوان اس کافر حسینہ پر مر چکا ہے لیکن وہ ہر قسم کے احساس وجذبات سے عاری تھی۔ وہ اس ویرانے کی پروردہ پیار محبت کے جذبات نہ سمجھتی تھی۔

نوجوان نے چند لمحے سوچا پھر آہستہ آہستہ لاج کے تعاقب میں چل دیا کیونکہ وہ بہت آگے نکل چکی تھی۔ ہرن کی طرح اونچے نیچے پتھروں کو پھلانگتی وہ بہت دور جا چکی تھی۔ وہ درختوں کی ٹہنیوں سے کھیلتی جب پیچھے رہ جاتی تو بکری آگے جا کر واپس پلٹ کر دیکھتی اور پھر مم کی آواز نکالتی جیسے وہ اپنی زبان میں لاج کو پکار رہی تھی۔

نوجوان تیز رفتاری سے اب اس کے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

جانور بھی تم سے کتنا پیار کرتے ہیں۔

نوجوان اس کے ہمرکاب ہوتے بولا۔

وہ ایک دم اچھلی۔

اوہو' تم پھر آ گئے' جاؤ اپنے گھر' تمہارا بابا تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔

وہ بڑی معصومیت سے نوجوان پر ترس کھانے لگی۔

تمہارا بابا تمہیں کچھ کہتا ہے۔

نوجوان اب اس سے گھل مل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

ہاں تو' میں ایک لمحہ بھی نظر نہ آؤں تو وہ اداس ہو جاتا ہے۔

لاج نے دور دریا کے کنارے کی طرف دیکھا لیکن درختوں اور گھنی جھاڑیوں میں وہ کندن کو نہ دیکھ سکی۔

میرا کوئی بابا نہیں۔

نوجوان ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے بولا۔

تو پھر کون ہے تمہارا۔

وہ دفعتاً" بولی۔

ماں ہے۔

نوجوان اداس ہو گیا۔

ماں' وہ کیا ہوتی ہے۔

معصوم لاج آج پہلی بار ماں کا لفظ سن کر چونک سی گئی۔

تمہیں نہیں معلوم ماں کیا ہوتی ہے۔

نوجوان دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔

نہیں تو' مجھے تو آج معلوم ہوا کہ کوئی ماں بھی ہوتی ہے۔

وہ بچپنے کی معصوم حرکت کے ساتھ ایک پتھر پر چڑھی پھر کود کر بیٹھ گئی۔

تم بھی بیٹھ جاؤ' میں تھک گئی ہوں۔

لاج سامنے بکریاں گھاس چرتے دیکھ کر بولی۔

نوجوان اس کے قریب ہی ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

اچھا' بابو' بتاؤ نا ماں کیا ہوتی ہے۔

ماں' جو پیدا کرتی ہے' پالتی ہے' بچے کو جوان کرتی ہے۔

لیکن نوجوان نے چونک کر بے ساختہ لاج کی طرف دیکھا۔ وہ کھل کھلا کر ہ دی۔= ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا تھا۔

یہ بھی کوئی ہنسنے والی بات ہے۔

نوجوان نے کہا۔

تو اور کیا' یہ سب کام بابا کرتا ہے' میرا بابا' ہاں' وہ بڑے وثوق سے دایاں ہا سینے پر تھپک کر بولی۔

اس کی بات سن کر نوجوان نے قہقہہ لگایا۔

آہستہ ہنسو' سارے جنگل میں تمہاری آواز گونج رہی ہے۔

لاج نے جلدی سے نوجوان کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

تو کیا ہے' یہاں پابندی ہے۔ لیکن شبنم کی طرح پاکیزہ لاج آہستہ سے ہاتھ چھڑ کر بولی۔

پابندی تو نہیں' لیکن میرا بابا سن لے گا تو تمہیں جان سے مار دے گا۔

لاج نے سہم کر کہا۔

وہ کیوں۔

نوجوان جھکتے ہوئے محبت پاش نظریں لاج کے چہرے پر ڈال کر بولا۔

تم تو آدمی ہو' وہ تو کسی عورت سے بھی مجھے نہیں ملنے دیتا۔

لاج دوپٹے کے کونے کو مروڑتے ہوئے بولی۔

اچھا' اس کی کوئی وجہ تو ہو گی۔

نوجوان نے اچھا کہنے کے بعد آخری جملہ منہ میں بڑبڑایا۔

کیا' ایک تو تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں' کبھی آہستہ بولتے ہو تو کبھی بہت بلند۔

وہ ہاتھوں سے اشارے بناتے ہوئے بولی۔

نوجوان خاموش اسے گھورتا رہا۔

اچھا اب میں جاؤں۔

لاج ایک دم اٹھی۔

تو جا رہی ہے۔

نوجوان کا دل دھک سے رہ گیا جیسے کائنات تھم گئی ہو۔ چاند تاروں پر جمود طاری ہو گیا ہو۔ جنگل کا ذرہ ذرہ سکتہ کے عالم میں اس کے غم میں شریک ہو۔

ہاں تو اور کیا' میں تو تیری وجہ سے یہاں تک آ گئی ورنہ بہت پہلے ہی واپس لوٹ جاتی۔

لاج نے کہا۔

اچھا' میرے ساتھ اور آگے تک چلو گی۔

نوجوان نے ذو معنی بات کہی تھی لیکن وہ نہ سمجھ سکی۔

توبہ توبہ' بابا مارے گا۔

وہ سامنے گھاس چرتی بکری کو پکڑنے چل دی۔

وہ اس معمہ کو حل کرنا چاہتا تھا لیکن بابا کا خوف جو اس کے سر پر سوار تھا اور حالات اسے ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس بوڑھے تک بات پہنچے اور ماحول میں بدمزگی پیدا ہو۔

وہ بکریوں کو لے کر واپس پلٹ گئی۔

اب تم بھی چلے جاؤ' تمہیں کسی کا ڈر نہیں۔

لاج کے لہجے میں شوخی اور سادگی نمایاں تھی۔

جا رہا ہوں۔

وہ ست روی سے اُس کو بار بار پلٹ کر دیکھتا رہا لیکن وہ تیز رفتاری سے بکریاں ہانکے جا رہی تھی۔ ظالم ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

وہ چند قدم آگے چل کر پھر رک گیا۔

اور جاتی لاج کے سائے کو ساکن دیکھتا رہ گیا۔

وہ لٹ چکا تھا۔

دل کے ہاتھوں' ویرانے میں تباہ حال وہ دولت دل کو لٹائے جا رہا تھا۔

حسن بے مثال

سادگی

معصومیت

چاندنی کی طرح شفاف گفتگو' تصنع اور بناوٹ سے مبرا خلوص اور بے لوث چاہت۔

اے حسینہ!

وہ مرغابی کو سینے سے لگائے گھوڑے پر سوار گھر کی جانب چل دیا۔

☆

☆○☆

لو ماں۔

یہ کہاں سے لے آئے بیٹا۔

شمی نے چونک کر روشن کے چہرے کو دیکھا۔

شکار کرنے گیا تھا۔

پھر۔

ماں نے بات کاٹ دی۔

خود ہو گیا۔

وہ کہتا ہوا کمرے میں چل دیا۔

شمی مرغابی کو گھورتی رہی لیکن بیٹے کی بات کا مطلب اچھی طرح نہ سمجھ سکی۔ وہ ایک عذاب میں مبتلا ہو چکا تھا۔ اس کی نیند لٹ گئی تھی۔ جنگل کی اس حسینہ نے اس کو لوٹ لیا تھا۔ تمام رات اس نے آنکھوں میں کاٹ دی۔ وہ جب بھی سونے کی کوشش کرتا۔ اس کی من موہنی صورت اس کی نیند بیدار کر دیتی اور وہ کروٹ بدل کر رہ جاتا۔

روشن بیٹے۔

ماں نے پریشان ہو کر پکارا۔

کیا بات ہے ماں۔

وہ ماں کی جانب کروٹ بدل کر بولا۔

سوئے نہیں بیٹا۔

شمی محبت سے بولی۔

نہیں ماں' نیند نہیں آتی۔

وہ بڑے دکھ سے بولی۔ نہ جانے کیوں اس کے الفاظ عجیب قسم کے کرب میں ڈوبے ہوئے تھے۔

لیکن اماں تمہیں کیوں پریشانی ہے۔

روشن نے آنکھیں کھول دیں۔

نیند نہ آنے کی کوئی وجہ تو ہو گی۔

شمی کا دل زور سے دھڑکا۔

کوئی وجہ نہیں اماں' بس سر دکھ رہا ہے۔ تم خواہ مخواہ پریشان ہو جاتی ہو۔

وہ جان بوجھ کر مسکرایا۔

شمی نے دیے کی ملگجی روشنی میں بیٹے کی آنکھوں میں جھانکنے کی کوشش کی۔

سو جاؤ اماں' شاباش پیاری پیاری اماں۔

وہ محبت سے ماں کو لٹاتے ہوئے بولا۔

تو بھی سو جا۔

شمی مسکراتی ہوئی لیٹ گئی۔

اچھا۔

وہ ہزاروں طوفانوں کو ماں سے چھپا کر بستر پر آنکھیں موندے لیٹ گیا۔

یوں ہی سویر ہو گئی اور وہ ماں کو سلام کر کے کام پر چلا گیا۔

شمی نے روشن کو تھوڑی بہت تعلیم دلوا کر گاؤں کے بڑے آڑھتی کی دکان میں منشی رکھوا دیا تھا۔ حساب کتاب کا کام روشن ہی کرتا تھا اور اکثر مال خریدنے اس کو شہر بھی جانا پڑتا تھا۔ اچھے دن گزر رہے تھے۔ اب کوئی غم نہیں تھا۔ شمی اپنی زندگی میں صرف روشن کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھی۔ روشن کو رخصت کر کے وہ اداس سی پلٹ آئی۔

کندن تو کہاں کھو گیا۔ آج تیرا بیٹا تیری تصویر بن گیا ہے۔ یہ سچ تھا کہ روشن نے کندن کی صورت پائی تھی۔ وہی بڑی بڑی خواب آگیں آنکھیں روشن پیشانی پہ الجھے

بال۔ سرخ ہونٹوں کے اوپر تیکھا ناک اور درمیان میں سیاہ گھنی مونچھیں۔ چوڑا چکلا بدن' توانا بازو' دراز قد' یہ سب کچھ کندن کا ہی تو تھا۔

ماضی کی لاتعداد سوچوں کا ہجوم اس کے حواس کو گھیرے ہوئے' وہ کندن کی یاد میں اس قدر مگن تھی کہ کب روشن لوٹ آیا۔

اماں۔

اوہ ایک دم اٹھی۔

آج اتنی جلدی' ابھی تو گئے تھے۔

وہ چٹخنی گراتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

اماں' شہر جا رہا ہوں' اگر دیر ہو گئی تو پریشان نہ ہونا۔

وہ ماں کے شانے تھام کر بولا۔

سیٹھ بھیج رہا ہے یا خود جا رہے ہو۔

شمی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

سیٹھ بھیج رہا ہے اماں' مگر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو۔

روشن حیران ہو کر بولا۔

اس لیے کہ آج سے پہلے تمہارے چہرے پر ایسی تازگی اور رونق نہ تھی۔ آج کل کچھ خاص چمک دیکھ رہی ہوں۔

شمی نے پرکھنے والی نظروں سے روشن کو دیکھا۔

روشن نے محبت سے ماں کو لپٹا لیا۔

میرے چاند' جلد لوٹ آنا' شہر کی بھول بھلیوں میں مت کھو جانا۔

شمی نے روشن کے گھنے بالوں پر پیار کیا۔

گھبراؤ نہیں ماں' اس شہر میں میرے لیے کوئی دلچسپی نہیں بلکہ میں تو خود ان کاموں سے دور بھاگتا ہوں۔

اچھا۔

شمی کے انداز میں سکون کا عنصر غالب تھا۔ وہ ٹھیک کہتا تھا۔ اس کے لہجے میں کسی کوئی محبت کی افق نظر نہ آتی تھی۔

جاؤں اب۔

روشن نے حسب عادت اجازت طلب کی۔

ہاں جاؤ' تمہارا اللہ نگہبان۔

شمی نے محبت سے روشن کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

وہ گھوڑے پر سوار سڑک پر ہو لیا۔

اماں' تمہیں کیا معلوم ہے مجھے تو ویرانے پسند ہیں۔

روشن نے گلی کے نکڑ کو پار کر کے گھر کی جانب دیکھا۔ ماں اندر جا چکی تھی ا
روشن نے گھوڑا اپنے راستے پر چھوڑ دیا۔

وہ اسی مخصوص راستے سے ہوتا ہوا دریا کے چوڑے پاٹ پر پہنچا جس کے سا
ایک ویران سا راستہ جاتا تھا۔ دریا کے دوسرے ساحل پر خاردار جھاڑیاں جنہو
نے اس ویران راستے کو چھپا لیا تھا۔

وہ گھوڑے کو ایک طرف باندھ کر راستے کے نشیب و فراز عبور کرتا چلا جا
تھا۔ ویران راستے کو عبور کر کے وہ دریا کے ساحل پر پہنچ گیا تھا۔

لاج کہاں ہے تو۔

ایک دم روشن نے اپنے آپ کو گھنی جھاڑی میں چھپا لیا۔

لاج۔

پھر کسی نے پکارا۔

روشن نے آنکھیں پھیلا کر جھاڑی کی اوٹ سے دیکھا۔ ایک تندرست و توا
بوڑھا جو عمر میں پچاس پچپن سے زیادہ نہ تھا کیونکہ اس کا توانا بدن اب بھی خا
جوان نظر آ رہا تھا۔ اس کی کمر خمیدہ نہیں تھی بلکہ سیدھی اور سخت تھی۔ سر کے
بال نصف سے زیادہ سفید ہو چکے تھے۔ چہرے پر دنیا کی چیرہ دستیوں کے انمٹ
نشانات ضرور تھے۔ وہ حوادث زمانہ کا ستایا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ بڑی بے قراری او
اضطرابیت میں لاج' لاج پکار رہا تھا۔ اسی نام کو پکارتا ہوا وہ ساحل تک چلا گیا جہا
اس کی نظر ایک کشتی پر پڑی۔

روشن جھاڑی میں چھپا بوڑھے کی بے کلی دیکھ رہا تھا۔

لاج' لاجو' آ جاؤ۔

ساحل پر جا کر بوڑھے نے پوری طاقت سے اسے آواز دی۔

لاج' اچھا تیرا نام لاج ہے۔ بالکل نام کی طرح حسین۔

روشن بڑبڑایا۔

بابا۔

دوسرے کنارے سے آتی ہوئی لاج نے کشتی کھینچتے ہوئے آواز دی۔ وہ تیز تیز
چپو ہلاتی چلی آ رہی تھی۔

روشن نے جھاڑی کی اوٹ سے دیکھا۔ ایک روپ کا ساگر۔ حسین چاندنی
تھی۔ وہ جلوے بکھیرتی ساحل کے قریب آ رہی تھی۔

لاجو' میری جان' میری روح۔

کندن نے بے چین ہو کر اس کو سینے سے لگا لیا۔

تو کیوں گئی تھی کشتی لے کر' میں ڈرتا رہا ہوں۔

کندن نے دونوں بازوؤں کے حصار کو تنگ کرتے اس کی پیشانی کو چوم لیا۔

یہ دیکھ' دو مسافر چھوڑ کے آئی ہوں۔

وہ بڑی معصومیت سے ہتھیلی پھیلا کر کندن کو پیسے دکھاتے بولی۔

بھاڑ میں جائیں یہ پیسے' مجھے تیری زندگی چاہئے۔

کندن نے ہاتھ بڑھا کر لاج کے پیسے ریت پر گرا دیے۔

ہائے ہائے' بابا' کیا کرتے ہو' میں نے اوڑھنی لینی ہے۔

وہ پیسوں کو اٹھانے کے لیے جھکی۔

آئندہ تو کشتی نہیں چلائے گی' سمجھی۔

کندن خفگی سے بولا۔

جب تو ساحل پر نہیں ہوتا یا شہر گیا ہوتا ہے تو مسافر کون لے جائے گا۔

وہ معصوم نظروں سے کندن کو دیکھنے لگی۔

پھر وہی کج بحثی' میں کہتا ہوں مسافر واپس کر دینا۔

کندن نے پریشان ہو کر دور دور نظر دوڑائی۔

لو اور سنو' ہے نا بابا کی مت خراب۔

لاج ہنس دی۔

ارے پگلی' یہ موجیں بڑی ظالم ہوتی ہیں' ان سے بچنا ضروری ہے۔

کندن نے محبت سے لاج کے الجھے بال سلجھائے اور اسے لے کر جھونپڑی کی جانب بڑھ گیا۔

آج کام نہیں بنے گا۔

وہ شام تک لاج کا منتظر رہا لیکن وہ جھونپڑی سے باہر ہی نہیں نکلی تھی۔ شاید وہ بکریاں لے کر صبح نکلتی ہے شام کو نہیں۔

وہ اسی سوچ کے ساتھ واپس چل دیا۔

ناامید سا۔

لٹا لٹا سا بے چین و بے قرار سا۔

حسین لمحوں کے ہجوم کو سینے سے لگائے گھر کی جانب چل دیا۔

شرمیلی شرمیلی سی لاج۔

مگر بے باک لہجہ رکھنے والی لاج پوری طرح اس کے دل و جگر میں سما چکی تھی۔

وہ تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ روشن کے حواس پر چھا چکی تھی۔ لاج جو حسن کا سمندر تھی جس کی گہرائی میں ڈوب جانے کو جی چاہتا تھا۔ اس کی دراز سیاہ ناگن کی طرح بل کھاتی ہوئی زلفیں گھٹاؤں کو شرماتی تھیں۔ وہ جب لٹک لٹک کر چلتی تو کائنات تھم تھم جاتی۔ اس کی بڑی بڑی غلافی آنکھیں ہر وقت کسی معصوم شرارت کا پیش خیمہ نظر آتیں۔ چھوٹی سی نوک دار ناک جس پر ننھے ننھے پسینے کے قطرے جیسے شبنم کے موتی' گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح گلابی ہونٹ۔ نازک نازک سفید مرمریں ہاتھ۔

اف۔

ان ہاتھوں سے تو نے چپو چلائے۔

وہ بے چین ہو گیا۔ بوڑھا ٹھیک ہی کہتا ہے کہ تو ایسے کام نہ کیا کرو۔

لاج۔

تو میرے خوابوں کی ملکہ ہے۔

وہ ان ہی حسین خیالات میں ڈوبا نہ جانے کب نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔ اس کو احساس بھی نہ ہوا کہ رات کب گزر گئی۔

روشن بیٹے' اٹھو' اللہ کا نام لو' سورج نکل آیا ہے۔

شمی نے محبت سے روشن کو پکارا۔

اوہو' اماں' کیوں ستاتی ہو۔

وہ ایک دم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔ بالوں کو جھٹک کر درست کیا۔ پھر ماں کی طرف خفگی سے دیکھا۔

اے ہے' میرے بچے یوں ہی سوئے رہو گے۔ نماز نہیں پڑھو گے۔

شمی نے روشن کے چہرے پر کلمہ مبارک پڑھ کر ہاتھ پھیرا۔

شیطان آ گیا تجھ پر۔

واہ اماں۔

وہ ماں کی بات پر ہنس دیا۔ اور جوتے گھسیٹ کر غسل خانے کی جانب بڑھ گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ تازہ دم ہو کر جائے نماز کی طرف بڑھ گیا۔ ماں نے نماز سے فارغ ہو کر چائے کا پیالہ اسے تھمایا۔

آج تو شام کو آئے گا تو میں ایک بات کروں گی۔

شمی نے کہا۔

ابھی نہیں ہو سکتی بات۔

روشن نے چائے کا گرم گرم گھونٹ حلق سے اتارا۔

نہیں' سکون سے کرنے والی بات ہے۔

اچھا' تو پھر ٹھیک ہے۔

وہ ناشتے سے فارغ ہو کر کام پر چلا گیا۔

شمی کو بھلا چین کہاں' شام تک اس نے نہ جانے کتنی بار روشن کو محبت سے یاد کیا ہوگا۔ وہ بیٹے کی خوشیاں دیکھنا چاہتی تھی۔

شام کو آتے ہی شمی نے سوال کر ہی دیا۔

روشن بیٹے۔

ہوں' اماں' کہو۔

وہ نوالہ نگلتے ہوئے بولا۔

اب تم شادی کر لو بیٹا۔

شادی؟

روشن ایک دم چونک گیا۔

ہاں تو اور کیا' میں نے کوئی بری بات کہہ دی۔

شمی نے حیران نظریں روشن کے چہرے کی جانب ڈالیں۔

لیکن اماں' ابھی کیا ضرورت ہے شادی کی۔

روشن نے روٹی کھاتے ماں کو جواب دیا۔

کیوں نہیں ضرورت' ماشااللہ نوکری کرتے ہو' جوان ہو پھر تمہارے سوا میرا اور ہے کون۔

شمی نے گہری نظروں سے روشن کے چہرے کو دیکھا۔

شادی کس سے کروں ماں۔

جیسے بستی میں اس کے لیے کوئی لڑکی ہی نہ ہو۔

ہزاروں لڑکیاں ہیں' میرا چاند جس کو پسند کرے گا اسی کو بیاہ کرلاؤں گی۔

شمی والہانہ انداز میں بولی۔

اچھا۔

روشن ہنس دیا۔

تم کہو تو تلاش کروں کوئی لڑکی اپنے بیٹے کے لیے۔

شمی نے محبت مادری سے مغلوب ہو کر روشن کے شانے پر ہاتھ پھیرا۔

رہنے دو اماں' کیا ضرورت ہے۔

ایک دم روشن گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

کیا ہوا' تم اداس ہو گئے ہو۔

شمی آخر ماں تھی' بیٹے کی بے کلی دیکھ کر اس کا سینہ جل سا گیا۔

اماں' میں شادی کے چکر میں پھنس کر تمہیں دکھ نہیں دینا چاہتا۔ نہ جانے تیری بہو کیسی ہو' تمہاری خدمت بھی کرے یا نہ کرے۔

روشن بات کو بدل گیا۔

مجھے تیرا گھر آباد کرنا ہے۔ اپنی خدمت نہیں کروانی۔ نوکرانی نہیں لانی۔ اس گھر کی مالکہ لانی ہے۔

شمی نے روشن کو اصرار بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔

اچھا اماں۔

وہ کھڑا ہو گیا' دوسرے لمحے ہی وہ چونکا۔

اماں' تو نے کوئی لڑکی پسند تو نہیں کر لی۔

نہیں۔

شمی کی روح جیسے قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

اس کے ساتھ ہی روشن نے قہقہہ بلند کیا۔

اماں' کیوں ایک دم اداس ہو جاتی ہو' میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں شادی جہاں بھی کروں گا تیری مرضی سے کروں گا' تجھے وہ لڑکی ضرور پسند آئے گی۔

وہ کھو سا گیا۔

تلاش کر لی تو نے لڑکی۔

نہیں' نہیں تو' میرا مطلب کہ جب بھی ایسی بات ہو۔

وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

پگلا کہیں کا۔

شمی نے پیار سے اس کے سر پر چپت لگائی۔ روشن ہنستا ہوا کمرے میں چل دیا۔

آج ذرا کام جا رہا ہوں۔

روشن کی طبیعت بے چین سی ہو گئی۔

شہر جا رہے ہو۔

شمی نے آج کوئی نوٹس نہ لیا۔

ہاں' لیکن جلد لوٹ آؤں گا۔

ہاں بیٹا' جلدی لوٹ آنا۔

شمی نے کہا۔

اور وہ ماں سے اجازت لے کر اپنے سفید گھوڑے پر سوار لاج سے ملاقات کی امید لیے پھر جنگل کی جانب چل دیا۔

جلد آ جانا بیٹا۔

شمی نے حسب عادت پھر کہا۔

روشن نے مسکرا کر سر ہلایا اور جنگل کے راستے پر گھوڑا چھوڑ دیا۔

اس وقت صبح کے آٹھ کا عمل ہو گا۔ وہ تیز رفتاری سے دریا کے ویران ساحل پر آ گیا۔ ایک جھاڑی کے ساتھ گھوڑا باندھ کر روشن نے نظریں چاروں طرف گھمائیں۔ اسے یہ اطمینان ہو چکا تھا کہ بوڑھا کشتی لے کر دوسرے کنارے جا رہا تھا۔ آج تو مسافر بھی دو سے زیادہ تھے۔

وہ دل میں خوشی و مسرت کا طوفان لیے پہاڑوں کے بیچ بیچ چھپتا چھپاتا جھونپڑی تک پہنچ گیا۔

دروازہ بند تھا۔

روشن نے آہستہ سے دستک دی کیونکہ اندر سے دروازہ بند تھا۔ گھاس پھونس کی جھونپڑی مگر کواڑ لکڑی کا مضبوط بنایا گیا تھا۔

روشن نے بغور جھونپڑی کو دیکھا۔

کون ہے۔

اندر سے سریلی آواز آئی لیکن اس کے ساتھ ہی کنڈی کھل گئی۔

بابو تم' تم یہاں کیوں آئے۔

وہ یوں پیچھے ہٹی جیسے کسی بچھو نے ڈنگ مار دیا ہو' لاج کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

ڈر یوں گئی ہو' انسان ہوں کوئی بدروح نہیں۔

روشن نے پلٹ کر دوبارہ کنڈی لگا دی۔

کھولو کواڑ' اسے کیوں بند کرتے ہو۔

وہ خوفزدہ سی دروازے کی طرف لپکی' لیکن کنڈی لگ چکی تھی۔ آگے بڑھتی ہوئی لاج کو روشن نے اپنے بازو پر ہی روک لیا۔

دروازہ اس لیے بند کر رہا ہوں کہ اسے کھلا دیکھ کر تیرا شکی بابا نہ آ جائے۔

روشن اس کے قریب ہو گیا۔

لیکن وہ آج نہ جانے کیوں سہمی ہوئی تھی۔

اور دیکھتی نہیں' بادل گھرے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈ بہت ہے۔

وہ سرخ سرخ آنکھیں لیے اس کے اور قریب ہو گیا۔

لاج نے چونک کر دیکھا۔ اس کی نسوانیت جاگ اٹھی۔ وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

آج مجھ سے دور نہ جاؤ لاج' تمہیں کیسے بتاؤں کہ تیری جدائی میں کتنی بے چین راتیں گزار دی ہیں۔ میں مرغ بسمل کی طرح تڑپا ہوں۔

روشن نے جذبات سے مغلوب ہو کر معصوم کمزور لاج کو اپنے توانا بازوؤں میں دبا لیا اور بے کلی بے چین طبیعت کو قرار دینے کے لیے اس کے سرخ سرخ گلابی ہونٹوں پر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ رکھ دیے اور ایک طویل مہر الفت ثبت کر دی۔ وہ کسمسا کر رہ گئی لیکن کچھ نہ کر سکی۔ روشن اسے سینے میں بھر لینا چاہتا تھا۔

چھوڑو مجھے' بابو' تم بہت خراب آدمی ہو۔ تمہاری حرکتیں بہت گندی ہیں۔ اللہ کرے تو مر جائے' بابا سے چوری آتا ہے۔

وہ اچانک معمولی سی گرفت ڈھیلی ہوتے ہی قریب ہی ایک بڑے پتھر پر بیٹھ گئی۔

لاج۔

روشن نے دیکھا کہ وہ سسک سسک کر رو رہی تھی۔ چہرہ گلنار ہو چکا تھا۔ آنکھوں کے گلابی ڈورے اور ابھر آئے تھے۔

تو رو کیوں رہی ہے۔

روشن نے اس کے قریب دوزانو بیٹھتے ہوئے کہا۔

میں نے تمہیں کچھ نہیں کہا۔

تو نے مجھے کچھ نہیں کہا۔

وہ ایک دم کاٹ کھانے کو دوڑی۔

اچھا بتا' کیا کیا ہے میں نے۔

روشن اپنی بیگناہی کا ثبوت پیش کرنے لگا۔

تو نے مجھے اتنی زور سے مارا ہے۔

وہ سسکی لے کر پھر بولی۔

میرا سارا جسم دکھنے لگا ہے۔

وہ بڑی معصومیت سے دائیں بازو سے بایاں بازو سہلا کر بولی۔

لاؤ میں دبا دوں۔

وہ بڑا محظوظ ہو کر ہاتھ بڑھا کر بولا۔

معاف کر دو۔

لاج نے بری طرح روشن کا ہاتھ جھٹک دیا۔

روشن بھلا کب باز آنے والا تھا۔ بڑے پیار سے لاج کے بال سلجھانے لگا لیکن اب کے لاج نے کوئی مزاحمت نہ کی۔

ایک تو تو پیار کا مطلب نہیں سمجھتی۔ جنگل میں رہ کر تیری مت کھوٹی ہو گئی ہے۔

روشن جھلا کر بولا۔

کیا۔

لاج چونک گئی۔

میرا مطلب ہے کہ جب دو جوان لڑکا لڑکی آپس میں ملتے ہیں تو پیار ہو جاتا ہے۔ روشن نے سمجھانے کی کوشش کی۔

لاج نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے روشن کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

ہاں' اب تو بھی جوان ہے اور میں بھی' آؤ آپس میں پیار کریں۔

روشن نے دونوں بازو پھیلا کر اسے قریب کر لینا چاہا۔

لیکن وہ پھرتی سے نکل کر پرے ہٹ گئی۔

بابو تو یہاں سے چلا جا ورنہ۔

وہ غصے سے تلملا اٹھی۔

ورنہ کیا۔

وہ مختصر سا جواب دیتے ہوئے ایک قدم اور آگے آ گیا۔

تمہیں معلوم نہیں وہ دریا سے دن میں کئی بار یہاں آتا ہے۔ اگر اس نے دیکھ لیا تو قیامت آ جائے گی۔

لاج کے لہجے میں شدید خوف غالب تھا۔

میں تو کہتا ہوں' مر جائے تیرا بابا۔

روشن نے بددعا دی۔

ہائے اللہ بابو' یوں نہ کہو' ساری دنیا میں میرا ایک بابا ہے' اس کے بغیر تو دنیا سونی ہے۔

لاج بڑے متفکر لہجے میں بولی۔

اچھا سلامت رہے' میرا مقصد ہے کہ وہ شہر کب جاتا ہے۔

روشن کو لاج پر رحم آ گیا۔

وہ کبھی کبھی کھانے پینے کی چیزیں لینے شہر جاتا ہے لیکن تو میری جان کا دشمن کیوں بن گیا ہے' مجھے مارنا چاہتا ہے۔

لاج چولہے میں آگ جھونکتے ہوئے بولی۔

روشن ساری جان سے فریفتہ ہو گیا۔ وہ محبت پاش نظروں سے لاج کو دیکھتا رہا۔ لاج کی نگاہیں اٹھیں اور پھر جھک گئیں۔ ایک قیامت برپا ہو گئی۔ دو اور دو چار آنکھوں کا تصادم کس قدر جان لیوا تھا کہ معصوم جنگل میں پلنے والی سترہ سالہ لاج پاش پاش ہو گئی۔

چائے بنانے لگی ہوں' پیو گے۔

وہ جھینپتے ہوئے نظریں چرائے ہوئے بولی۔

ہاں ضرور پیوں گا۔ تیرے ہاتھ کی چائے بھلا کہاں ملے گی۔

وہ چولہے کے قریب بیٹھ گیا۔

بابو' اللہ کا واسطہ اب چلا جا' بابا آنے والا ہے۔

لاج چائے کا پیالہ روشن کو تھماتے ہوئے بولی۔

اچھا چلا جاتا ہوں' چائے تو پی لوں۔

روشن نے گرم گرم چائے حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔

ہاں جلدی کر' کیونکہ وہ اس وقت چائے پینے آئے گا۔

لاج نے چائے کی دیگچی چولہے سے اتارتے ہوئے کہا۔

اچھا۔

لاج نے موقعہ کی نزاکت کو بھانپتے ہوئے روشن کو عاجزانہ نظروں سے دیکھا۔ روشن بھی کسی مصیبت کو مول نہ لینا چاہتا تھا۔ چائے پی کر خاموش کھڑا ہو گیا

لے میں جا رہا ہوں۔

اچھا' لیکن اب پھر کبھی نہ آنا۔

لاج ایک دم کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

نہیں' میں تمہارے بغیر سکون کا ایک سانس بھی نہیں لے سکتا۔ مجھے یاد ر
میں آؤں گا۔ جب میرا جی چاہے گا' تو مجھے روک نہیں سکتی۔

وہ دروازہ کھول کر نکل گیا۔

بابو۔

لاج تڑپ اٹھی۔

روشن اس معصوم کو اذیت ناک عذاب میں مبتلا کر گیا تھا۔ وہ کچھ نہ
ہوئے بھی رو دی۔ ہر بار روشن کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکراتے اور اس کا
پارہ پارہ کر جاتے۔ وہ اداس پریشان سی جھونپڑی کے باہر آ گئی۔ اداسے ہوئے چہ
کو دھویا اور چہرے پر مصنوعی بشاشت لاتے وہ ایک ٹیلے پر بیٹھ گئی اور سامنے ہی بک
کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا۔ مسلسل کئی بار رونے سے آنکھیں اب بھی متو
تھیں۔ وہ سترہ برس میں اتنا شاید پہلی بار روئی تھی۔ کندن اسے رونے ہی کب
تھا۔ وہ ٹیلے پر بیٹھے یہی سوچتی رہی۔ وہ جب جھونپڑی میں تنگ آ جاتی تو یہاں بیٹھ
کندن کا راستہ دیکھتی۔

بابا' آج تو اس نے کندن کے قریب آجانے کا بھی انتظار نہ کیا۔ بے ساختہ ا

کی طرف بھاگی۔ وہ ایک پگڈنڈی پر آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔

بابا۔

وہ مضطرب کندن کی چھاتی سے چمٹ گئی۔ ساری دنیا کے غم یہی چھپ کر ختم ہو جاتے تھے۔

میری زندگی۔

کندن نے بے ساختہ لاج کو سینے سے بھینچ لیا۔

کیا بات ہے' تیرا بدن کانپ رہا ہے میری جان' کیا ہو گیا تجھے۔

کندن نے چونک کر تشویش ناک انداز میں لاج کو دیکھا لیکن وہ اپنا بوجھ بھی نہ سنبھال سکی۔ بے سدھ سی ہو کر کندن کے بازوؤں میں جھول گئی۔

لاجو۔

وہ تڑپ اٹھا اور لاج کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا۔

تیرے بابا کی بانہوں میں تیرا بوجھ اٹھانے کی سکت ہے۔

وہ لاج کے پھول سے پاکیزہ وجود کو قیمتی سرمائے کی طرح اٹھائے جھونپڑی کی جانب چل دیا۔

تجھے سترہ سال ان بازوؤں میں جھولا جھولایا ہے اور آئندہ زندگی میرے دل ہی پر راج کرے گی۔

لاجونتی۔

محبت سے مغلوب ہو کر کندن نے پکارا اور بڑے آرام سے لاج کو چارپائی پر لٹا دیا۔

بابا۔ لاج نے کروٹ لی۔

جان بابا۔ کندن اس پر جھک گیا۔

بابا۔

لاج نے بے چین چہرے کو کندن کے سینے میں چھپا لیا۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ محبت کے دیوتا نے جھک کر اس کی شفاف پیشانی کو چوم لیا۔

بابا۔ لاج نے آنکھیں اٹھائیں۔

کہو میری جان، کیا کہنا ہے۔

وہ بڑے پیار سے لاج کے بال سلجھانے لگا۔

بابا تمہیں میرے ساتھ پیار ہے۔

لاجو، میری روح، دل کیسے چیر کر دکھاؤں کہ اس میں تمہارے لیے کتنا پیار ہے۔ تو تو میری کائنات ہے۔ میری محبت ہے میرا سکون، تو میری لاجونتی ہے۔

کندن لاج کی محبت میں ڈوب چکا تھا۔

کندن نے لاج کی پیشانی پر ہاتھ رکھ دیا۔

تمہیں بخار ہے۔

نہیں۔ لاج نے کہا۔

تمہیں بخار ہے۔ ہزار بار کہا ہے کہ ایسے موسم میں باہر مت نکلا کر۔ لیکن تو میری سنتی ہی کب ہے۔

وہ بے قرار سا اٹھا۔ قریب سے لحاف اٹھا کر لاج کو اچھی طرح لپیٹ دیا۔

اب کام کون کرے گا۔

لاج مسکرا کر بولی۔ یہ تبسم بھی اس کے یاقوتی ہونٹوں پر لاجواب سا نظر آنے لگا۔

سب کام ہو جائے گا۔ میں خود دودھ بلو لاتا ہوں۔

یہ کہہ کر کندن نے بالٹی اٹھائی اور بکری کا دودھ بلونے چل دیا۔

لاج نے آنکھیں موند لیں۔

دفعتاً" وہ چونکی، روشن اس کی آنکھوں کے سامنے مسکرا رہا تھا۔

بابا، روشن۔

محبت کے دو ایسے سمندر جن کی گہرائی کا وہ اندازہ ابھی تک نہ کر سکی تھی۔

کندن کی محبت لازوال تھی اور روشن کی محبت نے جیسے آنکھیں کھول دیں تھیں۔

جھنجلا کر لاج نے لحاف اتار پھینکا اور علالت کے باوجود جھونپڑی کے باہر چلی گئی۔

کندن بکری کا دودھ بلو رہا تھا۔ اس کی پشت جھونپڑی کی طرف تھی۔

بابا۔ لاج نے جھونپڑی کا کواڑ پکڑ کر کہا۔

چل اندر، یہاں بہت ٹھنڈ ہے۔

کندن نے رخ پھیر کر لاج کو پیار بھری ڈانٹ سے کہا۔

وہ واپس آ گئی۔

اتنی دیر میں کندن بالٹی میں دودھ لے آیا۔

اب میں ٹھیک ہوں بابا، تم بیٹھو میں چائے بناتی ہوں۔

لاج نے لحاف ہٹا کر کہا۔

تیری صورت سے لگ رہا ہے کہ تو ٹھیک ہے۔

کندن نے کہتے ہوئے خود ہی چائے بنائی اور دو پیالے بنا کر اس کے پاس ہی لے گیا۔

لاج نے محبت پاش نظروں سے کندن کو دیکھا۔

تجھے ٹھنڈ لگ گئی ہے۔ کندن نے پیالہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ مسکرا کر رہ گئی۔ کندن کیا جانے اس کے دل میں کیسی آگ تھی جس کی تپش نے اس کو جلا کر رکھ دیا تھا۔

بڑے مہینے گزر گئے کل شہر جاؤں گا۔

کندن نے آخری گھونٹ حلق سے اتار کر کہا۔

کبھی مجھے بھی شہر لے چلو نا۔ وہ شکایت بھرے لہجے میں بولی۔

شہر۔ کندن نے تڑپ کر آسمان کی جانب دیکھا جیسے کسی طاقت نے سانس کھینچ لیا ہو۔

کیوں میں شہر نہیں جا سکتی۔

وہ ضد پر اتر آئی۔

جا سکتی ہے، کون کہتا ہے کہ تو نہیں جا سکتی۔

کندن نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

بابا، کیا ہو گیا، شہر مجھے نہیں جانا چاہئے۔

لاج کندن کے چہرے پر عجیب قسم کی پراسرار خاموشی دیکھ کر سہم گئی۔

سچ پوچھو تو تمہیں شہر نہیں جانا چاہئے۔

وہ لاج کی جانب سے رخ پلٹ کر بولا۔ اس کے چہرے پر دکھ کی پرچھائیاں تھیں۔

کیوں۔ وہ کندن کے قریب آگئی۔

ساری کائنات سے چھپا کر تمہیں یہاں لایا ہوں کہ تمہیں کوئی چھین نہ لے میری جان۔

کندن نے محبت سے مغلوب ہو کر لاج کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

وہ معصومانہ انداز میں آنکھیں کھولے کندن کو تکے جا رہی تھی۔

تو میرے ہی پاس رہے گی۔ شہر والے بہت ظالم ہیں۔ اگر کسی نے تجھے دیکھ لیا نا تو تمہیں مجھ سے چھین لیں گے۔ سب لوگوں کو تیری صورت یاد ہے۔ تیری صورت بالکل تیری ماں کی طرح ہے لاجو' میری روح۔

کندن نے لاج کو ساتھ لگا لیا اور اس کے بالوں میں چہرہ چھپا کر بری طرح رو دیا۔ اس کی رگوں میں گردش کرتا خون ابلنے لگا۔ نواب حیدر زمان کے خلاف رقابت کا زہر اس کی رگ و پے میں سرایت ہو چکا تھا۔ اسی نے اسے برباد کیا ہے۔ وہی لاجونتی کا قاتل ہے۔ لاج نے محسوس کیا کہ کندن کی ہر گرم سانس تڑپ تڑپ کر نکل رہی ہے۔

بابا' معاف کر دو۔ اب کبھی تمہیں شہر جانے کو نہیں کہوں گی۔

لاج نے نظریں اٹھائیں۔

لاجو۔ تڑپ کر اس نے لاج کو سینے سے لگا لیا۔ وہ لاجونتی کا وجود تھا۔ محبت کی انتہا ہی یہی تھی۔ اس کی لاجونتی زندہ تھی۔ وہ لاج کو لاجونتی کے روپ میں پیار کرتا تھا۔ آخر کیوں نہ ایسا ہوتا۔ لاج نے سارا روپ اپنی ماں کا دھار لیا تھا۔ اگر اس کو شاہی لباس اور سنہری تاج پہنا دیا جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو پہچان نہ سکے۔ بس یوں لگے جیسے لاجونتی محل میں آن پہنچی ہے۔

لاج نے ہاتھ بڑھا کر کندن کے آنسو صاف کیے۔ وہ سسک رہا تھا۔ اس کی سفید پیشانی پسینے اور آنسوؤں سے تر تھی۔ اس کا جسم تھرتھرا رہا تھا۔ صاف عیاں تھا

وہ زبردست اندرونی کرب میں مبتلا ہے۔

کہہ جو دیا کہ اب شہر نہیں جاؤں گی۔ بلکہ نام بھی نہیں لوں گی۔

لاج نے مسکرا کر کندن کے چہرے کو اپنے سفید مرمریں ہاتھوں میں تھام لیا۔

ہنسو اب بابا' ہنسو نا۔

لاج نے مسکرا کر کندن کا دل بہلایا۔

کندن اس کے کہنے پر بمشکل مسکرا دیا۔

اور لاج نے بڑی ہی دلکش معصومیت سے کندن کی پیشانی کو چوم لیا۔

کندن نے والہانہ انداز میں لاج کو سینے کے ساتھ لپٹا لیا۔

اور پھر یوں ہی نصف شب گزر گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح کندن کے سینے پر سر رکھے بچپنے کی نیند سو گئی۔ کندن اس کے پاکیزہ وجود کو گوہر نایاب کی طرح سینے کے ساتھ سمیٹے لاج کے ریشمی بالوں میں چہرہ چھپائے سو گیا۔

اور پھر۔

فضا کے دامن پر رات کے تاریک سائے پھیلتے چلے گئے۔ ہزاروں لاکھوں تاروں نے جہان پر اپنی روشنی قربان کر دی۔ چاند کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ وہ چاندنی ی نچھاور کر چکا تھا۔ ازل سے محبت کرنے والا ہمیشہ کی طرح اپنی چاہت کو سینے سے لگائے ساری کائنات سے چھپ کر سحر کا منتظر تھا۔ وہ نہیں بدل سکتا تھا چاہے زمانے لا بے رحم موجیں ساحل کا سکون درہم برہم کر دیں۔

☆



لاج نے اس کا سکون برباد کر دیا تھا۔

اس کی نیندیں لوٹ لی تھیں۔

دل کی دولت وہ اس کے قدموں میں نچھاور کر چکا تھا۔ وہ مسند دل پر بیٹھ کر روشن کے وجود پر حکومت کر رہی تھی۔ بوڑھے نے عجیب شش وپنج میں ڈال دیا تھا۔ لاج سے ملاقات کی یہی تکلیف تھی کہ بوڑھے کا رخنہ ایک آہنی دیوار تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر کسی انہونی سوچ میں مبتلا رہتا۔ شمی اس کی حالت کبھی کبھی غور سے دیکھتی اور اس سے اس ذہنی تکلیف کے بارے میں دریافت کرتی لیکن وہ ہنس کے ٹال دیتا۔

ایک دن بری طرح جھنجلا کر اس نے ماں سے کہہ ہی دیا۔

لیکن بیٹا' میں کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں کہ تو اکثر اداس رہنے لگا ہے۔

شمی کا لہجہ متفکر تھا۔

میں کیوں اداس ہوں گا اماں۔

وہ قمیض کے بٹن بند کرتے ہوئے بولا۔

تم بھی ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میں دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ سوچتے رہتے ہو۔ آخر کیا سوچتے ہو بیٹا' بتاؤ نا' مجھ سے تمہاری تکلیف نہیں دیکھی جاتی۔

شمی نے ایک ہی سانس میں کہہ دیا۔ اس کے چہرے پر ماضی کے اندوہناک نقوش ابھر آئے تھے۔

اماں۔

روشن نے اداس آنکھیں اوپر اٹھائیں جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔

ہاں ہاں' مجھ سے دل کی بات کہہ دو بیٹا' میں تمہاری ماں ہوں۔

شمی نے عاجزی سے کہا۔

پہلے وعدہ کرو' غصہ تو نہ کرو گی۔

روشن ماں کے سامنے مجبور ہو گیا۔

غصہ' میں بھلا تم سے غصہ کروں گی۔ اپنے بیٹے سے غصہ۔

شمی نے محبت سے روشن کے چہرے کو تھام لیا۔

مجھے معلوم ہے اماں کہ تو غصہ نہیں کرے گی لیکن بات ہی ایسی ہے۔

روشن ماں کے جذبات سے بھی خوفزدہ تھا کہ کہیں ماں کا دل بھی نہ دکھے۔

تم کہو تو سہی بیٹا' مجھ میں ہر اچھی اور بری بات سننے کی برداشت ہے۔ میں نے کئی بار آرزوؤں کے قلعے تعمیر کیے اور ان کو گرتے دیکھا ہے۔

شمی کے انداز میں ساری دنیا کا درد پوشیدہ تھا۔

اماں' میری اچھی ماں' کتنی اچھی ہو اماں تم۔

روشن نے شمی کے شانوں سے پکڑ کر گھمایا۔

وہ بھی ہنس دی۔

روشن ماں کو ساتھ لگائے کمرے میں لے گیا۔

اماں میں نے ایک لڑکی پسند کر لی ہے۔

محل میں۔

وہ چونک کر بولی۔

محل' کون سا محل۔

اس کے ساتھ ہی روشن نے فلک شگاف قہقہہ لگایا۔

ہاں بیٹا' میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ یہ محلوں والیاں بڑی ظالم ہوتی ہیں۔

شمی کو عذاب ماضی یاد آ گیا۔ گذشتہ تلخ زمانہ ذہن پر لہرانے لگا۔

محل کا یہاں کیا دخل اماں' وہ تو ہماری طرح سیدھی سادی غریب لڑکی ہے۔

روشن نے شمی کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

کیا مطلب۔

شمی کے چہرے پر اب بھی حیرت کے تاثرات تھے۔

ہاں اماں' وہ ہماری طرح جھونپڑی میں رہتی ہے۔

روشن نے ماں کو بغور دیکھا۔

جھونپڑی میں۔

کچھ کچھ شمی کی عقل میں آتا جا رہا تھا۔

اماں' لاج ایک بہت ہی غریب بلکہ غریب النفس لڑکی ہے۔ اس کا اس دنیا میں کوئی نہیں سوائے ایک بوڑھے کے علاوہ۔

بوڑھے کا ذکر آتے ہی اس نے دانت پیسے۔

اچھا باپ بیٹی ہیں۔

شمی خوش ہو کر بولی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چونکی۔

اس کا نام لاج ہے۔

لاج کتنا پیارا نام ہے' تم اگر اس کو دیکھو تو دنگ رہ جاؤ۔

روشن مدہوش کن جذبات میں اتر گیا۔

لاج ہے' لاجونتی تو نہیں۔

شمی نے ایک دم کچھ سوچ کر کہا لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی کم عقلی پر ہنس دی۔

اٹھارہ سال بیت گئے وہ بھلا کہاں ہو گی۔

وہ خود ہی بڑبڑائی۔

کیا کہا اماں۔

روشن حیران ہو کر بولا۔

کچھ نہیں بیٹا' کچھ نہیں۔

وہ بات چھپانا چاہتی تھی۔

پھر بھی اس نام سے تمہیں اتنی رغبت کیوں ہے' اکثر کہہ دیتی ہو۔

رغبت' نہیں' مجھے اس نام سے نفرت ہے۔

شمی کی رگیں تن گئیں۔

نفرت۔

روشن حیران ہو کر بولا۔

ہاں بیٹا' یہ نام زندگیاں برباد کرتا ہے۔ سہاگنوں کے سہاگ چھین لیتا ہے۔ بچوں سے باپ کو بیگانہ کر دیتا ہے۔ اس نام نے' اس .... نہیں .... نہیں کچھ نہیں .... میں کچھ نہیں کہوں گی۔

ایک دم زبردست پچھتاوے بھرے لہجے میں اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔

روشن ماں کی حالت غیر کو دیکھ رہا تھا۔

ہاں بیٹا' تم ان باتوں کا بالکل خیال نہ کرنا۔ بس تم مجھے اپنی لاج کے پاس لے چلو۔

اماں' سوائے اس کے کہ میرا باپ مر چکا ہے اور میں کچھ نہیں جانتا پھر تمہارے الفاظ میں ماضی کی داستانیں کیوں پوشیدہ ہیں۔

روشن افسردہ ہو گیا تھا۔

میرے چاند' میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتی۔ تو بھول جا' میں نے جو کچھ کہا۔

شمی نے روشن کے ملائم چہرے پر پیار سے ہاتھ رکھ دیا۔

اماں۔

روشن کا انداز سوالیہ تھا۔

ہاں میرے لال' تو بس مجھے اپنی خوشیاں دے دے۔ میں تیری دلہن دیکھوں۔ کسی دن لے چل نا مجھے اس کے پاس۔

شمی نے دلی خوشی کا اظہار کیا۔

لیکن وہ بوڑھا۔

روشن کے چہرے پر ناامیدی کے سائے تھرتھرانے لگے۔

اس کا باپ۔

شمی چونک کر بولی۔

ہاں شاید اس کا باپ ہی ہے۔

اچھا' کیا وہ تمہیں پسند نہیں کرتا۔

پسند' وہ تو لاج سے کسی عورت کو بھی ملنے نہیں دیتا۔ بوڑھا کھوسٹ۔

روشن کے انداز میں شدید نفرت کا اظہار تھا۔

شمی نے تذبذب کے عالم میں روشن کے افسردہ چہرے کو دیکھا۔

بیٹے کوئی بھی باپ اس بات کو گوارہ نہیں کرتا کہ اس کی نوجوان بیٹی غیر مردوں سے ملتی پھرے۔

شمی نے روشن کی غلط فہمی دور کرنا چاہی۔

تو بیٹی کو لے کر جنگل میں کیوں بیٹھا ہے۔ شہر میں کیوں نہیں رہتا۔

روشن نے پلٹ کر بوڑھے کندن کے متعلق توجیح بیان کی۔

لیکن شمی صرف مسکرا کر رہ گئی۔

اماں' میں تمہیں سچ سچ بتا دوں کہ میں اب لاج کے بنا نہیں رہ سکتا۔ اگر بوڑھا میرے راستے میں حائل ہوا تو میں اسے قتل کر دوں گا۔

روشن۔

شمی نے بے ساختہ تڑپ کر روشن کو جھنجھوڑ ڈالا۔

نہ جانے کیوں تیری اس بات سے میرا سینہ پارہ پارہ ہو گیا ہے۔ سانس سینے میں اکھڑنے لگا ہے۔

تو ایسا نہیں کرے گا۔ ایک عورت کے لیے انسان کا خون نہیں کرے گا روشن ....

لیکن ماں بات کو مکمل نہ کر سکی۔ چارپائی پر تڑپ کر گری اور رونے لگی۔ وہ چہرہ دوپٹے سے چھپائے سسک سسک کر رو رہی تھی۔

اماں۔

روشن کا دل دھک سے رہ گیا۔ ماں کا جسم شدید جھٹکوں سے لرز رہا تھا۔ وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی۔ روشن آہستہ سے ڈرتا ہوا ماں کے قریب چلا گیا اور قریب جا کر دایاں ہاتھ ماں کے شانے پر رکھے دو زانوں بیٹھ گیا۔

اماں' تمہیں ایک انسان کے قتل کا اس قدر افسوس کیوں ہوا اماں۔

روشن نے ماں کے ہاتھ پکڑ لیے۔

بیٹا تیرے باپ نے ایک عورت کی وجہ سے لاتعداد خون کیے تھے۔

بے ساختہ شمی کہہ گئی۔ نہ جانے اس کے اندر اٹھنے والا لاوا پھٹنے کو تیار کیوں تھا۔ آج برسوں پرانا بھرم قائم نہ رکھ سکی۔ وہ سارا راز اگلنے کو تیار تھی۔ اسے عورت ہو کر عورت سے نفرت ہو چکی تھی۔ عورت نے اسے تباہ و برباد کیا تھا۔

خون' کیا کہہ رہی ہو اماں۔

روشن نے سوچتی ماں کو ٹھوکا دیا۔

ہاں بیٹا' تیرے باپ نے بہت خون کیے۔ سب سے پہلے تمہارے جذبات کا خون کیا۔ میرے احساسات کا خون کیا۔ اپنی ماں اور بوڑھے باپ کی امنگوں کا گلہ دبایا۔

لیکن اماں' تم نے تو آج تک یہی کہا کہ تیرا باپ انتقال کر چکا ہے۔

روشن کی آنکھیں حیرت ناک انداز میں پھٹ گئیں۔

ہاں میرے بیٹے' وہ تمہارے لیے مر ہی چکا ہے۔ جس باپ نے عورت کے عشق میں ڈوب کر اپنی بیوی اور لخت جگر کو کبھی اپنائیت سے نہیں دیکھا بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔

اب کہاں ہے میرا بے وفا باپ' جس نے تم جیسی وفا شعار بیوی کو بھی دھوکا دیا۔

روشن کے اندر باپ کے خلاف نفرت و حقارت کا آتش فشاں پھٹنے لگا۔ اگر شمی اپنے الفاظ کا پانی نہ ڈالتی تو یقیناً" اس کا سینہ پھٹ جاتا۔

ایسا نہ کہو بیٹا' وہ جیسا بھی ہے۔ تمہارا باپ ہے۔ تمہاری رگوں میں اس کا خون ہے۔

شمی نے بیٹے کے دل سے نفرت و حقارت کی میل کو نکالنا چاہا۔

اچھا اماں' لیکن وہ ہے کہاں۔

روشن کو ایسے باپ کی بے حد جستجو تھی کہ وہ کیسا باکمال باپ ہے جو ایک عورت کے عشق میں گھر بار لٹا چکا تھا۔

وہ اب ویسے بھی اس دنیا میں نہیں ہو گا۔ اٹھارہ برس گزر چکے ہیں۔ نواب کے آدمی ہر روز میرا سکون تباہ کرتے تھے لیکن وہ ایک عرصے سے گھر نہیں آیا تھا۔ آخر کار تنگ آ کر میں نے یہاں بسیرا کر لیا۔ تب سے میری جان کو چین آیا ہے۔

شمی نے دکھے دل سے ساری داستان بیٹے کے گوش گزار کر دی۔

نواب' کیا وہ نواب کی بیٹی تھی۔

روشن چونک گیا۔

ہاں بیٹے' رونا ہی اس بات کا ہے کہ تمہارے باپ نے نوابزادی لاجونتی سے عشق کیا تھا۔ لاجونتی کا تو میں نے سنا تھا کہ وہ ایک بچی کو پیدا کر کے اس دنیا سے رخصت ہو چکی ہے لیکن تیرے باپ کی کوئی خبر نہیں آئی۔ نہ جانے وہ کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔

شمی کیا جانے عشق بلندیوں پر محو جستجو ہے۔ جو جی ہار گیا وہ جان سے گیا اور جو مستقل مزاج رہا اس نے پا لیا اور اس کائنات کی متحرک وسعتوں اور ابدی حقائق کا شناور بن گیا۔ کندن بھی ایسا شناور تھا جو محبت کے صدف میں کھو کر محبت کا حقیقی شناور تلاش کر بیٹھا تھا اور اب وہ اس موتی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔ لاج اس کی امنگوں' آرزوؤں اور محبت کے شناور کا عظیم ستارہ تھی۔ وہ کسی بھی وقت کسی بھی حال میں اس کو اپنے ہاتھوں سے کھو نہ سکتا تھا کیونکہ وہ اس کی روح تک اتر چکی تھی۔ روح ایک پائیدار ڈبیا ہے ۔ اس نے محبت کے اس بے مثال ہیرے کو اس میں بند کر چھوڑا تھا تاکہ موت اسے ضائع نہ کر سکے۔ وہ صرف لاج کے سہارے زندہ تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ اگر موت آئے لاج سے پہلے آئے کیونکہ لاج کی جدائی اس کی برداشت سے باہر تھی۔ وہ اس ازلی رشتے کو ہر حال میں برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ وہ احسان مند تھا اس ذات عظیم کا جس نے لاجونتی کے روپ میں اس کو لاجونتی عطا کی تھی۔ لاج اس کی خوشیوں کا مرکز تھی۔ یہ فقط زندگی تک کا ساتھ نہیں اس نے مر کر بھی لاجونتی کو زندہ کر لیا تھا۔

بابا۔

شام کے وقت بکری کھونٹی سے باندھ کر وہ بولی۔

جان بابا۔

کندن جھونپڑی کے اندر سے بولا۔

آ گئی۔

وہ اندر آتے ہی حسب معمول کندن کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی۔

ہاں تو' آج ذرا ٹھنڈ تھی جلد آ گیا۔ دیکھو تو بادل ہو رہے ہیں۔

کندن نے سامنے جھروکے سے بادلوں کی طرف اشارہ کیا۔

ہاں چلو' اب کھانا کھا لیں' بھوک بہت لگی ہے۔

لاج نے روٹیوں کی چنگیر کندن کے سامنے رکھ دی۔

تو نے آج کھانا نہیں کھایا۔

کندن کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ رومال اٹھا کر روٹیاں دیکھنے لگا۔ وہ جوں کی توں پڑی ہوئی تھیں۔

کیوں' تو نے روٹی کیوں نہیں کھائی۔ ہمیشہ تو کئی بار کھا لیتی ہے اور اب تو سارے دن میں ایک بار بھی نہیں کھائی۔

کندن پریشان ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی لاج کا خوبصورت قہقہہ بلند ہوا۔

اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ۔ آج میرا دل نہیں کیا نہ کھانا کھایا۔

وہ لاپرواہ سی پانی لینے چل دی۔

لاجو۔

کندن چیخ اٹھا۔

بابا' کیا ہے' کیا ہو گیا تمہیں۔

لاج سہم کر کندن کے قریب آ گئی۔

تم نے روٹی کیوں نہیں کھائی' تیری طبیعت نہیں ٹھیک۔

کندن نے جیسے جھپٹ کر لاج کو اپنے سامنے بٹھا لیا اور اس کی گردن' رخساروں کو ہاتھ لگا کر دیکھنے لگا۔

تمہیں بخار ہے۔ بخار کا آرام کیوں نہیں آتا۔

وہ لاج کو چارپائی پر بٹھا کر خود لکڑی کے بنے ہوئے شیلف کی طرف بڑھا۔

لاج ہنستے ہوئے کندن کی ہی چادر اوڑھے چارپائی پر لیٹ گئی اور نیم باز آنکھوں سے دیکھنے لگی۔ کندن پیالی میں کچھ گھول رہا تھا۔

بابا' یہ دوائی میں نہیں پیوں گی ہاں۔

وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی۔

میری جان' تمہیں کئی دنوں سے بخار ہے۔ اس سے اتر جائے گا۔

وہ بڑے شفیق لہجے میں مسکرایا اور لاج کے قریب بیٹھ گیا۔

لاج نے بڑی معصومیت سے ہونٹ سکیڑے۔

جان بابا۔

کندن نے اس کے ہونٹوں کو اپنے ہاتھ سے کھول کر دوائی اس کے حلق میں انڈیل دی۔

لاج نے دوائی کی تلخی کم کرنے کے لیے چہرہ کندن کے سینے میں چھپا لیا۔

بس اتنی سی بات تھی نا۔

کندن نے ہاتھ بڑھا کر لاج کے ہونٹ صاف کر دیے۔

بابا' تم کتنے پیارے ہو' کتنے اچھے۔

وہ والہانہ انداز میں کندن سے لپٹ گئی اور اپنے بازو کھول کر کندن کے توانا وجود کو اپنے نازک حصار میں لے لیا۔

کندن ان جان لیوا لمحات کا حساب نہ چکا سکا۔ لاجونتی پوری طرح شاہی لباس میں ملبوس اس کے سامنے جلوہ گر تھی۔ وہ جھکا اور جی بھر کے لاج کو پیار کر لیا۔

لیکن یہ آگ ایسی تھی جو بجھانے سے نہ بجھ سکتی تھی۔ ایک تشنگی تھی جس کی کوئی حد نہ تھی۔ پیار کا ایک سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

اچھا' اب تو سکون سے لیٹ جا۔ باہر نکلنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ تمہیں آرام اور صحت ہو گی تو میں سکون سے رہوں گا۔

کندن نے لاج کو زبردستی بستر میں لٹایا اور خود گھر کے چھوٹے موٹے کام سارے ختم کیے۔ شب کی سیاہ چادر پھیلتی جا رہی تھی۔ لاج سکون ملتے ہی سو چکی

تھی۔ چاروں جانب سائیں سائیں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ دور دریا کے اس پار گیدڑ بھونک رہے تھے۔ وہ دیے کی لو میں لاج کو دیکھ کر واپس دیا اپنی جگہ پر رکھتے ہی خود بھی لیٹ گیا اور جلد ہی پرسکون نیند سو گیا۔ لاج کے قریب رہ کر ویسے بھی اس کی نیندیں پرسکون تھیں۔

صبح صادق کے پرنور آفتاب نے دونوں کو بیدار کر دیا۔

لاجو۔

کندن نے محبت سے مغلوب ہو کر لاج کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

آفتاب کی روشنی چہرے پر پڑنے سے ایک دم لاج چونک اٹھی۔

کندن نے مسکرا کر دیکھا۔

بابا' آج تو نیند ہی بہت آ گئی۔

ہاں تمہیں دوائی ہی ایسی پلائی تھی۔

کندن نے بڑی بشاشت سے لاج کی پیشانی کو چھوا۔

اب تو بخار نہیں۔

ہاں بابا' اب میری طبیعت میں تھکن محسوس نہیں ہوتی۔

وہ چارپائی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

اچھا چل منہ ہاتھ دھو لے۔ میں اتنی دیر چولہے میں آگ جلاتا ہوں۔ آج دریا پر نہیں جا سکوں گا۔

کیوں۔

وہ جھرنے کے پاس جاتے جاتے بولی۔

آج شہر جاؤں گا۔ سارا سودا ختم پڑا ہے اور تیری اوڑھنی بھی لینی ہے۔

اچھا۔

وہ خوشی و مسرت کے جھولے میں جھولتی ہوئی دروازے سے باہر چلی گئی۔

اور کندن کسی انجانے سے خیال کے تحت مدہوش ہو گیا۔

کون جانے تو کس کی بیٹی ہے۔ میری لاج۔

ایک دم سے مسکرایا اور چولہے کی طرف بڑھ گیا۔

چند لمحوں میں وہ پھٹی پرانی اوڑھنی سے منہ پونچھتی ہوئی چلی آ رہی تھی۔ کن
کو چولہے پر چائے کا پانی رکھتے دیکھا۔

جاؤ بابا' اب تم نماز پڑھ لو۔

وہ چولہے کے پاس بیٹھ گئی۔

اور کندن جھرنے کی طرف بڑھ گیا۔

بابا سنو۔

ایک دم لاج نے پکارا۔

کندن فوراً" پلٹ آیا۔

بابا شہر شام کو جایا کرو۔ اس وقت بہت سے مسافر تیری راہ تک رہے ہوا گے۔

مسافر راہ تکتے ہیں تو تکتے رہیں۔ شام کو میں تمہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔

وہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

اور وہ خاموش سی چولہے کی آگ درست کرنے لگی۔

کندن نے نماز اور ناشتے سے فارغ ہو کر اپنی چادر لپیٹے شہر کی طرف چل دیا۔

لاج۔

آئی بابا۔

وہ جھونپڑی سے چائے پیتے اٹھی ایک لہر کی طرح۔

چائے پی رہی تھی۔

ہاں' تھوڑی سی بچی تھی میں نے سوچا ضائع نہ جائے۔

اچھا' بڑی سیانی ہو گئی ہے میری رانی۔

کندن نے بڑی شفقت سے لاج کے ریشمی بالوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

جھونپڑی کے اندر ہی رہنا۔ دریا پر جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ویسے ا
موسم خراب ہے بھلا اتنی ٹھنڈ میں مسافر کم ہی آئیں گے۔ اگر آئیں بھی تو تمہیر
دریا پر جانے کی ضرورت نہیں۔

اچھا۔ لاج نے اوڑھنی سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا اور کندن کے ساتھ ؟

جھونپڑی کے باہر آ گئی۔

اوڑھنی ضرور لیتے آنا۔

وہ یاد دہانی کروانے لگی۔

ضرور' یہ دیکھ تیری اوڑھنی کے پیسے سنبھال کر رکھے ہیں۔

کندن اس کو پیسے دکھاتے ہوئے بولا۔

لاج نے ہنس کر کندن کو الوداعی نظروں سے دیکھا۔

وہ تھوڑی دیر دور پگڈنڈی پر جاتے ہوئے کندن کو دیکھتی رہی پھر جب وہ شہر والے راستے پر ہو کر چھپ گیا تو خود وہیں چولہے پر بیٹھ کر چھوڑی ہوئی چائے پینے لگی۔ وہ پرسکون سی چاروں جانب سے بے نیاز چائے پینے میں مصروف تھی۔ اردگرد جھوٹے برتن بکھرے پڑے تھے لیکن اس کو کوئی فکر نہ تھی۔ آہستہ آہستہ چائے کی چسکی لیتی کہ اچانک اس کے ہاتھ سے پیالہ چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

لاج۔

روشن بابو۔

وہ ایک دم سہم سی گئی۔

بابو تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے۔

لاج کا چہرہ گلنار ہو گیا' نگاہوں میں عجیب قسم کی چمک تھی۔

کیوں۔

روشن قریب آ گیا۔

چلے جاؤ روشن' بابا اندر ہے۔

لاج نے جھوٹ کے سہارا لیا۔

اس کے ساتھ ہی روشن نے فلک شگاف قہقہہ بلند کیا۔ محبت سے اس کی جانب جھک گیا۔

لاج پھٹی پھٹی نگاہوں سے روشن کو تکنے لگی۔ نگاہوں میں استفسار چھلک رہا تھا۔

میں سب دیکھ چکا ہوں۔ تیرا بابا شہر گیا ہے ورنہ میں یہاں اس قدر بے تکلفی

سے آ سکتا تھا۔

وہ دوران مسکراہٹ بولا۔

لاج اس کی ہوشیاری اور ذہانت کی داد دیے بغیر نہ رہ سکی۔

لیکن پھر بھی روشن بابو یہاں نہ آیا کرو۔ وہ تمہیں قتل کر دے گا۔

لاج کندن کی عادت کے مطابق بولی۔

بس اتنی سی بات ہے۔

روشن کو جیسے کوئی اثر نہ ہوا۔

تمہیں قتل ہونے سے ڈر نہیں لگتا۔

لاج خوفزدہ سی ہو گئی۔

قتل ہونا تو معمولی بات ہے۔ میں تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کر سکتا بلکہ سب کچھ کر سکتا ہوں۔

روشن کا جذبہ صادق تھا' اس کا انداز والہانہ تھا۔

ہوں۔

لاج سادگی سے سر کو جھٹک کر بولی۔

لاج میری روح' میری زندگی ہو' مری بن جاؤ لاج۔

روشن نے بڑے عاجزانہ انداز میں کہا۔

روشن' یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ بالکل یہی الفاظ مجھے بابا بھی کہتا ہے۔ میں اس کی زندگی ہوں' میرا ویسے ہی اس کے سوا ہے ہی کون۔

لاج افسردہ سی ہو گئی۔

ٹھیک ہے' لیکن اس کا ساتھ دائمی نہیں' میرا ساتھ دائمی ہے۔ میں ہمیشہ ساتھ رہوں گا تمہاری حفاظت کے لیے ۔ کیونکہ اس پیاری من موہنی صورت کو ایک پہرے دار چاہئے۔

روشن نے ہاتھ بڑھا کر لاج کی چمکتی ٹھوڑی کو اوپر کیا۔

لاجو۔

وہ تڑپ اٹھا۔

لاج کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو پلکوں کی دہلیز پار کر کے رخساروں کے فرش پر گرنے والے ہی تھے۔

آنسو؟

ہٹو روشن بابو' میرا بابا کہتا تھا شہر والے سب لوگ برے ہوتے ہیں۔ تم بھی برے ہو۔ میرے بابا کو برا کہتے ہو۔

لاج روشن کا ہاتھ جھٹک کر خود جھونپڑی کے اندر چلی گئی لیکن وہ ٹلنے والا کہاں تھا۔ پھلانگ کر اس کے پیچھے ہی آ گیا۔

لاج' یقین کرو میں شہر کا نہیں ہوں' میں تو شہر سے دور ایک گاؤں میں رہتا ہوں۔

روشن نے اپنی صفائی پیش کی۔

لیکن تمہارے کپڑے' میرا بابا تو ایسے کپڑے نہیں پہنتا۔

وہ روشن کے سراپا کو بغور دیکھ کر بولی۔

تمہاری جسامت بابا سے کتنی ملتی جلتی ہے۔ وہ پھر روشن کے جواب دینے سے پہلے بول اٹھی۔

میرے لباس پر نہ جا لاجو' یہ لباس تو شہر اور گاؤں دونوں میں چلتا ہے اور پھر تمہارا بابا۔ یہ نہ تو گاؤں میں رہتا ہے اور نہ شہر میں۔ میں حیران ہوں آخر اس نے کون سا ایسا جرم کیا ہے جو یہاں جنگل میں تمہیں لے کر سڑ رہا ہے۔

روشن نے ایک ہی سانس میں کندن کے خلاف سارا زہر اگل دیا۔

تمہیں اس سے کیا۔ تم کون ہوتے ہو بابا کے بارے میں ایسی باتیں کرنے والے۔ چلے جاؤ یہاں سے ۔ میں اپنے بابا کے بارے میں ایسی گفتگو سننا بھی نہیں چاہتی۔

وہ برہم ہو گئی' سفید چہرہ گلناری رنگ اختیار کر گیا۔

روشن دیکھتا رہ گیا۔

کافر حسن' تباہ کرنے پر اتر آیا تھا۔

تمہیں بابا سے بہت پیار ہے۔

روشن نے قریب جا کر بڑی سادگی سے کہا۔

ہاں' وہ تو میری جان ہے۔ اس کے بغیر میرا کون ہے۔

لاج نے کہا۔

اگر وہ مر گیا تو تو کیا کرے گی۔ کس کے سہارے زندہ رہے گی۔ تمہیں نہیں معلوم وہ بوڑھا ہے اور تو نوجوان' تیری شادی ہو جانی چاہئے۔ تجھے ساتھی کی ضرورت ہے۔ پاگل لڑکی۔

روشن نے پلٹ کر لاج کے جیسے کان کھول دیئے۔

شادی' میری شادی۔

وہ روشن کے قریب چلی گئی۔

شادی کیا ہوتی ہے روشن' بابا نے تو کبھی نہیں کہا۔

وہ دونوں ہاتھوں سے روشن کے چہرے کو تھام کر بڑی ملائمت سے بولی۔

شادی دو دلوں کے ملاپ کا نام ہے۔ پگلی' اگر تو میری بن جائے تو ہم ساری عمر ایک ہو جائیں گے۔

روشن نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔

تو بابا۔

وہ پھر چونک گئی۔

بابے کو مارو گولی۔

روشن جھنجلا گیا۔

ہر وقت بابا' بابا' کبھی اپنے بارے میں بھی سوچا کرو۔

روشن۔

لاج سہم سی گئی۔

ایسا نہ کہو۔

لاج نے آنکھیں اٹھائیں۔

لاجو' میری زندگی۔

روشن نے ساری جان سے لاج کو اپنے بازوؤں کے حصار میں سمیٹ لیا اور پیار

سے اس کی پیشانی چوم لی۔

لاج کا دل دھڑکا اور آج پہلی بار شرم سے اس نے نظریں جھکا لیں۔

اچھا سنو' روشن نے لاج کے چہرے کو اوپر اٹھایا۔

کیا۔

لاج نے آہستہ سے کہا۔

یہ سب کچھ بابا کو نہ بتانا۔

روشن اس کی سادگی سے متاثر ہو کر بولا۔

کیوں۔

لاج نے حیرانی سے کہا۔

کیونکہ یہ بری بات ہے۔

بری بات ہے' اس میں کون سی بری بات ہے۔

ارے پگلی' تیرا بابا تو بوڑھا ہے' اور کوئی نوجوان لڑکی نوجوان لڑکے سے ایسے پیار بھری باتیں کرے تو لوگ برا مناتے ہیں۔

روشن نے محبت پاش نظروں سے لاج کو دیکھ کر کہا۔

ٹھیک ہے تم کہتے ہو تو نہیں بتاتی۔

وہ روشن سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے بولی۔

لاج۔

ہوں۔

لاج نے نظریں جھکائے زمین کی جانب گاڑ دیں۔

اب بھول نہ جانا' مجھے تمہارے بابا سے بڑا خوف آتا ہے۔

روشن نے پھر لاج کو خبردار کیا۔

اچھا اچھا' نہیں بھولتی' لیکن ایک شرط پر۔

لاج نے دلربائی سے روشن کو چھیڑا۔

کیا۔

وہ منتظر نظروں سے گھورنے لگا جیسے لاج کوئی انہونی سی بات کہہ دے گی۔

کہ تم اب مت آنا۔

لاجو' یہ تو نے کیا کہہ دیا' میں تو تیرے بغیر ایک لمحہ بھی جی نہیں سکتا۔

تیری یاد میری سانس کی ڈوری کھینچے جا رہی ہے۔

روشن نے بے تاب آنکھیں لاج کے رخ زیبا پر گاڑ دیں۔

تمہیں کیسے بتاؤں روشن' بابا کتنا ظالم ہے۔ وہ تو کشتی میں بھی کسی آدمی کو جھونپڑی کی طرف نہیں دیکھنے دیتا' میں تو حیران ہوں کہ تم نے یہاں کا راستہ کہاں سے نکال لیا۔

لاج کی آنکھوں میں حیرت کا عنصر غالب تھا۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ تم مجھے مل گئی ورنہ میں کہاں اس قابل۔

روشن نے کسر نفسی سے کام لے کر لاج کو قریب کر لیا۔

روشن۔

اچانک لاج کے لہجے میں بے چینی ابھر آئی۔

کہو۔

روشن آنکھیں بند کیے لاج کے بالوں پر سر رکھے مدہوش تھا۔

تمام دن گزر گیا۔ بابا آتا ہی ہو گا اب تمہیں جانا چاہیے۔

نہیں لاج' ابھی مت نکالو یہاں سے' تھوڑی دیر اور رکنے کی اجازت دے دو' نہ جانے پھر کب ملاقات ہو گی۔

روشن کی آواز دلگیر تھی' لاج سے جدائی کا تصور اس کے لیے قیامت سے کم نہ تھا۔ جب وہ یہ سوچتا کہ لاج اب ایک عرصے تک شاید نہ مل سکے تو اور بھی اداس ہو جاتا۔

نہیں روشن۔ خدارا جاؤ' تم میری جان کے دشمن کیوں بن گئے ہو۔

لاج نے منت بھرے لہجے میں روشن سے کہا۔

اچھا جاتا ہوں۔

وہ بے چین مضطرب سا آخری بار لاج کو محبت پاش نظروں سے دیکھتا ہوا جھونپڑی سے نکل گیا۔

اف میرے اللہ' یہ دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ روشن نے موقعہ کی نزاکت بھانپتے ہوئے پہاڑوں پر نظر آنے والا راستہ زمین پر بیٹھ بیٹھ کر عبور کیا کیونکہ اگر اس بوڑھے کندن کو انسان کا معمولی سا ہیولہ بھی نظر آ گیا تو لاج کی جان کھا جائے گا۔ ویسے وہ کھڑے ہو کر سیدھا چلتا تو کندن کو نظر آ سکتا تھا۔ محبت میں یہ اذیت ناک لمحات میراث عشق سمجھ کر سہہ گیا۔ یہاں سے ہی عشق کی بلندیوں کو چھوا جا سکتا تھا۔ وہ کافی راستہ طے کر کے اپنے گھوڑے کے قریب پہنچ گیا اور عین اس وقت کندن نے جھونپڑی میں قدم رکھا۔

لاجو۔

کندن کی روح آسمان کو پرواز کر گئی۔

کہاں ہے تو۔

وہ بیتاب باہر جھرنے کے پاس آیا تو پھر جیسے اس کی جان واپس آئی۔

برتن اب صاف کر رہی ہے۔

وہ لاج کو جھرنے کے پاس بیٹھی دیکھ کے سکھ کا سانس لیتے بولا۔

ہاں بابا' میں سو گئی تھی۔

وہ دیگچی کو ریت مارتے ہوئے بولی۔

طبیعت کیسی ہے۔

کندن اس کے قریب ہی آ گیا۔

میں آ رہی ہوں' گھر ہی چلو' آرام کرو' میں ابھی چائے بناتی ہوں۔

وہ برتن ایک بڑے برتن میں ڈالتے ہوئے بولی۔

آ جاؤ۔

کندن اسے ساتھ ہی لے آیا۔

کندن تھیلے میں سے پڑیاں نکال کر لکڑی کے چوڑے پھٹے پر رکھنے لگا اور لاج نے برتن لگا کر چائے کا پانی چولہے پر رکھ دیا۔

بھوک بہت ہے آج۔

کندن نے چارپائی پر تھکاوٹ سے چور سانس لیا۔

تھک گئے بہت بابا۔

لاج آٹے والے ٹین کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی۔

کیا کرنے لگی ہے۔

آٹا گوندھ لوں' بھوک نہیں لگی تمہیں۔

لاج نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

رہنے دے میں گوندھ لوں گا' تو چائے پکا لے۔

کندن کو لاج پر ترس آنے لگا۔

بستر پر آرام سے لیٹ جا' میں جب مر جاؤں گی نا تو اس وقت گوندھ لینا آٹا' ہاں۔

لاج نے کندن کو محبت سے دیکھا۔ ہاں کا مخصوص لفظ اس کی دلنشیں ادا میں شامل تھا۔

لاجو۔

وہ بری طرح تڑپ اٹھا۔ اس کی رگ رگ میں چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔

تمہیں ہزار بار کہا ہے کہ اپنے مرنے کی بات نہ کیا کر' تمہیں کیا معلوم۔ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ اس زمانے سے میں لاجونتی کو کیسے چھینا ہے۔ تو میری زندگی ہے۔ میری روح کی تسکین ہے۔ تو مجھ سے ہے میں تجھ سے ہوں۔ تو میرا خون ہے' میری رگوں میں گردش کرتی طاقت ہے' میرے اس گھر کی رونق۔ تو' تو میرا سب کچھ ہے۔

بے تاب' مضطرب انداز میں وہ چارپائی سے اٹھ کر لاج کے قریب آیا اور بے ساختہ اسے سینے سے لگا لیا۔

میری جان۔

وہ ساری دنیا کا پیار سمیٹ کر کندن کی کشادہ چھاتی سے کسی معصوم بچے کی طرح چھپ گئی۔ جیسے کسی کی پناہ کی تلاش ہو۔

تمہیں کیا بتاؤں لاج تو میری کیا ہے۔

۔۔ میں تمہاری بیٹی ہوں۔

وہ پیار سے اپنے دونوں بازو کندن کے چہرے کو تھام کر بولی۔

نہیں۔

کندن کی آنکھوں میں بے پناہ محبت کے دیپ روشن ہو گئے۔

بیٹیوں کو بھی کوئی اتنا پیار نہیں دیتا۔ وہ بھی وقت آنے پر لوگ جدا کر دیتے ہیں۔ کندن نے لاج کی روشن پیشانی چوم لی۔

اور میں۔

وہ مسکرا کر بولی۔

تو میری روح ہے' تجھے جب جدا کروں گا تو میں خود موت کی پناہ گاہ میں چلا جاؤں گا۔

بابا۔

لاج نے تڑپ کر کندن کو اپنے گداز بازوؤں میں لپیٹ لیا۔

وہی ایک پرسکون جگہ تھی جہاں وہ بے خوف و خطر رہ سکتی تھی۔

کندن کا وجود اس کی جاگیر تھا۔

اس کی دولت۔

اس کی کل کائنات۔

اس کی زندگی' اس کی منزل .....

☆



کائنات ایک سلسلہ مادیت ہے۔

جس میں غیرمادہ کا کوئی وجود نہیں۔ اس کی تمام رنگینیاں ایک اتفاقی حادثے کے نتیجے میں ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ زندگی کیمیائی اعمال کا متحرک و ارتقائی سلسلہ ہے۔ انسانی ہستی ایک حیاتیاتی مشین ہے جس میں جنت اور دوزخ فضول مفروضے ہیں۔ انسان کی حدود اس کی یہی آخری سانس ہے۔ کائنات کی کوئی بھی چیز اس وقت تک اپنے انجام تک نہیں پہنچتی۔ جب تک اس کا سلسلہ ختم نہ ہو جائے۔ جب بے تکلف ملاقات کا کوئی سلسلہ وجود میں آیا تو روشن نے چھپ چھپ کر بھی راتوں کی تاریکی میں ملنا شروع کر دیا۔ محبت عروج سے عروج تر ہوتی گئی۔ محبت کا سورج دونوں کو اپنی تمازت سے جلاتا رہا۔ دونوں کی بے کلی بڑھتی گئی۔ بے شک رات کی ملاقات انتہائی خوفناک اور چند لمحوں پر محیط ہوتی تھی لیکن پھر بھی بڑی تسکین قلب ہوتی تھی۔ ویسے بھی کندن کی نیند ایسی بے خبر نہ تھی جو وہ لاج کو روشن کے حوالے کر سکتا یا جب کندن دریا پر چلا جاتا تو روشن اس وقت ملنے کے لیے آتا۔ یہ حقیقت تھی کہ روشن نے آج تک کندن کا سامنا نہیں کیا تھا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ اس بوڑھے کندن سے انتہائی خوفزدہ تھا۔ لاج کے احساس پر کندن کا خوف اور رعب و جلال اس قدر مسلط تھا کہ وہ کوئی اور بات کرنے کو تیار ہی نہ تھی۔ راتوں کی ملاقات نے بڑی تقویت بخشی تھی لیکن آج کی رات تو اسے ہمیشہ یاد رہے گی۔

گھر سے وہ پرسکون انداز میں نکلا تھا لیکن راستے میں بارش نے آ لیا۔ روشن کے خیال میں بارش تھم جائے گی لیکن وہ بھی کسی ڈھیٹ وقت پر برس رہی تھی۔ وہ

تیز رفتاری سے لاج کو ملنے جا رہا تھا۔ جوں جوں تیز بھاگتا بارش کی بوچھاڑ اتنی زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ تاریک سنسان رات تھی۔ دور دور تک سناٹا ہی سناٹا۔ دل دہلے جا رہے تھے لیکن محبت کا پیاسا روشن چلا جا رہا تھا۔ پھر وہ گرتے گرتے بچا۔ گھوڑے نے آگے جانے سے انکار کر دیا۔ اولے جسم میں گولیوں کی طرح پیوست ہوتے جا رہے تھے۔ آخر بمشکل گھوڑے کو پچکارا اور تیز و تند آندھی برق باراں کی کڑک کے ساتھ راستے کا تعین درست کر لیتا۔ خدا خدا کر کے راستے کی اذیت کم ہوئی۔ مخصوص جگہ پر گھوڑے کو ایک بوڑھے برگد کے تنے سے باندھا اور خود سنبھل سنبھل کر لاج کی جھونپڑی تک کا راستہ جو انتہائی دشوار گزار اور تکلیف دہ تھا' وہ محبوب کی دید کا پیاسا گرتا پڑتا جھونپڑی تک پہنچ ہی گیا۔ جھونپڑی کے اندر ملگجی سی روشنی ٹمٹما رہی تھی۔ کندن کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔

لاج۔

کندن نے کروٹ بدل کر لاج کو دیکھا۔

کیا بات ہے۔

بابا ادھر دروازے کے پاس سے چھت ٹپک رہی ہے۔

وہ قطرہ قطرہ پانی بہتے ہوئے دیکھنے لگی۔

دروازے کے پاس مت جا' اپنا کام کر۔

کندن نے کہا۔

لاج کندن کے کہنے کے مطابق چولہے کے پاس چلی گئی۔

بارش تو کچھ تھم گئی ہے۔

لاج نے آہستہ سے کہا۔

ہاں آواز کم ہو گئی طوفان کی۔

کندن لحاف لپیٹے اب چارپائی پر بیٹھ گیا۔

کیا کرنے لگی ہو۔

کندن کا دل اس وقت چائے پینے کو کر رہا تھا۔

چائے بنا رہی ہوں تمہارے لیے۔

لاج نے چولہے پر پانی رکھ دیا۔

اچھا، خدا تمہیں سلامت رکھے۔ ہمیشہ میرے دل کی بوجھ لیتی ہے۔

کندن ساری جان سے مرمٹا۔

لاج ہنس دی۔

بکری لے آئی ہو۔

کندن نے ایک دم چونک کر کہا۔

تو اور نہیں بھلا، ایسی بھی ست نہیں بابا میں، ہاں۔

لاج نے بڑی معصومیت سے ہنس کر کہا۔

چائے بنا کے یہیں لے آؤ، ٹھنڈ سے بچاکر، پگلی۔

وہ لیٹتا ہوا بولا۔

اچھا اچھا، میری فکر نہ کر، میں تو آگ کے پاس بیٹھی ہوں۔

کندن نے ایک نظر اس کی جانب دیکھا۔ آگ کی روشنی میں اس کا چہرہ دھک رہا تھا۔ کتنا حسن تھا اس میں لاجونتی کا، وہ کس قدر حسین دکھائی دے رہی تھی۔

تیری ہی تو مجھے فکر ہے۔ تو ہی تو سرمایہ حیات ہے جس کے لیے زندگی کی چند سانسیں باقی ہیں۔

کندن چارپائی پر سیدھا لیٹے ہوئے بولا۔

لاج نے چائے بنالی تھی۔ وہ پیالے میں ڈال کر کندن کے پاس آئی۔

بابا، لو چائے۔

لے آئی۔

کندن اٹھتے ہوئے بولا۔

ٹھک ٹھک۔

ایک دم دونوں ہی لرز گئے۔

کندن کے جسم کا سارا خون منجمد ہو گیا۔ جسم کی طاقت نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

لاج نے آنکھیں پھاڑ کر کندن کے حراساں چہرے کو بغور دیکھا۔ اس کے چہرے پر دہشت کے عجیب تاثرات تھے۔

ٹھک ٹھک۔

یہ آواز اس سناٹے میں ماحول کو خوفناک اور پراسرار بنا رہی تھی۔ لکڑی کے دروازے پر دستک دہشت ناک منظر پیدا کر رہی تھی۔

اچھا تو چل، دوسری طرف، خبردار جو باہر آئی، میں دیکھتا ہوں۔

کندن دل کو مضبوط کرتا ہوا اٹھا۔ اس کے دل میں طوفان لرز رہا تھا۔

لاج لکڑی کے بڑے سے پھٹے کے عقب میں چھپ گئی۔

کندن نے لرزتے ملرزتے ہاتھوں سے کنڈی گرا دی۔

کون ہے۔

کندن نے گرجدار آواز میں کہا۔ اسے یقین تھا کہ یہاں جب بھی کوئی آئے گا اس کو گرفتار کرنے ہی آئے گا۔ ورنہ عام آدمی کا گزر اس جگہ نہیں ہو سکتا۔

آداب۔

روشن نے مودب سلام کیا۔

کون ہو تم، اور اس طوفانی رات میں؟

کندن کا انداز ترش تھا۔

میں مسافر ہوں بابا جی، رات بسر کرنا چاہتا ہوں۔

وہ خود بخود جھونپڑی میں آگیا۔

عجیب واہیات قسم کے انسان ہو۔ میں نے تمہیں اندر آنے کی اجازت کب دی ہے۔

کندن کو روشن کی بے تکلفی پر غصہ آگیا۔

گھبرائیے نہیں، میں شریف آدمی ہوں۔ رات بسر کرلوں گا تو چلا جاؤں گا۔

وہ بالوں سے پانی جھاڑتے ہوئے بولا۔

عجیب قسم کے نوجوان ہو۔ تمہیں اس موسم میں گھر سے نکلنے کی ضرورت کیوں پڑی۔ کندن بڑے کرخت لہجے میں بولا۔

جب شہر سے نکلا تھا تو راستہ اور موسم دونوں ہی ٹھیک تھے۔ کیا معلوم تھا راستے میں موسم ایسا ہو جائے گا۔

وہ بڑی سادگی سے اور بے تکلفی سے بوٹ زور زور سے زمین پر مارتے ہوئے کہنے لگا۔ کندن پیچ و تاب کھانے لگا۔

تاریکی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روشن نے جھونپڑی کے چاروں جانب دیکھا لیکن وہ کہیں نظر نہ آئی۔ اسے کیا معلوم وہ چھپّے کی اوٹ سے کندن اور روشن کی نوک جھونک پر ہنس رہی تھی۔

پہلے صاف صاف بیان کرو تم شہر سے تو نہیں آئے۔

کندن نے روشن کو شہر والوں کی وردی میں ملبوس دیکھ کر کہا۔

جی نہیں' میں تو یہاں سے چند کوس کے فاصلے پر ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا ہوں۔ روشن نے بوڑھے کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے کہا۔

ہوں

روشن کندن کے ساتھ ہی چارپائی تک آگیا۔

اچھا تو تمہارا اہل شہر سے کوئی تعلق نہیں۔

کندن نے اس کو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔

جی میاں' میرا اہل شہر سے بلکہ وہاں کے کسی بھی فرد سے کوئی واسطہ نہیں۔

روشن نے معاملہ جلد ہی صاف کر دیا اور خود کندن کی فہمائش پر سامنے لاج کی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

کیا بات ہے آپ شہر سے بہت خائف معلوم ہوتے ہیں۔

روشن نے اندرونی طور پر چبھتی ہوئی بات کہی تھی۔

نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں۔

کندن نے بڑی بہادری کا ثبوت دیا۔ روشن کو کیا معلوم یہ شخص شہر سے کس قدر دل برداشتہ ہے۔

ایک دم کندن چونک کر اٹھا اور روشن کو اپنی چارپائی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ لاج کی چارپائی اٹھا کر دوسری جانب لاج کے لیے بچھا دی۔

لو چارپائی' سو جاؤ' سارے دن کی تھکی ہوئی ہو۔

وہ لاج کا بستر بچھاتے ہوئے بولا۔

لاج کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ بستر بچھتے ہی دم سے لیٹ گئی۔ کندن نے موٹا کپڑا جو چادر نما تھا اس پر اوڑھا دیا اور خود روشن کے پاس آگیا۔

اس طرف کون ہے۔

روشن نے جان بوجھ کر کہا۔

تمہیں اس سے کیا' اپنے کام سے کام رکھو۔

کندن نے ایک دم روشن کو جھاڑ دیا۔

روشن شرمندگی سے مسکرا دیا۔

اور پھر یوں ہی ساری رات گزر گئی۔ بقول روشن کے خبیث بڈھے نے لڑکی سامنے ہی نہیں کی۔ سحر کی آمد کے ساتھ ہی کندن اٹھا۔ نماز سے فارغ ہو کر خود ہی چولہے کی جانب بڑھ گیا۔ موسم ڈھل سا گیا تھا۔ ہر چیز اجلی اجلی سی نظر آ رہی تھی۔ اس لیے ایسے موسم میں لاج نے چولہا جھونپڑی کے باہر ایک بڑے پہاڑ کی اوٹ میں بنا رکھا تھا۔

آپ کیوں یہ سب کام کر رہے ہیں۔ گھر میں کوئی عورت نہیں کیا' آواز تو آ رہی تھی۔ روشن کو کندن کی حرکت پر غصہ آگیا۔ وہ لاج کے ہوتے ہوئے کیوں چائے کا پانی رکھ رہا تھا۔

میں کہتا ہوں' خاموش ہو کر بیٹھو۔ تمہیں چائے درکار ہے جو میں تمہیں بنا کر دے سکتا ہوں۔

کندن زبردست ترش روئی سے بولا۔

روشن خاموش چولہے میں خشک گھاس پھونس ٹھونسنے لگا۔

کندن اندر چلا گیا۔ چھپّے کے پیچھے اس نے آہستہ سے دیکھا۔ لاج ابھی تک سو رہی تھی لیکن وہ چارپائی کی پائنتی کی جانب بڑھا۔ روشن کے بیٹھنے سے وہ ٹوٹ گئی۔ کندن نے دیکھا لاج کے سفید سفید پیر چادر سے نکل کر لٹک رہے تھے۔

کندن نے متاع حیات کو اٹھایا اور دوسری جانب اپنے بستر پر لٹا دیا۔ لاج کی پیشانی سے بال ہٹائے اور چادر اوڑھا کر ابھی پلٹا ہی تھا کہ روشن کو دیکھ کر وہ بری طرح ٹھٹھکا۔

تم پھر آ گئے۔ میں کہتا ہوں باہر بیٹھو۔

یہ بوجھ اٹھانے کی کیا ضرورت تھی' میں جو تھا۔

روشن بھلا کب ٹلنے والا تھا۔

بکو نہیں' تمہارا مطلب ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مت بھولو' میں اب بھی توانا ہوں اور اس پھول کا بوجھ اٹھا سکتا ہوں۔ خدا نے مجھے بہت طاقت دے رکھی ہے۔

کندن نے انداز تفاخر سے روشن کی طرف دیکھا۔

بالکل بالکل' دیکھنے میں تو آپ بوڑھے نظر نہیں آتے۔

روشن نے کہہ ہی دیا۔

آؤ باہر۔

کندن جاتے جاتے روشن کو ساتھ لے گیا۔

کندن نے چائے بنائی اور ایک پیالہ خود لیا اور ایک روشن کو دیا۔

نوجوان۔

کندن اچانک کچھ سوچ کر بولا۔

فرمائیے۔

روشن اپنے فطری ادب کو بروئے کار لاتے ہوئے بولا۔

آج تک اس جگہ کوئی انسان نہیں آیا تھا۔ تمہیں یہاں کا راستہ کس نے بتا دیا۔ کندن کے اندر حیرت کا عنصر پوشیدہ تھا۔

جی' میں جان بوجھ کے نہیں آیا' میں دراصل شہر سے اپنے گاؤں جا رہا تھا کہ بارش اور طوفان کی وجہ سے میں نے خود ہی گھوڑے کو پہاڑی علاقے کی طرف کر دیا کہ شاید کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں میں گھوڑے کو کھڑا کر سکوں۔ اچانک دیکھا تو آپ کی جھونپڑی کی روشنی کھینچ لائی۔

روشن نے سیدھی سادی سی بات بتائی۔

ہوں' اور لو گے چائے۔

کندن نے مہمانداری کا بھرپور مظاہرہ کیا۔

جی شکریہ' میں ایک وقت میں ایک پیالہ ہی پینے کا عادی ہوں۔

روشن اب تنگ ہو رہا تھا۔

اچھا جیسے تمہاری مرضی۔

کندن نے پیالہ بھرا اور لاج کے لیے لے گیا۔ وہ جھرنے سے منہ ہاتھ دھو کر جھونپڑی کے صحن میں بیٹھی آٹا گوندھ رہی تھی۔

ارے تو کام کر رہی ہے۔

وہ خوشی سے بھرپور نظروں سے لاج کو دیکھ کر بولا۔

لاج نے آٹا گوندھ کر ایک طرف رکھ دیا۔

اب روٹیاں کہاں پکانی ہیں۔

میں پکا لوں گا۔

کندن نے کہا۔

نہیں بابا' تم مہمان کو اندر لے آؤ' میں باہر پکا لوں گی۔

اچھا۔

یہ بات کندن کے دل کو بھی لگی۔

چنانچہ کندن نے روشن کو اندر آنے کے لیے کہا اور لاج کو جھونپڑی کے دوسری طرف باہر نکال دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد لاج نے کھانا تیار کر لیا۔ کندن اور روشن نے مل کر کھایا۔

دھوپ بہت نکل آئی تھی۔ روشن جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

کندن کو ایسے ڈھیٹ مہمان سے نفرت ہونے لگی جو رات بسر کرنے کے بعد بھی جانے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

بابا۔

لاج نے چھپٹے کی اوٹ سے آواز دی۔

روشن کے کان کھڑے ہو گئے۔

کیا بات ہے۔

کندن اس کے پاس جاتے جاتے بولا۔

دریا پر نہیں جاؤ گے۔

لاج نے جیسے کندن کو یاد دلایا۔

کیوں نہیں جاؤں گا' یہ مصیبت ٹلے تو تب نا۔

کندن بری طرح جھنجلا گیا تھا۔

ہوں' روشن نے سب کچھ سن لیا تھا۔ بھلا فاصلہ کتنا تھا۔ صرف درمیان میں ایک لکڑی کے پھٹے کی دیوار تو تھی۔

بابا آہستہ بولو' سن لے گا۔

لاج متفکر ہو گئی۔

سن لے' میں ڈرتا نہیں ہوں۔

کندن کہتے ہوئے روشن کے پاس پلٹ آیا۔

روشن دل ہی دل میں بری طرح جل گیا۔ اس نے بھی لاج سے ملاقات کی قسم کھالی تھی۔

اچھا' بابا اب اجازت دو۔

روشن ایک دم کھڑا ہو گیا۔

بس جا رہے ہو۔

کندن ازراہ اخلاق بولا۔

جی ہاں' بہت دن نکل آیا۔

روشن نے کھڑے ہو کر پتلون کی پیٹی کو درست کیا۔

دل ہی دل میں کندن نے ہزار بار شکریہ ادا کیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ روشن کے دل میں کیا ہے اور کندن کے اس رویے سے کیا بیت رہی ہے۔

چلو' میں تمہیں دریا کے اس پار پہنچا دیتا ہوں۔

کندن نے روشن کو ساتھ ہی لے جانا چاہا۔

جی نہیں' آپ کا بہت بہت شکریہ' میرا گھوڑا یہاں سے دور ایک درخت کے ساتھ بندھا ہے' میں چلا جاؤں گا۔

روشن کا لہجہ خشک تھا۔ ویسے بھی وہ کندن کی ہوشیاری جانچ گیا تھا کہ وہ کہیں

واپس نہ پلٹ آئے۔ وہ اندرونی طور پر کندن کی عادات اور غصے سے خائف بھی تھا۔

ٹھیک ہے' جیسے تمہاری مرضی۔

کندن نے بھی اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا۔

اس کے ساتھ ہی وہ جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

میں جا رہا ہوں' اب بکری مت لے کر جانا' صرف جھرنے پر ہی رہنا۔

وہ حسب عادت لاج کو نصیحت کرتا ہوا واپس پلٹ آیا۔

روشن کندن کے سامنے ہی چھوٹی موٹی جھاڑیاں اور ریت کے ٹیلے پھلانگتا ہوا چلا گیا۔ کندن کو جب اطمینان ہو گیا کہ اب یہ مصیبت ٹل گئی ہے تو وہ لاج کو خدا حافظ کہتا ہوا دریا پر چل دیا۔

لیکن یہ عشق اتنا کچا نہ تھا کہ جو معمولی معمولی رخنہ اندازیوں سے سسک اٹھتا۔ وہ چٹان تھا' کوئی ریت نہ تھی جو بکھر جاتی۔ وہ ایک ٹیلے کی اوٹ میں دیکھتا رہا کہ کندن دریا پر ذرا نظروں سے اوجھل ہو اور وہ واپس جھونپڑی کی طرف چل دے۔

جب روشن کو یقین ہو گیا کہ اب بوڑھا پلٹ کر دیر سے ہی آئے گا تو وہ جھونپڑی کی جانب لوٹ آیا۔

لاج۔

روشن نے ایک پتھر کی اوٹ سے پکارا۔

وہ ایک دم چونکی۔ گیلے دراز بال جھٹک کر کمر پر لٹکائے اور سامنے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

روشن تم۔

ہاں میں۔

روشن اس کے قریب چلا گیا۔

لیکن تم تو جا چکے تھے۔

لاج نے ایک طرف بال نچوڑتے ہوئے کہا۔

کہاں جا سکتا ہے تیری ناگن زلف کا ڈسا ہوا بھلا کہاں جا سکتا ہے۔

روشن نے لاج کے دراز گیسو بڑی دلچسپی سے دیکھ کر کہا۔

لاج عجیب سی ہو گئی۔

روشن اب اداس ہو گیا تھا۔

کیا ہے۔

لاج نے حیرن کن نظریں روشن کے چہرے پر ڈالیں۔ روشن نے بھی نظریں اٹھائیں۔ اف ایک طوفان آیا' برق تڑپی اور اس تصادم میں دونوں پاش پاش ہو گئے۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے۔

لاج نے دیکھا کہ وہ ایک پتھر کے سہارے خاموش کھڑا تھا۔

میں تمہارے بوڑھے سے تنگ آگیا ہوں۔ آخر کب جان چھوڑے گا ہماری۔

روشن نے جھلا کر کہا۔

ایسا نہ کہو روشن' بابا سے علیحدگی کا میں تصور بھی نہیں کر سکتی۔

لاج کو روشن کی بات اچھی نہ لگی۔

تو پھر تم کب دلہن بنو گی' کب میرے گھر آؤ گی۔ یہ کیوں تمہاری شادی نہیں کرتا۔

روشن نے غصے سے لاج کے شانے پکڑ کر جھنجلاتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔

گھبراؤ نہیں روشن۔ تمہیں کیا معلوم' مجھے تم سے کتنا پیار ہے۔ تم میری روح میں زندگی ہو' میرے وجود کے صرف تم ہی سہارے ہو۔ کبھی کبھی میں سوچتی ہوں کہ تم میرے لیے کتنے ضروری ہو گئے ہو جیسے روح اور جسم کا رشتہ' چاند اور چاندنی کا رشتہ۔

لاجو' میری جان۔

روشن نے محبت سے مغلوب ہو کر لاج کو ساتھ لگا لیا۔ وہ ساری جان سے مر چکا تھا۔

تو میرا سکھ ہے۔

تو میری چاندنی ہے۔

تجھے میں کبھی نہیں کھو سکتا' تیرا میرا ازل کا رشتہ ہے۔

روشن نے باہیں پھیلا دیں اور وہ پھول سے بدن کو روشن کے شفاف کشادہ سینے میں سموتی چلی گئی۔

بابا کو مت برا کہا کرو' تمہیں نہیں معلوم وہ کیا ہے۔ اس کا وجود میرے لیے کتنا ضروری ہے۔

لاج نے کندن کی اہمیت واضح کرنا چاہی۔

لاجو۔

اچانک دونوں بری طرح اچھلے۔

جھونپڑی سے کندن کی آواز آئی تھی۔

روشن خدا کے لیے چلے جاؤ' ورنہ طوفان آ جائے گا' جاؤ۔

لاج نے پوری طاقت سے روشن کو دھکا دیا۔ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے سیدھا ایک گھنی جھاڑی کی طرف بھاگ کر چھپتا چھپاتا چلا گیا۔

لاجو۔

کندن کی آواز میں اب اور بھی لرزش تھی۔

میں یہاں ہوں' لیکن آتا نا' میں نہا رہی ہوں۔

لاج نے ایڑیاں اٹھا کر دیکھا وہ اب بھی جاتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

وہ بلند آواز سے بولی۔

اچھا جلدی کرو' تجھے دیکھے بنا نہیں جاؤں گا۔

کندن جھونپڑی کے اندر ہی سے بولا۔

لاج چند لمحے منتظر رہی پھر جب اس کو اطمینان ہو گیا کہ اب روشن چلا گیا ہے تو جھرنے سے بالوں کو پھر سے بھگویا اور بھیگے بھیگے بال لے کر جھونپڑی میں داخل ہو گئی۔

آ گیا بابا' اتنی جلدی۔

لاج نے حیرت کا اظہار کیا۔

ہاں' تیری حفاظت کرنا میرا فرض ہے۔ آج ایک مدت کے بعد یہاں انسان ک

بچہ آیا ہے۔ تو دل خوف سے دھڑکنے لگا ہے۔ اب اور میں تمہیں کہاں لے کر جاؤں' دنیا تیرے پیچھے پڑی ہے۔ لوگ تجھے چھیننا چاہتے ہیں۔ جب تو ہی نہ رہی تو دنیا میرے کس کام کی۔

کندن نے لاج کے بھیگے بالوں پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرا۔

بابا' نہ اتنا غم کیا کر' مجھے کوئی یہاں سے نہیں لے جا سکتا۔ بھلا دنیا کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔

وہ بھولے پن سے کندن کے قریب چلی گئی اور پیار سے اس کے چہرے کو اپنی طرف کر لیا۔

دنیا کو تجھ سے نہیں مجھ سے دشمنی ہے۔ لوگ میری وجہ سے تجھے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں۔۔

بابا' یہ کیا کہہ رہے ہو۔ ہم نے کون سا دنیا کا جرم کیا ہے' کیا بگاڑا ہے زمانے کا ہم نے۔

تمہیں کیسے بتاؤں کہ تیرا جرم کس قدر سنگین ہے' اچھا چھوڑو' کس جھگڑے میں پڑ گئی ہو۔

کندن نے لاج کے روشن چہرے پر محبت سے بھرپور نظر ڈالی اور کھڑا ہو گیا۔

کندن کے جانے کے بعد لاج نے دروازہ اندر سے بند کر لیا اور وہ پلٹ کر واپس آ گئی۔

لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چونک اٹھی۔

کون ہے۔

گھبرا کر لاج نے کنڈی کھول دی۔

بابا تمہیں چین نہیں آتا۔

لاج نے بے ساختہ کندن کے پریشان چہرے کو بغور دیکھا۔

وہ اجنبی میرا چین لے گیا ہے۔

کندن نے لاج پر پراسرار نظریں ڈالیں۔

اب کیا ہوا۔

لاج نے سہم کر کہا۔

میں اس لیے آیا تھا کہ جو کام بھی کرنا ہے جھونپڑی کی پچھلی طرف سے کر لیا رو' ادھر سامنے سڑک ہے۔

کندن نے دائیں جانب اشارہ کیا۔

سڑک' بابا وہ تو کوسوں دور ہے۔

لاج کو کندن کی سادگی پر ہنسی آ گئی۔ ویسے بھی اس نے محبت کے مارے کندن کا اندیشہ دور کرنا چاہا۔

کوسوں دور کا مسئلہ نہیں لاجو' میری زندگی کا سوال ہے۔ میں موت سے اذیت ناک حالت میں مرنا...

بابا' کیا کہتے ہو۔

لاج نے تڑپ کر کندن کے سینے پر اپنا سر رکھ دیا اور بچوں کی طرح سسک اٹھی۔

دنیا مجھے کبھی نہیں چھوڑے گی لیکن میں ... میں زمانے کو آگ لگا دوں گا اور نہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا' نہیں کروں گا۔

کندن نے تشنہ جذبات سے مغلوب ہو کر پوری طاقت سے دبایا۔

مار دو مجھے' مار دو بابا...

لاج بیتاب تکلیف سے بے قرار کندن کے ہاتھوں میں جھول گئی۔

اوہو' تمہیں دکھ ہوا۔

بڑے مضطرب انداز میں کندن نے لاج کے شانے سہلائے اور انتہائی پیار و لاڈ سے جھک کر لاج کے نازک شانوں کو باری باری چوم لیا۔

اب تو نہیں دکھتے شانے۔

وہ جھکا۔

نہیں۔

لاج ہنس دی۔

تم تو بابا کبھی کبھی عجیب سی باتیں کرتے ہو' مجھے سمجھ نہیں ...

تم سمجھ کر کرو گی بھی کیا۔

کندن نے لاج کے سرخ سرخ رخساروں پر چپت لگائی اور دروازے سے نکل گیا۔

لیکن۔

لاج کو گہری سوچوں میں مبتلا کر گیا۔

اے میرے خدا' یہ کیا ماجرا ہے۔

بابا کیوں ایسی باتیں کرتا ہے۔

ہم تو ہمیشہ سے جنگلوں کے باسی ہیں۔

لیکن کوئی بات اس کے ناپختہ ذہن میں نہ آئی۔ وہ حیران حیران سی بالوں میں کنگھی کرتی رہی۔

الجھے بالوں کی طرح زندگی کی الجھن بھی سمجھ نہ سکی۔

☆



وہ لٹا لٹا سا شکستہ حال گھر پہنچا۔ آج اسے روحانی اذیت پہنچی تھی۔

جی چاہتا ہے اس بڈھے کا سر کچل دوں۔

وہ بے چین ہو گیا۔ اس کا ذہن کھولتے ہوئے پانی کی طرح پکنے لگا تھا۔ تشنگی محبت کی آگ نے سارے بدن کو جھلسا کر رکھ دیا تھا۔ ذہنی اذیت جسمانی کوفت اور لاج کی محبت کے زہر نے اس کے بدن کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ جل رہا تھا محبت کی آگ میں۔ وہ اس اذیت کو برداشت نہ کر سکا اور جاتے ہی بخار کی حدت میں جل اٹھا۔

دردو کرب کی لہریں اس کے اعصابی نظام کو درہم برہم کر چکی تھیں۔

ماں۔

دروازے کو گرتے گرتے اس نے دستک دی۔

شمی نے بھاگ کر جلدی سے کنڈی کھولی۔

روشن' میرے چاند' کیا ہو گیا تمہیں۔

شمی نے بڑھ کر ممتا بھری آغوش میں چھپا لیا لیکن وہ جوان بیٹے کا بوجھ برداشت نہ کر سکی۔ وہ شمی کے شانے سے گھسٹتا ہوا قریب ہی چارپائی پر گرا۔

ہائے اللہ' تجھے کیا ہو گیا میرے لال۔ کس کی نظر لگ گئی میرے بچے کو۔

شمی نے کیفیت اضطراب میں روشن کو سیدھا کیا اور دیوانوں کی طرح دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

اے بھائی کرمو' آنا ذرا۔

شمی نے کرمو کے دروازے پر ہی پکارا۔ ساری بستی میں وہ نیک آدمی تھا۔

آ جاؤں، شمی بہن، کیا بات ہے۔

کرمو بااخلاق انداز میں مسکرایا۔

وقت ضائع نہ کرو، روشن کو نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔

کیا بات ہے، خیر تو ہے، بڑی گھبرائی ہوئی ہو۔

کرمو لمبے ڈگ بھرتا شمی کے قریب آ گیا۔

بھائی کرمو، روشن باہر سے آیا ہے، اس وقت سے بے ہوش ہے۔ چلو میرے ساتھ۔ وہ بیتابی سے کرمو کو کھینچنے لگی۔

اچھا۔

کرمو جوتا پہن کر شمی کے ہمراہ اس کے گھر تک آ گیا۔

یہ دیکھو۔

شمی کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔

گھبراؤ نہیں، اللہ خیر کرے گا۔

کرمو نے روشن کی پیٹی ڈھیلی کی اور ٹانگیں چارپائی پر سیدھی کیں۔

اتنی دیر میں شمی پانی کا برتن لے آئی۔ کرمو نے جلدی جلدی ٹھنڈے پانی کے چھینٹے روشن کے چہرے پر مارے۔

لاج۔

روشن کے اداس زرد ہونٹوں سے یہی نام ابھرا۔

شمی کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ وہ پت جھڑ کے برگ و ثمر کی طرح لرز اٹھی۔

کرمو کانوں سے بہرا تھا۔ وہ سن نہ سکا۔ اگر وہ سماعت رکھتا تو ساری بستی کے لیے نیا طعنہ بن جاتا۔

اسے تو بہت بخار ہے بہن۔

کرمو نے روشن کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھا۔

میں حکیم جی کو لے آؤں۔

شمی دروازے کی طرف بڑھی۔

تم بیٹھو، میں جاتا ہوں۔

کرمو جلدی سے دروازے کی دہلیز پار کر گیا۔

پندرہ بیس منٹ گزرنے کے بعد کرمو حکیم جی کے ساتھ آ گیا۔ آتے ہی حکیم نے گلا صاف کر کے اپنی آمد کا احساس دلایا۔

شمی کھڑی ہو گئی۔

کیا بات ہے نوجوان۔

حکیم نے نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔

بہت زیادہ صدمہ پہنچا ہوا ہے۔

حکیم جی نے حیران نگاہیں روشن کے ہونٹوں پر گاڑ دیں۔ وہ کچھ بڑبڑا رہا تھا لیکن بغیر آواز کے۔

یہاں تو کوئی بات نہیں ہوئی۔

شمی گھبرائی ہوئی حکیم کو تکنے لگی۔

حکیم نے چند پڑیاں شمی کو پکڑا دیں۔

گھبرانے کی ضرورت نہیں، اللہ آرام دے گا۔ کھانے میں روٹی کی احتیاط کریں۔

جی بہتر۔

شمی نے پکڑتے ہوئے روشن کے ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ پر اپنی سماعت کو پیوست کر دیا۔

لاج، لاج، وہ بار بار یہی پکار رہا تھا۔

ہائے اللہ ''یہی نام کندن کو دیوانہ کر گیا تھا۔ اور وہ پاگل ہو کر گھر چھوڑ کر چلا گیا اور اب میرے بچے کو...

حوصلہ کرو بہن، بچے بیمار ہوتے ہی ہیں۔

کرمو نے دلاسہ دیا اور حکیم کے ساتھ باہر نکل آیا۔

کرمو اور حکیم چلے گئے۔

لیکن وہ دیوار کے ساتھ لگی تڑپ تڑپ کر رو دی۔ اس کا دل ڈوب گیا تھا۔

اس نام نے کیوں آسیب کی طرح میرے خاندان کا کا تعاقب کر لیا ہے۔

ماں۔

روشن نے کروٹ لی۔

میرے چاند۔

شمی دفعتاً" روشن پر جھکی، اور اس کی تپتی ہوئی پیشانی چوم لی۔

اماں، تم رو رہی ہو۔

روشن ایک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور اپنے رخساروں کے ساتھ ماں کے آنسو صاف کرنے لگا۔

روشن بیٹے، وہ سسک اٹھی۔

اماں، کیوں رو رہی ہو۔

روشن نے ہاتھ بڑھا کر ماں کے چہرے سے آنسو جھٹک دیے اور خود تکیے کے سہارے لیٹ گیا۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے بیٹے۔

وہ آنسو پونچھتے ہوئے دلگیر آواز میں بولی۔

میری بیماری اس وقت ختم ہو گی ماں جب میں لاج کو لے آؤں گا۔

روشن سختی سے بولا۔

لاج۔

شمی سسک اٹھی۔

اس نام کو بھول کیوں نہیں جاتے، اب دوبارہ کون سی لاجونتی اس گھر کو تباہ کرنے کے لیے پیدا ہو گئی۔

اندیشوں کے زہریلے ناگ شمی کا ذہن چاٹ رہے تھے۔

روشن بیٹے، میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ اپنے باپ کے نقش کو مٹا دو بیٹے، اس نے بھی کسی محل والوں کی لاجونتی سے محبت کی تھی اور یہ دن دیکھنا نصیب ہوا اور اب تم ...

وہ چند لمحے رک گئی پھر آنسوؤں کے زبردست ریلے کو چادر کی تہہ میں چھپانے لگی۔ جب ضبط کا چارا نہ رہا تو وہ منہ چادر کے پلو میں چھپا کر زار زار

دلخراش سسکیاں لینے لگی۔

اماں۔

روشن کے حواس پر بجلی سی گری۔ اس کی ماں کے آنسوؤں سے ساری کائنات کی فضا مکدر ہو گئی تھی۔ وہ بے خود ہو گیا۔ ماں کو اس طرح روتے دیکھ کر وہ بھی تڑپ اٹھا۔

اماں۔

روشن نے معصوم بچے کی طرح ماں کو سینے سے لگا لیا۔

غم نہ کر اماں، میری لاج کسی محل والوں کی پروردہ نہیں ہے۔ وہ تو ہم سے زیادہ غریب سی لڑکی ہے۔

اگر غریب لڑکی ہے تو تمہیں اس قدر پریشانی کیوں ہے۔ غریب تو کبھی دوسروں کے ارمانوں کا خون نہیں کرتے۔

شمی نے چونک کر کہا۔

وہ بڈھا اس پر ناگ بن کر بیٹھا ہوا ہے۔ کسی وقت بھی اسے تنہا نہیں چھوڑتا۔

روشن نے جوش جذبات میں مٹھیاں بھینچ لیں۔

ایسا نہ کہو بیٹے، آخر کو وہ اس کا باپ ہے۔

وہ اس کا باپ نہیں لگتا، آج تک میں نے نہیں سنا کہ اس نے لاج کو بیٹی کہہ کر پکارا ہو لیکن مجھے اس کی محبت پر شک نہیں۔

روشن شدید الجھن میں گرفتار ہو گیا۔

کیسا ہے وہ بوڑھا۔

شمی نے دل پر ہاتھ رکھ لیا۔

بہت خوبصورت ہے ماں، تنومند ہے، صحت مند ہے۔

روشن نے پراسرار سی خاموشی اختیار کر لی۔

بیٹا، مجھے کسی دن وہاں لے چلو، میں تمہاری خاطر اس بوڑھے کے پاؤں پکڑ لوں گی۔

شمی نے بیٹے کی خاطر ہر فیصلہ قبول کر لیا تھا۔

کاش ایسا ہو سکتا' وہ بوڑھا کسی سے نہ خود ملتا ہے اور نہ اس معصوم کو ملنے دیتا ہے۔ لاج سے ملاقات کی تشنگی کبھی نہیں بجھ سکتی۔

آخری فقرا روشن نے آہستہ سے ادا کیا۔

لے چلو گے مجھے۔

شمی نے اصرار کیا۔

کیسے لے چلوں ماں' وہ تو قیامت کھڑی کر دے گا۔

اچھا' وہ روشن کو دیکھتی رہ گئی۔

اس کی آنکھوں کی ویرانیاں۔

دید کی پیاس۔

دل کی بیقراری اور چہرے کی اداسی اس سے دیکھی نہ جاتی تھی۔ یوں ہی کئی راتیں اس نے بے چین گزار دیں۔ کائنات کے چار افراد اپنی اپنی آگ میں جل رہے تھے۔ کندن ماضی کی اذیت اور مستقبل کی چنگاریوں سے خوفزدہ تھا۔ روشن محبت و چاہت کی آگ میں جھلس چکا تھا۔ لاج دو طرفہ الاؤ میں جل رہی تھی اور کسی بھی طرف سے بچنا محال تھا اور شمی جس کو کندن کی دیرینہ جدائی اور بیٹے کی تکلیف نے بے حال کر دیا تھا۔

☆

☆○☆

کائنات کا ہر فرد جل رہا تھا۔ آگ چاہے کیسی بھی ہو بہرحال آگ ہے لیکن روشن کی آگ بجھنے والی نہ تھی۔ جوں جوں لاج سے ملاقات کا وقت گزرتا جاتا وہ اور بھی افسردہ اور محبت کی آگ میں جھلستا جا رہا تھا۔ اس کا تن من جل کر راکھ ہو چکا تھا۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ آج لاج کو ملے ہوئے ایک عرصہ بیت گیا ہے تو وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ اٹھا اور جیسے پھر وہ ہی پہاڑوں میں ڈھکی چھپی جھونپڑی میں ایک حسینہ اس کی منتظر ہو۔

میں جاؤں گا۔

وہ یہ سوچ کر شب کے انتظار میں بستر پر لیٹا رہا کیونکہ تاریکی اس کی بہترین ساتھی تھی۔ ان اندھیروں نے اس کی محبت کو روشن کر لیا تھا۔ دریا کے قریب اپنی مخصوص جگہ پر روشن نے گھوڑے کو برگد کے درخت تلے باندھ دیا۔ خودرو جھاڑیاں راستے کے نشیب و فراز پار کرتا جھونپڑی کے اندر سے حسب معمول دیے کی ملگجی روشنی ماحول کو جگمگا رہی تھی۔

لاجو۔

روشن چونک گیا۔ ستاروں کی ٹمٹماہٹ صبح صادق کا پیغام دے رہی تھی۔

کندن نے حسب معمول لاج کو پکارا۔

لاج' اٹھو نا' نماز کا وقت ہو چلا ہے۔

اٹھ جاتی ہوں بابا' سونے بھی دو نا۔

لاج عادت کے مطابق بچوں کی طرح سوئی سوئی بولی اور اس کے ساتھ کروٹ

لے لی۔

دن نکل آیا ہے پارہ کندن' اللہ ناراض ہو گا۔

کندن نے محبت سے لاج کے چہرے پر پھیلے ہوئے بال سنوارے۔

کندن' روشن کا دل دھک سے رہ گیا۔ اس بوڑھے کا نام کندن ہے۔

روشن بری طرح تذبذب کے عالم میں کان کھڑے کر چکا تھا اور چند قدم آگے چل کر جھونپڑی کی دیوار سے کان لگا دیے۔

نہیں ناراض ہوتا۔

وہ کہہ کر پھر دوسری جانب منہ کر کے سو گئی۔

کندن اس پیاری معصوم بے گناہ ہستی کے نازوادا پر دل کھول کر ہنس دیا۔

تو ٹھیک کہتی ہے' تجھ سے اللہ کبھی ناراض نہیں ہو سکتا۔ تو نے دنیا کا دیکھا ہی کیا ہے' اٹھارہ سال تو نے کسی اچھے برے انسان کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ میں نے تجھے شبنمی موتیوں کی طرح پاکیزہ رکھا ہے۔

محبت سے مغلوب ہو کر کندن نے لاج کی پیشانی کو چوم لیا۔

لیکن وہ فرشتوں کی نیند سوئی ہوئی تھی۔

اب کندن خاموش اس محبت کے خزانے کو دیکھتا رہا۔

لاجو۔

کندن نے چند لمحے گزر جانے کے بعد پھر پکارا۔

بابا' وہ جھنجلا گئی۔ نیند کی وہ سدا سے پیاری تھی۔

لاج نے کسمسا کر اپنے سر کو کندن کی گود میں رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

تیری ماں تو ساری رات میرے لیے بیدار رہتی تھی۔ تو کیوں اتنا سوتی ہے۔

کندن لاج کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

اسے نیند نہ آتی ہو گی۔

وہ ہنس کر کندن کی گود میں سر سیدھا کر کے بولی۔

ہاں' یہ بات بالکل ٹھیک ہے' اسے میرے بنا نیند کہاں آتی تھی۔ بلکہ محل کے جھروکے ہمیشہ اس کے وجود سے مزین رہتے۔

وہ ماضی کے حسین تصورات میں کھو گیا۔

محل' وہ کیا ہوتا ہے۔

لاج چونک اٹھی۔

لیکن باہر روشن کے دل میں یہ بات نقش ہو چکی تھی۔

کچھ نہیں' کچھ نہیں' میں تو خواہ مخواہ بولنے لگتا ہوں۔

کندن کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا۔

بابا تم میری ماں کا نام لے کر ہمیشہ کھو جاتے ہو۔

لاج نے کہا' اب وہ اٹھ بیٹھی تھی۔

تمہاری ماں چیز ہی ایسی تھی۔

کندن آہستہ سے خیالات کے ہجوم میں کھویا ہوا جیسے بڑبڑایا۔

بابا۔

لاج نے کندن کے شانے ہلائے۔

ہوں' کہو۔

کندن آہستہ سے ہمہ تن گوش ہوا۔

میرا بڑا دل کرتا ہے اپنی ماں کو دیکھوں۔

لاج کے الفاظ حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔

لاج' لاجونتی' اپنے آپ کو آئینے میں دیکھ لیا کرو' تو بالکل اپنی ماں کی تصویر ہے۔ تیری ماں تیری صورت تھی۔

کندن نے لاج کو ساتھ لگا لیا۔

جب تم سفید لباس پہنتی ہو تو بالکل اپنی ماں کی طرح لگتی ہو۔ کاش زمانہ مجھے اس سے جدا نہ کرتا۔ وہ میری محرم راز تھی۔ لاجونتی میرا سب سرمایہ حیات تھی۔

کندن ضبط نہ کر سکا۔ وہ لاج کے کمزور شانے پر سر رکھ کر تڑپ تڑپ کر رو دیا۔ وہ اتنا رویا' اتنا رویا کہ کندن کے مضبوط بدن کے خفیف جھٹکے اس کی بے کلی کا احساس دلا رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ جوش گریہ سے بے ہوش ہو جائے گا۔

بابا، میری جان، جان لاج، کیوں روتے ہو۔

لاج نے کندن کے چہرے پر اپنا چہرا رکھ دیا۔

کندن کے آنسوؤں کا سیلاب رک گیا۔

نہ رو بابا، تم روتے ہو تو زمین و آسمان رونے لگتے ہیں۔

لاج نے بڑے دلگیر انداز میں اپنے آنچل سے کندن کے آنسو خشک کیے اور کندن نے اس درد کے مداوے کو جھک کر پیار کر لیا۔

تو تو بڑی پیاری ہے، تیرے ہوتے ہوئے مجھے رونے کی کیا ضرورت ہے۔

کندن نے محبت پاش نظریں لاج کے چہرے پر گاڑ دیں جو اپنے مرمریں ہاتھوں سے اب بھی کندن کا چہرہ صاف کر رہی تھی۔

سردی کے بچاؤ کے لیے دونوں نے جھونپڑی کے اندر ہی وضو کیا اور اللہ تعالیٰ کے حضور فریضہ نماز ادا کیا۔

روشن تمام گفتگو سن چکا تھا۔ باہر کھڑے کھڑے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں۔

یہ بڈھا ضرور لاج کو کہیں سے اٹھا کر لایا ہے۔ آج میں اس سے کھل کر بات کروں گا۔

لیکن۔

وہ وہیں کھڑا کھڑا کسی گہری سوچ میں غرق ہو گیا کیونکہ کندن لاج کو کہہ رہا تھا۔

آج ناشتہ دریا پر ہی کروں گا۔

وہ کہتے ہوئے چلا گیا۔

وہ پہلے ہی وقت کا منتظر تھا۔ کندن کے جاتے ہی وہ جھونپڑی کے دروازے کی طرف بڑھا۔ ہلکی سی دستک دینے پر لاج نے کنڈی گرا دی۔

روشن۔

وہ ایک دم ٹھٹھکی۔

روشن اندر آ گیا، اور لاج کی پشت سے پلٹ کر کنڈی لگا دی۔

تمہیں یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔ اگر بابا دیکھ لے تو۔

وہ سہم سی گئی۔

دیکھ لے تمہارا بابا، میں نہیں ڈرتا تمہارے بابے شابے سے۔

روشن لاج کے قریب آ کر بڑی تحقیر و حقارت سے بولا۔

ارے واہ، اتنا دل گردہ لے کر آیا ہے تو پہلے کیوں اندر نہیں آیا تھا۔ اس دن بھی میں نے تیری بہادری دیکھ لی تھی۔ کیا بھیگی بلی بنا بیٹھا تھا بابا کے پاس۔

لاج بڑی شوخی سے ہاتھوں سے تمسخرانہ انداز بنا کر بولی۔

تو دیکھ رہی تھی۔

روشن مسکرایا۔

اور کیا، میں نے اس دن تیری اور بابا کی ساری باتیں سن لی تھیں۔

اچھا۔

روشن ہنس دیا۔ اسے لاج کے چہرے پر شریر شریر کئی رنگ ابھرتے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

لاجو، ایک بات تو بتاؤ۔

روشن سنجیدہ ہو گیا۔

کہو۔

لاج نے اپنے عارض سے کوئی آوارہ لٹ کو دائیں ہاتھ سے کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

روشن۔

تڑپ کر لاج نے روشن کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا۔

میرے بابا کو کوئی بری بات نہ کہنا۔ میں یہ برداشت نہیں کروں گی، ہاں۔

وہ جلدی سے بولی۔

تمہیں بابا پیارا ہے۔

روشن بے ساختہ لاج کے پلو کو اس کے شانوں پر پھیلاتے ہوئے بولا لیکن اس کا انداز حد درجہ رکیک تھا جسے لاج نے بھی محسوس کر لیا۔

ہاں، بالکل، اس نے میری پرورش کی ہے، ماں بن کر پالا ہے۔ اس کے سوا

مجھے یہاں کوئی اپنا نظر نہیں آتا۔

لاج بہت سنجیدہ ہو چکی تھی۔

اور میں' کیا مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔

وہ کس قدر ترسا ہوا بول رہا تھا۔

روشن مجھے تم سے بھی پیار ہے اور بابا سے بھی۔

وہ بڑی معصومیت سے انصاف کا دامن پکڑ کر بولی۔

میں کتنی دور سے تمہیں ملنے آتا ہوں اور یہاں آکر بابا سارے مسلے پر پانی پھیر دیتا ہے۔

روشن' میرے بابا کی مخالفت نہ کرو' ہاں' ورنہ میں کبھی تمہیں ...

وہ غصیلے انداز میں چولہے کی جانب بڑھ گئی۔

ایسا نہ کرنا' جانے کیوں تمہارے بن مجھے چین کیوں نہیں آتا۔

روشن اس کے پاس ہی چولہے کے قریب بیٹھ گیا۔

اسی لیے تو آج بہت دنوں کے بعد آئے ہو۔

لاج کے انداز میں نہ جانے گلہ شکایت کہاں سے ابھر آیا تھا۔

اچھا' روشن ساری جان سے فریفتہ ہو گیا۔ محبوب کس قدر اچھے طریقے سے مسیحائی کر رہا تھا۔

تمہیں میرا انتظار تھا۔

روشن کی آنکھوں میں ساری دنیا کا پیار سمٹ آیا۔

ہاں روشن' تمہارا مجھے اب انتظار رہنے لگا ہے لیکن بابا کے سامنے میں کسی قسم کا اظہار نہیں کر سکتی' وہ مردوں کو بہت برا خیال کرتا ہے۔

لیکن میں مردوں میں سے نہیں ہوں۔

اس کے ساتھ ہی لاج کا قہقہہ بلند ہوا۔

تم کن میں سے ہو۔

عاشقوں میں سے۔

ایک دم وہ [illegible] نے [illegible] چہرے کو بغور دیکھ[illegible] لا۔

اور لاج ہنس دی۔ شاید اس بات کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

چائے بنانے کے بعد اس نے روٹی پکانی شروع کر دی۔

اچھا روشن' تم چائے پیو۔

لاج نے بڑی اپنائیت سے روشن کا شانہ تھاما اور اس کے ہاتھ میں پیالہ تھمایا۔

کیا' روشن نے کہا۔

میں بابا کو ناشتہ دے آؤں اور تم یہاں بیٹھو۔

تم دریا پر جاؤ گی۔

روشن نے پیالہ ہونٹوں کو لگایا۔

ہاں بابا کو چائے دے آؤں۔ آج اس نے کچھ کھایا بھی نہیں۔

وہ بڑی ہمدردانہ انداز میں جیسے ساری محبت بابا پر نچھاور کرنے لگی۔

اچھا' جاؤ' مگر جلدی آنا' اور جب آؤ تو اکیلے ہی آنا۔ اس مصیبت کو مت ساتھ لانا۔

روشن نے کہا۔

اور لاج نے آنکھیں نکالیں۔

وہ لاج کے دلکش سراپا کو محبت پاش نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ نہ جانے روشن کی نظروں میں کیا تھا کہ وہ سر سے پاؤں تک لرز گئی۔ دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ وہ گھبرا کر جلدی سے باہر نکل گئی۔

اس کے ساتھ ہی روشن جھونپڑی کے باہر ایک پتھر کے اوپر بیٹھ کر لاج کے انتظار میں چائے پینے لگا۔

روشن چند سیکنڈ تو تنہا بیٹھا رہا پھر وہ اٹھا اور جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔ اس نے ساری جھونپڑی صاف کی۔ برتن صاف کیے اور ہر چیز کو اپنے اپنے ٹھکانے پر رکھا۔ تھوڑی دیر میں فارغ ہو کر واپس جھونپڑی کے قریب پتھر پر بیٹھ گیا۔

اچانک وہ بری طرح اچھلا۔ لاج نے پشت کی جانب سے روشن کی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔

لاجو۔

روشن نے محبت سے لاج کے ہاتھوں کو پکڑے قریب کر لیا۔

دونوں یوں ہی اندر چلے گئے۔

روشن۔

وہ جھونپڑی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔

یہ کیا کیا تم نے روشن۔

لاج نے بڑی عقیدت سے جھک کر روشن کے ہاتھ چوم لیے۔

لاج۔

بے ساختہ روشن نے لاج کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ اتنا قریب، اتنا قریب کہ دونوں کی سانسیں ٹکرا گئیں۔ جذبات میں ہلچل سی مچ گئی۔ ایک طوفان اٹھا۔ محبت کا طوفان، لازوال محبت۔ جس میں دونوں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ وہ ان وادیوں میں اتر گئے جہاں سے لوٹنا بہت مشکل تھا۔ لاج نے تو آج تک ایسا پیار ہی نہ دیکھا تھا۔ وہ چند لمحوں میں کوسوں میل کا سفر طے کر گئی۔ اس سے پہلے بھی روشن آتا رہتا تھا لیکن روشن کی بے پناہ محبت سے وہ اس کی دیوانی ہو گئی تھی۔ اتنا چاہتا تھا وہ اس کو۔ وہ ساری جان سے روشن کی ہو گئی۔

یوں ہی وہ دونوں بہت دیر تک ایک دوسرے کے سہارے بیٹھے رہے۔

روشن۔

لاج چونک اٹھی۔

کیا ہو گیا۔

روشن بھی خوفزدہ سا ہو گیا۔

باہر موسم کی نیت خراب دکھائی دے رہی ہے۔

لاج نے کھڑے ہو کر کہا۔

تمہارا مطلب ہے چلا جاؤں۔

روشن نے بات پکڑ لی۔

اس موسم میں بابا جلد آ جاتا ہے۔

مجھے معلوم ہے تمہارا بابا ایسے موسم میں کہاں ٹھہرے گا۔ اسے تو بس یہی فکر

ہے کہ اپنی لاج کو ڈبیا میں بند کر لے۔

وہ کھڑے کھڑے بڑی اداکاری سے بولا۔

اور لاج کھل کھلا کر ہنس دی۔

لیکن، دوسرے ہی لمحے دونوں نے سانس روک لیے۔

لاجو۔

دروازے پر کندن نے دستک دی۔

وہ بری طرح بوکھلا گیا۔ لاج کا خون منجمد ہو گیا۔

لاجو۔

کندن نے پھر دستک دی۔

اور روشن جھرنے والے دروازے سے باہر کودا اور لاج بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔

آئی بابا، اس کے ساتھ ہی لاج نے کنڈی کھول دی۔

آ گئے۔

وہ جھک کر کندن کے ہاتھوں سے کچھ لینے لگی لیکن اس کے ہاتھ تو خالی تھے۔

وہ بری طرح بوکھلائی ہوئی تھی۔

لاجو۔

کندن نے لاج کے سارے وجود کو گہری نظروں سے دیکھا۔ لیکن اسے کوئی ایسی بات نظر نہ آئی کہ جس کو وہ شک کی نظروں سے دیکھ سکے لیکن ایک بات نے اس کے اندر برق دوڑا دی کہ آج وہ پریشان کیوں ہے اور میرے آنے پر بوکھلائی ہوئی کیوں ہے۔

تمہیں کیا ہے، میں تو کچھ بھی نہیں لایا، دریا سے آ رہا ہوں۔

کندن نے لاج کو ایک بازو میں ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

کچھ نہیں بابا، دراصل، دراصل، میں ....

لاج کے منہ سے بات نہ نکل رہی تھی۔

ہاں ہاں کہو، کیا جرم ہو گیا ہے تم سے، بولو نا۔

میں نے بکری کا دودھ نہیں دھویا۔

لاج کے پاس صرف یہی ایک بہانہ تھا۔

ارے پگلی، بس اتنی سی بات۔

کندن نے ہلکا سا قہقہہ لگایا جیسے سر سے منوں بوجھ کی چٹان سرک گئی ہو۔

میمنا سارا دودھ پی گیا ہے، میں گھر کی صفائی کرتی رہی۔

لاج نے ڈرتے ڈرتے کہہ دیا اور یہ حقیقت تھی کہ وہ روشن کے ساتھ باتوں میں لگی رہی اور بچہ سارا دودھ پی گیا۔

دیوانی۔

کندن نے تڑپ کر لاج کو سینے سے لگا لیا لیکن وہ روشن کے ساتھ رو دی۔

کندن نے محبت کے بھرپور اظہار کے ساتھ لاج کی پیشانی کو چوم لیا لیکن وہ آہستہ آہستہ سسکیاں لیتی رہی۔

چائے کے لیے دودھ بھی نہیں۔

وہ آنسوؤں کے درمیان بولی۔

لعنت بھیجو چائے پر، چل بیٹھ، میں بھی سوچوں کہ کیا قیامت ٹوٹ پڑی جو تو اس قدر اداس اور گھبرائی ہوئی ہے۔

کندن نے محبت پاش نظروں سے لاج کے سرخ چہرے کو دیکھا وہ اب مطمئن نظر آ رہی تھی۔

تو پھر چائے کہاں سے پیئے گا۔

لاج کو اس کی فکر لاحق تھی، چائے تو کندن کو سکون بخشتی تھی۔

شام کو سہی، ایک دو گھنٹے چائے نہ بھی ملے تو کیا ہو جائے گا۔

کندن نے سر سے ٹوپی اتار کر سامنے لکڑی کے چوکھٹے پر رکھی۔

بابا۔

لاج اس کی پشت سے لپٹ گئی۔

لاج نے محسوس کیا۔ کندن کے بدن میں اب بھی سختی باقی تھی۔ وہ روشن کی طرح اب بھی تنومند نظر آ رہا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا۔ روشن سیاہ بال رکھتا تھا اور

کندن کے کافی سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے۔ لیکن محبت میں ایسی دلکشی اس نے کسی اور میں نہ دیکھی تھی۔

لاجو۔

کندن پلٹ کر بولا۔

ہوں۔

لاجو یوں ہی لپٹی رہی۔

یہاں کوئی آیا تو نہیں تھا۔

کندن کو روشن پر شک تھا۔

نہیں تو۔

لاج نے فوراً" جھوٹ بولا۔ ویسے بھی سچ بول کر کندن کو اذیت دینے کے مترادف تھا۔

ٹھیک ہے اس نے کون سا تمہیں دیکھا ہے۔ اگر دیکھ لیتا تو ضرور آتا۔

کندن نے دونوں ہاتھوں سے لاج کا چہرہ تھام لیا۔

لاج نے آنکھیں بند کر لیں۔

اس صورت کو جو بھی دیکھے گا دوسری بار ضرور آتا۔

کندن نے ساری جان کی دولت کو دل میں سمو لیا۔ محبت سے لاج کے الجھے ہوئے بالوں کو درست کیا۔

لیکن چند دن تک ....

وقتی طور پر سب کچھ ختم ہو گیا لیکن لاج کی اچانک گھبراہٹ اور جھلاہٹ نے کندن کو ہمیشہ کے لیے ایک زبردست اذیت میں مبتلا کر دیا۔ لاج کا سسک سسک کر رونا۔ کندن کے احساس کو جھنک گیا لیکن وہ کسی شک و شبہ کو بھی دل میں جگہ نہیں دے سکتا تھا۔ اسے کسی قسم کا وہم بھی نہیں لیکن احساس کی چبھن اس کے ذہن کو پراگندہ کیے ہوئے تھی۔

یہاں کون آ سکتا ہے۔

وہ خود ہی بڑبڑایا۔

نہیں نہیں' لاج میری ہے۔ وہ کسی اور سے محبت نہیں کر سکتی۔ وہ میری لاجونتی ہے۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔

لاج۔

وہ دفعتاً" بری طرح چیخ اٹھا۔ اس جان لیوا تصور نے اس کی روح کو تڑپا کر رکھ دیا تھا۔ اس کا دماغ چکرانے لگا۔ جیسے ساری کائنات گھومنے لگی ہو۔

لاجو۔

وہ جھونپڑی کے کواڑ کھولتے ہی دھڑام سے گرا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی وہ نہ سنبھل سکا۔

بابا۔

وہ چند گز کے فاصلے پر بکری کو چرا رہی تھی ۔ کندن کو یوں بے حال گرتے دیکھ کر وہ برق رفتاری سے بھاگی۔

بابا۔

میری لاج۔

کندن نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے لاج کو دیکھا۔

تمہیں کیا ہو گیا ہے بابا۔

وہ بے ساختہ کندن کی پیشانی پر چہرہ رکھے ہی پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

کندن تڑپ اٹھا۔ اس کے چہرے پر لاج کے گرم گرم آنسو اسے بے چین کر گئے۔

مرجائے تیری لاج' میں ہی تیرے لیے مصیبت بنی ہوئی ہوں۔

لاجو۔

خبردار' جو آئندہ تری زبان سے میں نے یہ لفظ سنا۔

جوش جذبات سے مغلوب ہو کر کندن نے لاج کو جھنجھوڑ ڈالا۔

ہاں' ٹھیک ہی تو ہے بابا۔

وہ بے حال سی کندن کے بازوؤں میں جھول گئی۔ نازک انداز معصوم کلی کندن کی گرفت سے تکلیف محسوس کر رہی تھی۔

تو کیسی باتیں کرنے لگی ہے' میں تو تیرے بغیر مرنا بھی نہیں چاہتا۔ مجھے تو موت کے بعد بھی تیری جدائی قبول نہیں۔

بابا' میرا تم بن کوئی نہیں' تیرے بغیر کوئی سہارا دینے والا نہیں۔ لاج قریب بیٹھ گئی۔

تو میرا کون ہے تمہارے بغیر' یہ جنگل تیرے دم سے آباد ہے' تو میری جان ہے' روح ہے۔

بابا' نہ اداس ہو' تو کیوں بے ہوش ہو گیا ہے اگر تجھے کچھ ہو گیا تو میرے ناز کون اٹھائے گا۔ کون خیال رکھے گا میرا۔ سچ سچ بتا تمہیں کیا ہو گیا تھا۔

لاج روشن کی زبانی سب سمجھ چکی تھی۔ اسے معلوم تھا بابا کا عشق کتنا صادق تھا۔ جب سے اسے اس حقیقت کا انکشاف ہوا تھا کہ لاج تو بابا کی بیٹی نہیں محبوبہ ہے وہ تجھ سے محبت کرتا ہے۔

اس دن سے لاج کے دل میں کندن کی اور بھی عزت بڑھ گئی تھی۔ ایسا چٹانی عشق۔

بابا۔

لاج نے انتہائی پیار سے اپنا چہرہ کندن کے چہرے پر رکھ دیا اور کندن نے لاکھ بلائیں لے ڈالیں۔ حوادث زمانہ کے خوف سے لاج نے اپنے آپ کو کندن کے سینے میں چھپا لیا۔

اور کندن نے لازوال مہر محبت اس کی سفید بے داغ پیشانی پر ثبت کر دی اور دیوانہ پھر اپنی لاجونتی کے ناز اٹھانے کے لیے تیار ہو گیا۔

☆



اس واقعہ کو چند روز گزر گئے لیکن لاج کے اندر کوئی چیز گھن کی طرح اس کا کلیجہ چاٹ رہی تھی۔ بے معنی سی سوچیں اس کے ذہن کو تباہ کر رہی تھیں۔ مستقبل کے ڈراؤنے خواب اس کے جیون میں اندیشے پیدا کر رہے تھے۔ کندن کی بے پناہ محبت نے اسے کندن سے کچھ نہ کچھ استفسار کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ اسے مکمل یقین تھا کہ وہ بابا کی بیٹی نہیں ہے۔ اس نے آج تک اسے بیٹی کہہ کر نہیں پکارا تھا۔

تو پھر وہ کیا ہے۔

بابا۔

شب آغاز میں ہی وہ دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔

کیا بات ہے۔

کندن نے اس کی جانب کروٹ لی۔

ایک بات پوچھوں۔

لاج نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

ہاں' ایک نہیں ہزار پوچھو۔

جیسے کندن ہر مصر کے لیے تیار بیٹھا ہو۔ آج اس نے کسی قسم کی افسردگی کا اظہار نہیں کیا تھا۔

کچھ کہو گے تو نا۔

لاج پوری طرح لائن صاف کر دینا چاہتی تھی۔

او نہیں لاجو' تو بے دھڑک پوچھ' بھلا میں تیری بات کا غلط جواب دے سکتا

ہوں۔ کندن زبردست فراخ دلی کا ثبوت پیش کرتے بولا۔

کندن ہوشیار زمانہ ساز آدمی تھا۔ وہ لاج کے انداز بیان سے ہی سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا پوچھنا چاہتی ہے۔ ویسے بھی وہ اب لاج کی غلط فہمی دور کر دینا چاہتا تھا تاکہ لاج اس سے صحیح سچے دل سے محبت کرے۔ وہ اپنی محبت میں کسی قسم کا رخنہ برداشت نہ کر سکتا تھا۔ وہ پوجا کرتا تھا لاجونتی کی۔

بابا' سچ سچ کہو' میں تمہاری کون ہوں۔

تو میری جان ہے' میری زندگی ہے' میرا پارہ جگر ہے۔

کندن چارپائی سے اٹھ بیٹھا۔

لاج پہلے ہی بیٹھی تھی۔

بابا' آج سب دیواریں ہٹا دو' بتاؤ میں کون ہوں۔

لاج جذباتی انداز میں کندن کی طرف جھکی۔

تو میری لاجونتی ہے۔

کندن نے آغاز کیا۔

لاجونتی۔

لاج کا انداز سوالیہ تھا۔

ہاں تیری ماں کا نام لاجونتی تھا' تو اس کی بیٹی ہے۔

میری ماں۔

لاج نے چونک کر کہا۔

تیری ماں حوادث زمانہ کے ہاتھوں محل والوں کی چیرہ دستیاں برداشت نہ کر سکی۔ اسے مجھ سے پیار تھا' وہ نواب حیدر زمان کی دلہن ہوتے ہوئے بھی اسے سچا پیار نہ دے سکی۔

پھر۔

لاج نے دیکھا کندن نے آنسو صاف کیے۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

پھر کیا ہوا' داستان ہی ختم ہو گئی' لاجونتی تیری پیدائش سے دو روز بعد ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلی گئی۔ نواب حیدر زمان کف افسوس ملتا رہا۔ اس نے

مجھ سے انتقام لینا چاہا تھا لیکن جن کے جذبے صادق ہوں وہ پیار کو سچا بنا دیتے ہیں۔

تیری ماں نے محل، شان و شوکت، عزت و دولت اور حکومت کو ٹھکرایا اور میری ہو گئی۔ اس کی موت نے مجھے پاگل بنا دیا۔ میں دیوانہ ہو گیا۔ میں نے ایک رات کمند پھینک کر تجھے تیری خواب گاہ سے اٹھا لیا اور اب تک لاجونتی بنا کر پوجا کر رہا ہوں۔

تیرے وجود نے میرے سارے دکھ چھین لیے ہیں۔

مجھے لاجونتی مل گئی ہے، تو میری لاجونتی ہے۔

کندن نے بازو پھیلا دیے۔

اور لاج ساری جان سمیٹتے کندن سے لپٹ گئی۔

بابا، تم کتنے عظیم ہو، تمہارا پیار اتنا سچا ہے بابا، بابا مجھے کہو لاجونتی۔ میں تیری لاجونتی ہوں۔ تو نے ساری عمر میری پرستش کی ہے اب میں تیری پوجا کروں گی۔ بابا کہو نا، اپنی لاجونتی کو پکارو نا....

لاج نے محبت سے بھرپور اظہار کے لیے کندن کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

لاج، میری لاجونتی۔

بے ساختہ کندن نے کہتے ہوئے لاج کو لپٹا لیا۔

اور جی بھر کے لاجونتی کے حضور محبت کے نذرانے پیش کیے۔

پھر بچھڑی ہوئی دو روحیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ہو گئیں۔

☆



محبت دریا کے بہاؤ کی طرح تیز اور چٹان کی طرح مضبوط ہوتی گئی۔

ملاقاتوں کا وسیع لامحدود سلسلہ جاری تھا۔ وہ آج بھی دوران ملاقات جب کندن دریا پر تھا جھرنے کے پاس لاج کے قریب بیٹھا تھا۔

آؤ ہم شادی کر لیں۔

ابھی نہیں۔

لاج سمٹ گئی۔

نہ جانے کیوں روشن جب بھی ایسا ذکر کرتا وہ چھوئی موئی کے پھول کی طرح لاج سے دوہری ہو جاتی، اب تو وقت ہے۔ ہم یہاں سے دور کہیں چلے جاتے ہیں۔ وہاں ایک خوبصورت پیارا سا گھر بنا لیں گے۔

روشن کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

کیسے شادی ہو، میں بابا سے کیسے کہوں۔

لاج کے انداز میں پریشانیاں ہی پریشانیاں تھیں، الجھنیں ہی الجھنیں تھیں۔

کیوں، ہم شادی نہیں کر سکتے۔

روشن نے بے ساختہ کہا۔

کر سکتے ہیں، میں بابا کو نہیں چھوڑ سکتی، وہ مر جائے گا۔ میرے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔

لاج اب قدرے زیادہ اداس ہو گئی۔

تمہیں بہت پیار ہے نا بابا سے۔

روشن نے سوال کیا۔

ہاں، بہت۔

لاج چونک کر بولی، اسے روشن کا سوال عجیب سا لگا۔

تو کسی دن میں بابا سے مانگ لوں گا۔ مجھے امید ہے وہ تمہاری خوشی کو اپنی خوشی سمجھے گا۔

نہیں، نہیں، روشن ایسا مت کرنا، وہ میری شادی کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔ وہ میری زندگی سے وابستہ ہو چکا ہے۔

لاج کا بڑھتا ہوا اضطراب دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ وہ لاج کو ذہنی اذیت بھی نہ دینا چاہتا تھا۔

ضرور کوئی معمہ ہے جو حل نہیں ہو رہا۔

روشن نے نظریں لاج کے چہرے پر گاڑ دیں۔ لاج کے چہرے پر کوئی داستان جنم لے رہی ہے۔ اس کی گھبراہٹ بے چینی ان سب کے اندر ضرور کچھ پوشیدہ ہے۔

وہ چند لمحے کے لیے گہری سوچ میں مبتلا ہو گیا۔

روشن۔

لاج نے روشن کا شانہ ہلایا۔

کہو۔

روشن نے بڑے پیار سے لاج کے ہاتھوں کو تھام لیا۔

لاج نے ویران نظریں روشن کے محبت بھرے چہرے پر ڈالیں۔ روشن تو پہلے ہی اس حسن بے مثال کی جانب دیکھ رہا تھا۔ نظروں کا تصادم کس قدر قیامت خیز تھا۔ کوئی بات نہ کرنا، روشن قیامت آ جائے گی۔

لاجو، میری جان، گھبراؤ نہیں، میں تمہاری خاطر ہر دکھ برداشت کرنے کو تیار ہوں۔ دنیا کی ہر اذیت سہنے کو تیار ہوں۔ شادی کا کیا ہے۔ جب تم چاہو گی اسی وقت ہو گی۔ مجھے صرف تمہاری پرستش کرنا ہے۔ تمہیں دیوی بنا کر پوجنا ہے۔ میں تیرا پجاری ہوں۔ جب تک زندگی رہی تیری پوجا کرتا رہوں گا۔ تو میری روح ہے۔ تیرا

جود میرے جسم کی طاقت ہے۔ تو میرا احساس ہے۔ میری کل کائنات ....

روشن۔

لاج سسک اٹھی۔

روشن بے ساختہ تڑپ گیا۔ لاج کا انداز سپردگی اسے دیوانہ بنائے دے رہا تھا۔

روشن نے متاع حیات کو تھام کر سینے سے لگا لیا۔

روشن، اب تمہیں چلے جانا چاہیے۔

وہ بے ساختہ گھبرا کر اٹھی، جسم سمٹ گیا۔

کیوں۔

روشن کا دل کہاں مان رہا تھا۔

بابا نہ آ جائے کہیں۔

اچھا، چلا جاتا ہوں۔

روشن بھی وقت کا احساس کیے اٹھا۔ اور لاج کے ساتھ ہی چل دیا کیونکہ وہ بکری اور بچے کو لے کر چرانے کے لیے چل دی تھی۔

دیوانی لاج، باتوں باتوں میں ایسی الجھی کہ شام ہونے کا بھی یاد نہ رہا۔ روشن اسے بہت ہی دور لے گیا تھا۔ ساتھ چلتے جیسے وہ واپسی کا خیال بھلا بیٹھی ہو۔

لاج۔

لاج۔

کندن نے جھونپڑی کا دروازہ بڑے پیار سے کھٹکھٹایا۔

لیکن اندر کوئی ہوتا تو کواڑ کھولتا۔

ایک دم وہ دوسری سمت بھاگا، بکری اور اس کا بچہ نہیں تھا۔

لاجو۔

وہ پوری طاقت سے گرجا۔

لیکن دیواریں گونج کے رہ گئیں۔

لاجو تو کہاں ہے، کوئی تمہیں پیار نہیں دے گا۔ وہ چیخ اٹھا۔

جوش گریہ سے اس قدر تڑپا کہ روح کانپ اٹھی۔ وہ ایک دم پلٹا اور جھونپڑی

کی خستہ دیوار سے سر ٹکرا کر رو دیا۔ وہ جیسے لٹی محبت کا ماتم کر رہا تھا۔ اور کوئی طریقہ اظہار نہیں تھا۔

لاج کہاں چلی گئی ۔

اس کا ذہن جلنے لگا سارے جسم سے شعلے نکلنے لگے۔ سورج غروب ہونے کو آیا تھا۔ سنہری کرنیں سسک سسک کر لاج کی جدائی کا پیغام دے رہی تھیں کہ اچانک اس کی چھٹی حس نے کام کیا۔ وہ جھرنے کی طرف پلٹا اور بے ساختہ بھاگنا شروع کر دیا۔

نصف میل کے فاصلے پر اسے لاج واپس آتی دکھائی دی اور روشن جا رہا تھا۔

لاجو۔

کندن پوری طاقت سے گرجا۔

بابا۔

لاج سہم گئی۔

تجھے کس نے کہا تھا اتنی دور آنے کے لیے۔

کندن دور جاتے روشن کی پشت دیکھ کر بولا۔

بابا' سچ سچ بتا دوں' غصہ نہ ہونا۔

لاج کے منہ سے بات نہ نکل رہی تھی۔

وہ جو نوجوان اس دن آیا تھا نا' آج پھر آگیا تھا۔ وہ مجھ سے شہر کا راستہ پوچھ رہا تھا اور مجھے باتوں میں لگا کر ساتھ ہی لے گیا۔

وہ بڑی معصومیت سے گھبرائی سی بول رہی تھی۔

لاجو۔

کندن نے پوری طاقت سے اسے اپنے قریب کر لیا۔

سوائے کندن کے ہر شخص تیری بولی لگائے گا۔ تیرے حسن کی قیمت لگائے گا۔ تیرے اس معصوم پاکیزہ تبسم کی طرح جسم کا سودا کرے گا تو بک جائے گی۔ تیری جوانی لٹ جائے گی۔ تیری روح تک کی قیمت۔

بابا' بس کرو۔

وہ چیخ کر کندن سے لپٹ گئی' میرا قصور بابا۔

لاج تڑپ تڑپ کر رو دی۔

وہ ایسے دوراہے پر کھڑی تھی جہاں سے کوئی بھی راستہ اسے منزل تک نہیں پہنچا سکتا تھا۔

میں مانتا ہوں تیرا قصور نہیں' وہ ذلیل انسان اس طرف آیا کیوں۔ اب تو اکیلی جھونپڑی میں نہیں رہے گی۔ تو میری ہے' میرے جیتے جی تمہاری طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ میں اپنی زندگی میں تیرے تقدس پر حرف نہیں آنے دوں گا۔ تو پاک رہے گی' یوں ہی' بالکل اسی طرح۔ کندن نے بازو پھیلائے۔

اور لاج معصوم بچے کی طرح اس کے بازوؤں میں جھول گئی۔

دو چاہنے والے ایک دوسرے سے یوں ملے جیسے پہلی اور آخری بار ملے ہوں۔

کندن نے گوہر حیات کو بازوؤں میں اٹھا لیا اور جھونپڑی میں لے آیا۔

میرے بازوؤں میں اب بھی اتنی سکت ہے کہ تجھے جھولا جھلا سکوں۔

کندن نے محبت سے بھرپور نذرانہ عقیدت پیش کرتے لاج کو اس کے بستر پر بٹھا دیا۔ وہ ہنستی ہوئی بستر پر لیٹ گئی۔

تم ان معمولی باتوں سے پریشان نہ ہوا کرو بابا' کوئی مجھے منہ میں تھوڑی ڈال لے گا۔

لاج نے کندن کو مطمئن کرنا چاہا۔

ٹھیک ہے لیکن یہ بات میری برداشت سے باہر ہے کہ میرے علاوہ تم کسی سے بات بھی کرو۔

لاج کھل کھلا کر ہنس دی۔

تم بہت بھولے ہو بابا۔

ہاں یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہے کہ کوئی تمہاری صورت بھی دیکھے۔

کندن نے دانت پیسے اسے روشن پر بار بار غصہ آ رہا تھا۔

لیکن آج اس نے جرات کیسے کی۔ اب اگر میرے ہاتھ لگ جائے تو زندہ نہ

چھوڑوں گا۔ کندن نے نفرت سے باہر دیکھا۔

نفرت کی آگ دونوں جانب بھڑک اٹھی تھی۔ روشن جوش غضب میں گھر کے صحن میں داخل ہوا۔

اماں۔

صحن میں قدم رکھتے روشن نے ماں کو پکارا۔

آئی بیٹا۔

ماں کمرے سے بڑی تیز رفتاری سے باہر آئی۔

اماں' میں آگیا ہوں اور اس بڈھے کے بارے میں کچھ کچھ معلومات بھی معلوم کر کے آیا ہوں۔

کون ہے بڈھا۔

شمی گزشتہ واقعات میں سے بڈھے لفظ کو یکسر فراموش کر چکی تھی۔

وہی لاج کا بڈھا۔

روشن تحقیر آمیز لہجے میں صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گیا۔

اچھا' ہاں ہاں' میں سمجھ گئی۔

شمی کو ایک دم سے یاد آگیا۔

وہ بڈھا میرے خیال میں لاج کو کہیں سے اٹھا کر لایا ہے۔

اٹھا کر لایا ہے' کیا مطلب ہے تمہارا۔

شمی نے آنکھیں پھاڑیں۔

اماں' میں نے جھونپڑی کے باہر چھپ کر ساری باتیں سن لیں۔ میں نے یہ بھی سنا کہ کوئی لاجونتی ہے جس کی بیٹی لاج ہے۔

روشن نے گہری نظروں سے شمی کی طرف دیکھا۔ لاجونتی کے نام پر ماں کے تاثرات ہی بدل گئے تھے۔

لاجونتی' لاج' لاجونتی کی بیٹی ہے۔

شمی نے چونک کر روشن سے پھر دریافت کیا۔

ہاں اماں' وہ بڈھا واضح طور پر کہہ رہا تھا کہ لاج لاجونتی کی بیٹی ہے اور لاجونتی

محل میں رہتی تھی۔

روشن ہو نہ ہو یہ لاج اسی لاجونتی کی بیٹی ہے اور وہ بڈھا تیرا باپ ہے۔ میں وثوق سے کہتی ہوں کہ وہ بڈھا تیرا باپ ہے۔

شمی پھڑک اٹھی۔ اس کی رگ و پے میں چنگاریاں پھوٹنے لگیں۔ ایک طویل عرصے کے بعد کندن کی محبت عود کر آئی تھی۔

لیکن اماں' اس کا نام کندن نہیں۔

روشن نے واقعی کندن نام نہیں سنا تھا۔

میرا دل کہتا ہے کہ وہ کندن ہے۔ میں نے دنیا والوں سے سنا تھا کہ وہ پاگل ہو کر جنگلوں میں مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہ کندن ہے بیٹا۔

شمی کے جذبات میں ہلچل سی مچ گئی۔

اماں' اگر ایسا ہے تو میں اس بات کی تہہ تک پہنچوں گا۔

روشن نے جوش جذبات میں مٹھیاں بند کر لیں لیکن شمی خاموش نہ جانے کن خیالات کی گہرائیوں میں ڈوب چکی تھی۔

کیا سوچنے لگی ہو اماں۔

روشن نے ہمدردی سے ماں کو دیکھا۔

میں سوچ رہی ہوں بیٹا' اگر وہ کندن ہو بھی تو لاج کی قربت اسے تمہیں پہچاننے سے انکار کر دے گی۔

شمی نے حقیقت بیان کر دی۔

کیا وہ اپنے بیٹے کو بھی نہیں پہچانے گا۔

روشن کو حیرانی ہوئی۔

نہیں' اس پر عشق کا بھوت اس قدر مسلط ہے کہ وہ تمہیں تو کیا اپنے گھر بار کو' بیوی کو اور اس کی ماں زندہ ہوتی تو اسے بھی نہ پہچانتا۔ شمی کے تاثر میں کندن کی بیگانگی' لاپرواہی اور گھر سے نفرت شامل تھی۔

اچھا' میرا باپ اس قدر سنگدل ہے۔

روشن تذبذب کے عالم میں ماں کے پاس چلا گیا۔

اماں، میرے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی غم کرنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے کس قدر کٹھن زندگی گزاری ہے۔ ماں تم نے شوہر کا کوئی سکھ نہیں دیکھا۔

روشن نے مادری محبت سے مغلوب ہو کر ماں کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

میرے بچے۔

شمی نے معصوم بچے کی طرح اپنا سر روشن کے سینے پر رکھتے ہی پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں۔

روشن نے ماں کو اپنے قریب ہی بٹھا لیا۔

روشن بیٹے۔

شمی نے پھر کھوئے ہوئے انداز میں روشن کو آواز دی۔

کیا ہے ماں۔

روشن نے ماں سے پوچھا۔

بیٹا، جب سے تم نے یہ بات کہی ہے۔ میرا سکون تباہ ہو گیا ہے۔ کیا تم مجھے وہاں نہیں لے جا سکتے۔

شمی کا انداز پراسرار تھا۔

نہیں اماں، وہ ناراض ہو جائے گی۔ لاج نہیں چاہتی کہ بابا سے کوئی قسم کی بات ہو۔

روشن مجبور دکھائی دے رہا تھا۔

اچھا، وہ لڑکی بھی نہیں آ سکتی۔

شمی مایوس لہجے میں بولی۔

لیکن روشن اب خاموش تھا۔

شمی بھی دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے چولہے کے پاس جا بیٹھی۔

اماں چائے بناؤ۔

روشن کمرے میں جاتے جاتے بولا۔

شمی نے چائے کا پانی رکھ دیا۔

چائے بھی دل کا بوجھ ہلکا نہ کر سکی۔ وہ تمام شب یونہی اداس پریشان رہی۔ وہ کس کے لیے اداس اور متفکر تھی جس نے کبھی اسے دو بول پیار کے لیے خلوص بھری آنکھ سے نہیں دیکھا تھا۔ اگر اس کا بیٹا روشن نہ ہوتا تو شاید وہ گلا گھونٹ کر خود ہی اس دور فانی سے دور جاودانی کی طرف کوچ کر جاتی۔

نواب حیدر زمان کے علاقے کی ہر عورت جل رہی تھی۔

شمی جل رہی تھی۔

لاج جل رہی تھی۔ کائنات جل رہی تھی اور ارمان اور خواہشیں جل رہی تھیں۔

لاج جسے روشن نے ہمیشہ ہمیشہ کی ذہنی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا، کندن آج پھر شہر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ آج اس نے دوپہر کے بعد شہر جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اب اس نے تنہا شہر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ خبیث اس نوجوان نے سکون برباد کر دیا تھا۔

اکثر کندن روشن کو اس فقرے سے ہی یاد کرتا۔

لاج سنتی اور خاموش ہو جاتی۔ کندن محسوس کرتا کہ چند دنوں سے لاج خاموش ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کسی وجہ سے اداس ہو۔

روشن کی یاد آج پھر ستانے چلی آئی تھی۔ وہ اپنے بشرے سے کوئی احساس تو نہ ہونے دے رہی تھی لیکن کندن کی نظریں بڑی تیز تھیں۔ وہ لاج کے دل کی دھڑکنیں گن لیتا تھا۔

لاجو۔

کندن نے آسمان کی طرف دیکھا۔ مغرب سے کالی گھٹا اٹھ رہی تھی۔

کیا ہے بابا۔

وہ جھرنے سے کپڑے پانی میں ڈبو کر نچوڑ کر بولی۔

سردی بہت ہے۔ بس کرو کپڑے۔

کندن اس کے قریب جاتے ہوئے بولا۔

نہیں سردی۔

وہ پھر ایک چادر کو صابن لگانے لگی۔

لاج، جلدی کرو، ٹھنڈی ہوا چلنے لگی ہے اور بوندا باندی بھی شروع ہو گئی ہے۔

کندن نے دونوں ہاتھ پھیلا کر بارش کی آمد کا یقین دلایا۔

تم جاؤ، میں آ جاؤں گی۔

وہ انجانے میں بے دلی سے بولی۔

لاجو۔

کندن چیخ اٹھا۔ جوش غضب میں اس کی رگیں تن گئیں۔

لاج کا ایسا خشک بے ربط رویہ وہ بالکل برداشت نہ کر سکا۔

بابا، لاج نے بے ساختہ تڑپ کر کندن کی طرف دیکھا لیکن دوسرے ہی لمحے آسمانی برق اس گرج کے ساتھ کسی کے خرمن پر گری کہ پوری کائنات دہل گئی۔

مجھے چھپا لو بابا۔

وہ تمام کپڑے چھوڑ کر خوفزدہ سی کندن کی جانب بھاگی۔

کندن نے لاج کو یوں چادر میں چھپا لیا جیسے کوئی گراں بہا سرمائے کو احتیاط سے رکھ لے۔

بارش تیز ہو گئی اور دونوں جھونپڑی میں آ گئے۔

وہ خاموش کندن سے لپٹی موسم کی تڑپ گرج کا تماشا دیکھ رہی تھی۔ کندن نے پوری طرح لاج کو حفاظت میں لے رکھا تھا۔ چاروں جانب تیز و تند آندھی، مست ہاتھیوں کی طرح چنگھاڑ رہی تھی۔ اس پر طوفانی بارش، برق کا بار بار تڑپ کر گرنا۔ جھونپڑی ہر دھاکے کے ساتھ لرز جاتی۔ اور جگہ جگہ سے ٹپکنے بھی لگی تھی۔

لاج ہر بار بجلی کی سینہ شگاف آواز سے کندن سے لپٹ جاتی ۔ کندن اس کا محافظ اسے دل کی سیج پر بٹھائے چاروں جانب سے موسم کا مقابلہ کر رہا تھا۔

بابا۔

ایک دم لاج نے چہرہ اٹھا کر کہا۔

جان بابا۔

بارش کب بند ہو گی۔

وہ جھونپڑی کے در و دیوار کانپتے دیکھ کر بولی۔

اچھا، ایک بار کھل کے برس جائے تو بہتر ہے۔

کندن نے ذومعنی بات کہی تھی لیکن لاج کا سادہ لوح ذہن اس کے معنی نہ سمجھ سکتا تھا۔

مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔

لاج نے دونوں بازو کندن کے گلے میں حمائل کر دیئے۔

میں جو تیرے پاس ہوں۔

کندن نے ساری جان قربان کر دی۔

لیکن جھونپڑی کہیں گر نہ جائے۔

لاج کا لہجہ گہرا متفکرانہ تھا۔

گر جائے، میں تجھ پر اپنی چھاؤں کر دوں گا لاجو، میری زندگی میں تجھے کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

اچھا، لاج کندن کے لمس سے سکون محسوس کرتی اس کے شانوں پر سر گرائے سونے کی تیاری کرتی رہی لیکن اس طوفانی موسم میں اس کو نیند کہاں۔ لاج کی بیقراری ایک گھنٹہ جاری رہی۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے بادل چھٹنا شروع ہو گئے۔ تیز ہوائیں نہ جانے کہاں سے کہاں لے گئیں۔

بارش تھم گئی ہے۔

لاج نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں تھم گئی ہے لیکن چادر لے کر اٹھو۔

کندن نے اپنی چادر اس کے سر پر ڈال دی۔

میں نہیں لوں گی۔ ہزار بار کہا ہے کہ جاڑے کے دن آ گئے ہیں۔ گرم اوڑھنی لا دو۔

لاج بڑی دلفریب معصومیت سے بولی۔

ہاں لاجو، تو اب اس قابل ہو گئی ہے کہ ایک پیاری سی گرم خوبصورت

اوڑھنی لے سکو۔

تو لا دو نا۔

وہ بے ساختہ بولی۔

میرے پاس ہے۔ ایک پیاری سی اوڑھنی ۔ تو دیکھے گی تو ضرور خوش ہو گی۔

کندن کو اپنا دردناک ماضی یاد آگیا۔

بابا' کہاں ہے' مجھے دے دو۔

وہ بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔

اچھا۔

کندن ایک طرف رکھے ہوئے لکڑی کے صندوق کی طرف بڑھا اور چند بوسیدہ کپڑوں کو اوپر نیچے کرنے کے بعد اس نے ایک سفید کپڑا باہر نکالا۔ اور پھر اس کی گرہ کھولی۔

بابا۔

لاج کی سانس رک گئی۔

کندن نے ایک خوبصورت سنہری منقش چادر نکال کر لاج پر اوڑھا دی۔

بابا' اس قدر پیاری۔

لاج اناری اوڑھنی میں کس قدر کھلی نظر آنے لگی تھی۔

ماشاءاللہ' میری لاجو' چاند لگ رہی ہے بالکل چاند۔

کندن نے والہانہ محبت سے لاج کے صبیح چہرے کو بڑی چاہت سے دیکھا۔

بابا' اتنی پیاری اوڑھنی تم کب لائے۔

وہ اوڑھنی کو جسم پر لپیٹتے ہوئے بولی۔

یہ اوڑھنی تیری ماں کی ہے لاج' جب میں تمہیں محل سے اٹھا کر لایا تھا تو اس وقت اس کو ساتھ لے آیا تھا۔

اچھا۔

لاج اداس ہو گئی۔

کندن نے لاج کی اداس صورت کو نظر انداز کرتے ہوئے اوڑھنی کو لاج کے

سر پر ڈال دیا۔

بابا۔

وہ شرم سے جھک گئی۔

میری لاجو' اس رنگ میں کتنی پیاری' بلکہ دلہن لگ رہی ہے۔

کندن کی نگاہوں میں آج قدرے پیار بھری شوخی تھی۔

بابا۔

وہ کندن کی پشت سے لپٹ گئی۔

کاش روشن ہوتا اور وہ اسے اس سرخ رنگ میں دیکھ لے۔

وہ کندن کی پشت سے لپٹی ہوئی خیالات کی حسین دنیا میں پہنچ گئی۔

لاج۔

کندن نے پیچھے کی جانب ہاتھ گھما کر اسے سامنے کر لیا۔

چپ کیوں ہو گئی۔

میں سوچ رہی تھی بڑی مہنگی آئی ہو گی۔ میری ماں نے اتنے سارے پیسے کہاں سے لیے ہوں گے۔

وہ آنکھیں پھیلا کر زیادہ پیسوں کی اہمیت جتلانے لگی۔

اس کے ساتھ ہی کندن ہنس دیا۔

پگلی' تیری ماں رانی تھی۔ اس کے پاس اس سے بھی زیادہ قیمتی سامان تھا لیکن وہ کندن کی باتیں کہاں سن رہی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی اوڑھنی کو بار بار اپنے جسم پر لپیٹ کر دیکھ رہی تھی۔

اب اسے لیے ہی رکھنا۔

کندن اس کے پاس چلا گیا۔

ہاں تو اور کیا؟

لاج نے محبت سے سرشار کندن کی پیشانی چوم لی۔

دیوانی' ابھی تیرا بچپنا نہیں گیا۔

وہ ساری جان سے فریفتہ ہو گیا۔

اب چائے بناؤ۔

کندن چارپائی پر بیٹھ گیا' آج کس قدر خوش ہے۔

ابھی لو بابا۔

وہ اوڑھنی کو لپیٹے ہوئے پانی چولہے پر رکھ آئی۔

وہ خیالوں ہی خیالوں میں اپنے محبوب کو سامنے بٹھائے چائے بنانے لگی۔ پھولوں کی سیج پر وہ بیٹھی تھی۔ روشن نے گھونگھٹ اٹھا دیا تھا۔

اسے کیا معلوم' روشن اس کا دیوتا کس الجھن میں گرفتار تھا۔ وہ آج کس قدر بے بس ہو کر لاج سے ملنے آیا تھا اور تمام وقت کندن کو گھر میں موجود پا کر اس کے ارمانوں کو آگ لگ رہی تھی۔ وہ بے چین مضطرب و بے قرار واپس لوٹ گیا تھا۔ دل میں رقابت کی چنگاری شعلہ بن چکی تھی۔ دھڑام سے دروازہ کھول کر وہ صحن میں آگیا۔

میرا چاند آگیا۔

شمی کے پاس بیٹھی ہمسائی نے بڑی دلچسپی سے روشن کی دلکش وجاہت کو دیکھا۔

ماشاءاللہ شمی آپا' بڑا سجیلا ہے تمہارا بیٹا۔

اللہ زندگی دے' کئی دنوں سے طبیعت ٹھیک نہیں اس کی۔

شمی دل میں لاکھوں بلاؤں کو اتارتی کھڑی ہو گئی۔ اسے دیکھ کر ہمسائی بھی کھڑی ہو گئی۔

اے ہے بیٹھو نا' بہن۔

شمی نے ازراہ اخلاق ہمسائی کا راستہ روکا۔

ارے نہیں' تم بیٹے کے پاس بیٹھو۔

ہمسائی مسکراتی ہوئی دروازے سے نکل گئی۔

کیا بات ہے بیٹا' پریشان کیوں ہو۔

شمی نے دلگیر ہو کر روشن کے چہرے کو دیکھا۔

کوئی ایسا وقت بھی ہے جب میں پریشان نہیں ہوتا۔

پھر بھی بیٹے' آج تو بہت ہی پریشان ہو۔

شمی نے دونوں ہاتھوں سے روشن کے چہرے سے گرد جھاڑی۔

اب میں اس بوڑھے کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

روشن دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بند کرتے زبردست غصے سے بولا۔ جوش جذبات سے اس کی رگیں ابھر آئیں تھیں۔

روشن ہوش کی دوا لو' ایک عورت کے لیے انسانی قتل کے مرتکب' یہ کہاں کی شرافت ہے۔

شمی کو بیٹے کی کم عقلی پر غصہ آگیا۔

کیا وہ میرا خون نہیں کر رہا۔ وہ میرے احساسات کو قتل کر رہا ہے۔ میرے ارمانوں کا خون کر رہا ہے۔ میرا سکون تباہ کر رہا ہے۔ ماں بتاؤ میں کہاں جاؤں۔ اب مجھ سے یہ تنہائیاں کاٹی نہیں جاتیں۔

روشن ماں کے قدموں میں جھک گیا۔

مجھے ان اذیتوں سے بچا لو ماں۔

میرے بچے۔

شمی نے بے ساختہ تڑپ کر روشن کو سینے سے لگا لیا۔ ممتا ہی ممتا تھی اس جذبے میں۔

انیس سال سے یہ ناسور میرے سینے میں پک رہا ہے۔ تیرے باپ نے لاجونتی سے عشق کیا اور ہم تباہ ہوئے اور اب تو اس نام نصف حصے سے عشق کرنے لگا ہے۔ نہیں نہیں' میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی۔ تجھے میری مامتا کا واسطہ مت لاج کے پیچھے دیوانہ بن۔ تیرے باپ کا زخم میں نے مندمل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن اب بیٹے کی جدائی برداشت نہ کر سکوں گی میرے بیٹے۔ مجھے لے چلو اس کے پاس۔ میں لاج کو مانگ لوں گی اس کے پیروں پر سر رکھ دوں گی تیری خاطر۔

شمی دیوانہ وار روتے ہوئے اپنا سر روشن کے قدموں پر رکھنے لگی۔

اماں۔

روشن پوری قوت سے گرجا۔

کیا کرتی ہو' مجھے اس گناہ کی دلدل میں کیوں دھکیل رہی ہو۔

روشن نے شمی کو اوپر اٹھا لیا۔

لیکن مجھے تو اس کے پاس تو لے چل نا۔

شمی نے سسک سسک کر کہا۔

ضرور لے چلوں گا' پہلے تو اپنی طبیعت ٹھیک کر لے۔

روشن نے بڑے پیار سے ماں کے آنسو صاف کیے۔

چل مجھے اسی وقت لے چل۔

شمی نے اصرار کیا۔

آج نہیں ماں۔

روشن نے آسمان کی طرف دیکھا۔ شام کی ملگجی روشنی بستی کو ویران بنا رہی تھی۔ ہنستے بستے گھروں میں سکون محسوس ہونے لگا تھا اور ساری کائنات یوں لگ رہی تھی جیسے ویران کھنڈروں کی طرح پر سکوت ہو۔

تو پھر کب؟

شمی نے چہرے کو چادر سے صاف کیا۔

ضرور چلیں گے ماں اور بوڑھے سے آخری مستحکم فیصلہ ہو گا۔

مجھے امید ہے اس مصیبت سے نجات مل جائے گی۔

شمی بڑے وثوق سے مسکرا کر بولی۔

کیا معلوم۔

کون کس کے لیے مرمٹنے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔

نہ جانے پروانے کا آخری رقص ہے یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شمع پر فدا ہوتا چلا جائے گا۔

☆



وقت کی دہلیز پر بڑے بڑے آئے اور سر ٹیک کر رخصت ہو گئے۔

وقت نے بڑے بڑے شہ زوروں کے چہرے مسخ کر دیے۔ ہزاروں چاندنیاں تاریکیوں کی اوٹ میں دفن ہو گئیں۔ لاکھوں سورج آئے اور اس جہاں کو منور کر گئے۔

نواب حیدر زمان آج شدت سے اپنی بیٹی سمن کو یاد کر رہے تھے۔ لاجونتی کی حسن و جمال سے مزین سنہری فریم میں آراستہ تصویر دیکھ کر ان کی رگوں میں گردش کرتا خون رک گیا۔ وہ تصویر کو یوں الٹ پلٹ کر دیکھ رہے تھے کہ شاید لاجونتی اب بھی آنچل ہٹا کر اپنی بے رخی سے ان کے دل کو زخمی کر دے گی۔

بابا جانی۔ اچانک تلاش کرتے کرتے شہباز نے دبیز پردے کو الٹ دیا۔

شہباز بیٹے۔ وہ چونک کر تصویر کو الٹ کر بولے۔

آپ یہاں' میں آپ کو سارے محل میں ڈھونڈ رہا ہوں۔

شہباز کے انداز میں ہلچل اور کھلبلی تھی۔

کیوں' تم مجھے کیوں تلاش کر رہے تھے۔

حیدر زمان کی آواز میں قدرتی گرج عود آئی۔

میں نے رانی ماں کو چوک بازار میں دیکھا ہے۔

شہباز نے تصویر کو بغور دیکھ کر کہا۔

کیا کہہ رہے ہو' تم نے لاجونتی کو دیکھا ہے۔ لیکن وہ تو ...

حیدر زمان کی رگیں پھڑکنے لگیں۔

مجھے معلوم ہے رانی ماں اس دنیا میں نہیں۔ لیکن میں نے بالکل اس کی ہو بہو تصویر دیکھی ہے۔ بالکل اس تصویر کی طرح تھی۔ بابا جانی' بالکل رانی ماں۔

شہباز کی آنکھوں میں چوک بازار میں کندن کے ساتھ لاج کی صورت گھوم گئی۔

یہ تم نے کیا کہہ دیا۔ انیس سال بعد ہمارے ناسور کے رکے ہوئے لہو میں پھر روانی پیدا ہو گئی ہے۔

ہماری سمن۔

تم نے کس کے ساتھ ....

ایک بوڑھے کے ساتھ۔

شہباز تیز آواز سے بولا۔

میں نے عبدل کو ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا ہے۔ امید ہے جلد واپس لوٹ آئے گا۔

وہ ہی ظالم شخص میرا سکون تباہ کر گیا ہے کندن نامی' اگر ہاتھ آجائے تو ذبح کر دوں۔ حیدر زمان نے جوش جذبات سے دانت پیسے۔ انتقام کے شعلے بھڑک کر ساری جان کو خاکستر کر گئے۔ دل پوری طاقت سے دھڑکا۔

جلدی کرو' ہمارا گھوڑا تیار کرواؤ' ہم خود تلاش میں نکلیں گے۔

نہیں نہیں' بابا جانی' آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ کام اب میں کروں گا۔

شہباز نے حیدر زمان کے راستے کی دیوار بن کر کہا۔

جب تک عبدل صحیح خبر نہ دے گا ہم لوگ آگ پر لوٹتے رہیں گے۔

حیدر زمان نے ویران نظریں دوبارہ لاجونتی کے چہرے پر ڈالیں۔

بالکل یہی ہے وہ لڑکی۔

شہباز بڑے وثوق سے لاجونتی کی تصویر کو دیکھ کر بولا۔

انہیں کیا علم لاجونتی کی یہ تصویر کس اذیت میں مبتلا تھی۔

چوک بازار میں شہباز کی نظروں کا مقابلہ کرتے ہی وہ گھبرا اٹھی۔

بابا' چلو گھر واپس ... وہ کندن کا ہاتھ پکڑ کر سہمی سہمی سی بولی۔

کیوں تھک گئی ہو۔

کندن نے مسکرا کر لاج کے ستے ہوئے چہرے کی طرف دیکھا۔

نہیں بابا' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔

وہ شہباز اور عبدل کی آنکھوں سے سہم سی گئی تھی۔

ڈر کس بات کا ہے' دراصل آج پہلی بار آئی ہو نا۔

کندن نے دال آٹا اور گڑ کا گٹھڑ شانے پر رکھتے ہوئے کہا۔

مجھے تو رہنے ہی دیتے تو بہتر تھا۔

وہ ایک ہاتھ کندن کے ہاتھ میں دیئے ڈری ڈری سی پشت کی جانب دیکھ کر بولی۔ جہاں کافی فاصلے پر شہباز اور عبدل اس کو بغور دیکھ رہے تھے۔ عبدل محل کا پرانا نمک خوار ملازم تھا جس کو شہباز اکثر اپنے ساتھ ہی رکھتا تھا۔ وہ ویسے بھی لاجونتی کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

شہباز اور عبدل نے شہر کے باہر تک ان کا تعاقب کیا لیکن جب شہر کا رقبہ ختم ہو گیا تو شہباز نے ایک جگہ گھوڑا روک کر عبدل سے کہا۔

عبدل۔

حاضر جناب۔ عبدل حسب عادت مودب ہو گیا۔

دیکھو' ان دونوں کا تعاقب کرتے رہو' دیکھو کہاں جاتے ہیں۔

ٹھیک ہے جناب۔

عبدل نے بغور کندن کو دیکھا جس نے لاج کو پکڑے رفتار تیز کر لی تھی۔ اتنا کہہ کر شہباز تو محل کی جانب واپس آ گیا اور عبدل نے گھوڑے کی رفتار روک کر ان کی رفتار پر نظر رکھی۔

شام کے ڈوبتے ہوئے اجالے میں کندن اور لاج اپنے جنگل میں داخل ہوئے۔

یوں معلوم ہو رہا ہے جیسے کوئی ہمارا تعاقب کر رہا ہے۔

کندن نے ایک جگہ ٹھہر کر دور پہاڑی سلسلے پر نظر دوڑائی۔

مجھے شہر سے ہی وہم ہو گیا تھا' وہاں بھی ہر آدمی میری جانب آنکھیں پھاڑ کر

دیکھتا تھا۔

لاج سینے پر ہاتھ رکھے گھبرائی ہوئی بولی۔

لیکن کندن کا احساس پشت کی جانب گھوڑے کی ٹاپوں پر اٹکا ہوا تھا۔

چلو نا بابا اب گھر کو۔ وہ بے حد خوفزدہ سی بول اٹھی۔

گھبراؤ نہیں میری زندگی۔

کندن نے یہ کہہ کر تیز دھار خنجر اپنی قمیض سے نکال کر دائیں ہاتھ میں پکڑ اور دوسرے ہاتھ سے لاج کو تھامے جھونپڑی کی جانب چل دیا۔

عبدل شب کے خوف سے واپس لوٹ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس پہاڑوں سے آگے یہ لوگ نہیں جا سکتے۔ اس لیے اس نے فوراً گھوڑے کا رخ محل کی جانب موڑ لیا۔

تمام شب کندن نے کانٹوں پر کاٹ دی۔ لیکن لاج اس کے پہلو میں دبکی پرسکون سوتی رہی۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز کندن کے شفقت بھرے پہلو میں مدہوش تھی۔ بے چین بے قرار جذبات سے وقت بچا کر کندن کبھی کبھی لاج کے الجھے بالوں کو اس کے اناری عارضوں سے ہٹا دیتا اور پھر وہ مستقبل کے خوفناک زہریلے ناگوں کی طرح ڈسنے والے خیالات کا زہر اس کی رگ و پے میں سرایت ہوتا جا رہا تھا۔ کسی انجانے خوف سے اس کا دل خوف سے لرز جاتا اور سارا بدن پسینے سے شرابور ہو جاتا۔ تمام شب اس نے ایسی ہی اذیت میں کاٹ دی۔ وہ ماضی کے زہریلے احساس میں تڑپ رہا تھا۔ اب کیا ہو گا .... اس کو اپنے سر پر ایک اذیت ناک موت رقص کرتی نظر آ رہی تھی۔ کیوں ڈراؤنے سائے اس کو گھیرے ہوئے تھے۔

لیکن لاجونتی پھر بھی کسی کو نہیں ملے گی۔

بڑی شدت سے اس نے لاج کو دبایا۔ اس نے سسکی لی اور پھر گہری نیند سو گئی۔

لاج۔ ایک دم کندن نے لاج کو پکارا۔

اجالا صبح صادق کا پیغام لیے آ پہنچا تھا۔

لاج نے کسمسا کر پھر گہری نیند سونے کی تیاری کی۔

اٹھو، لاجو، دن بہت نکل آیا ہے۔

کندن نے بڑی محبت سے لاج کو بٹھا دیا۔ پھر خود ہی ہنس دیا کیونکہ وہ چہرہ جھکا کر یوں ہی کندن کے ہاتھوں میں جھول رہی تھی۔

اٹھو میری زندگی، تیرے دم سے میری خوشی ہے۔ اٹھو، شاباش۔

کندن نے پیار سے پچکارا اور وہ آنکھیں ملتی ہوئی جھرنے کی جانب چل دی۔

حسب معمول ضروریات سے فارغ ہو کر لاج نے چولہے پر چائے رکھی۔ کندن قریب بیٹھ گیا تھا۔ چائے پکنے کے بعد اس نے ایک پیالہ کندن کو دیا اور دوسرا خود لے کر پینے لگی۔

ٹھک ٹھک۔

کندن ایک دم سے لرز گیا۔

لاج نے خوفزدہ سی پیالی زمین پر رکھ دی۔ کسی انہونی مصیبت نے دونوں کو پریشان کر رکھا تھا۔

بابا۔ دوسری دستک پر لاج نے پھر کندن سے کہا۔

دیکھتا ہوں۔

کندن نے چائے کا پہلا گھونٹ حلق سے اتارا اور دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

تم، پھر۔ کندن بے چین تیز آواز سے گرجا۔

کندن، تم یہاں۔

شمی جو روشن کی پشت پر کھڑی تھی فوراً پہچان گئی۔

ایک طویل عرصے کے بعد عورت کی زبان سے اپنا نام سن کر وہ سکتہ کے عالم میں شمی کو گھورتا رہا۔

پہچانو مجھے۔

اس قیامت خیز تصادم نے دونوں کی روحیں تڑپا دیں۔

کندن۔ شمی چیخ اٹھی۔

چلی جاؤ یہاں سے، تمہیں کس نے یہاں آنے کے لیے کہا تھا۔

کندن نے انتہائی بے رخی اور بے اعتنائی سے رخ موڑ لیا۔

اتنی مدت کے بعد ملے ہو تو پھر بھی تمہاری بیگانگی میں فرق نہیں آیا۔

شمی سسک اٹھی۔

روشن کی قوت گویائی چند ثانئے کے لیے سلب ہو چکی تھی۔

شمی واپس لوٹ جاؤ، میں اب تمہارے قابل نہیں رہا۔

کندن کا لہجہ بے حد تلخ تھا۔

اپنے لہجے کے وزن کو کم کرو، اب میں تمہیں لے کر جاؤں گی۔

شمی بھی کرخت ہو گئی۔ اس کی بوڑھی رگوں میں پھر پچیس سال پہلے کا جوان خون دوڑنے لگا۔

ہرگز نہیں، میری تقدیر بھی اگر چاہے تو ایسا نہیں کر سکتی۔

کندن کا ارادہ اٹل تھا۔ وہ چٹان کی طرح سخت ہو گیا۔

مت بھولو کہ آج میں تنہا ہوں، میرے ساتھ تیرا جوان بیٹا ہے۔

شمی نے سینے پر بڑے تفاخر سے ہاتھ مارا۔

مجھے سب معلوم ہے، لیکن یہ باتیں مجھے رام نہ کر سکیں گی۔

کندن نے زہر آلود نظریں روشن پر ڈالیں۔

اماں، یہ میرا باپ، کیا کہہ رہی ہو۔

روشن نے تذبذب کے عالم میں ماں سے سوال کیا۔

ہاں بیٹے، یہ تیرا باپ ہے جو ایک عورت کے لیے دوسری عورت کو برباد کر چکا ہے۔

عورت کو عورت پر قربان کر چکا ہے۔

شمی کے انداز میں تمسخر عیاں تھا۔

شمی۔ کندن گرجا، آنکھیں شعلہ بار تھیں۔

آہستہ بولو، اب کوئی تمہیں دلاسا دینے لاجونتی نہیں آئے گی۔ آخر اس کی قبر کو کب تک پوجتے رہو گے۔

شمی نے ایک ابرو کو چڑھا کر رکیک انداز میں کہا۔

بابا۔ اسی وقت لاج نے کندن کو پکارا۔

لاجونتی، تو زندہ ہے، کیا تجھے موت نہیں آئی۔

تیری جوانی میں کوئی فرق نہیں آیا۔

لاج کو دیکھ کر جیسے شمی حواس کھونے لگی۔ وہی صورت وہی ناک نقشہ دیکھ کر وہ دریائے حیرت میں ڈوب گئی۔

ہاں، زندہ ہے لاجونتی، اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔

کندن نے ہاں پر زور دے کر لمبا کرتے لاج کو قریب کر لیا۔

لاج۔

گم سم سا روشن لاج کو دیکھتا رہ گیا مگر سہمی سہمی سی لاج کسی قدر مظلوم لگ رہی تھی۔ اسے لاج کی محرومی پر ترس آنے لگا تھا۔ محلوں کی پروردہ لاج، اس ویرانے میں ایک ایک خوشی کو بھی ترس رہی تھی۔ روشن نے محو خواب نظروں سے لاج کو دیکھا۔ وہ درد بھرے افسانے چھیڑ رہی تھی۔

بابا، واپس چلو۔

وہ کندن کو اس قدر پریشان اور روشن کو کبیدہ خاطر نہ دیکھ سکتی تھی۔

روشن معاملے کی نوعیت کو اچھی طرح سمجھ چکا تھا۔

ماں کا اصرار۔ باپ کا انکار۔

روشن کو شدید تکلیف ہو رہی تھی۔

بابا جان، آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہو گا۔

روشن نے بے دھڑک قریب جا کر کندن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

نہیں نہیں، تم لوگ کیوں میرا سکون تباہ کرنے آ گئے ہو۔

کندن کی سانس پھول رہی تھی اور وہ لاج کے بازو کو پکڑے بری طرح ہانپ رہا تھا۔

ہم لوگوں نے آپ کا سکون تباہ نہیں کیا بلکہ آپ کی غلط روش نے آپ کو تباہ کر دیا ہے۔ روشن بظاہر نرمی اختیار کر رہا تھا لیکن الفاظ میں چھپی ہوئی تلخی کندن جیسا سمجھدار انسان بخوبی سمجھ سکتا تھا۔

مجھے تمہاری فضول بحث کی ضرورت نہیں، تم لوگ جاؤ، پہلے کی طرح زندگی بسر کرو۔

کندن کی زبردست بے اعتنائی پر شمی کے تن من کو آگ لگ گئی۔ وہ سراپا شعلہ بن کر کندن کی جانب لپکی۔

تمہیں میں ہرگز اس ڈائن کے ساتھ رہنے کی اجازت ...

شمی۔ کندن نے پوری طاقت سے چیخ کر لاج کو ساتھ لگا لیا۔

خبردار جو اس سے آگے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا۔ میں زندہ ہوں تو صرف اس کے لیے۔ مروں گا تو صرف اس کے لیے۔

کندن نے ایک نظر لاج کی سہمی صورت کو دیکھا۔

آپ لاج کو ساتھ لے آئیں۔

روشن نے دوسرا حربہ استعمال کیا۔

نہیں، میرے علاوہ ہر تیسرا شخص لاج کا دشمن ہے۔ اس لیے میں اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں دینا چاہتا.... جس سے محبت کی جائے اس کو تو سوئی جتنی بھی تکلیف نہیں دی جاتی۔

شمی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

خود غرض انسان تو آج تک اپنی غرض کے لیے ہمارے جذبات سے کھیلتا رہا ہے۔ لیکن اب تمہیں اس عورت کے سحر میں نہیں رہنے دوں گی۔ تمہیں سیدھی طرح یہاں سے چلنا....

شمی ابھی بات بھی مکمل نہ کرنے پائی تھی کہ جوش غضب کا ہاتھ اٹھا اور شمی لڑھک کر چند قدم دور جا گری۔

بوڑھے۔

اب میں تیری سفاکی، درندگی برداشت نہیں کروں گا۔ تو ساری زندگی میری ماں کے پاکیزہ احساسات سے کھیلتا رہا ہے لیکن اب تیرا دور گزر چکا ہے۔ روشن کی رگیں پھول گئیں۔ وہ شمی کو سیدھا کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

میں کہتا ہوں چلے جاؤ یہاں سے۔ میرے ٹھہرے ہوئے سکون میں طلاطم پیدا

کرنے والو۔ میں تمہاری صورت نہیں دیکھنا چاہتا، مجھے کسی کی ضرورت نہیں۔

روشن آہستہ آہستہ کندن کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مت بھولو کہ میں بوڑھا ہوں۔ میرے بدن میں اتنی طاقت ہے کہ میں تم جیسے کئی نوجوان پچھاڑ سکتا ہوں۔

اس کے ساتھ ہی لاج کی چیخ نکل گئی۔

کندن نے روشن کو گریبان سے پکڑ کر پوری طاقت سے دھکا دیا۔ روشن اس اچانک حملے کے لیے بالکل تیار نہ تھا۔ اگر وہ سنبھل نہ جاتا تو یقیناً" سامنے نوکیلے پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔

روشن نے اٹھتے ہوئے نفرت و حقارت سے بھرپور نظریں اس باپ پر ڈالیں جو تمام زندگی اولاد کے حقوق کو فراموش کرتا رہا تھا۔

شمی بت کی طرح خاموش باپ بیٹے کو الجھتا ہوا دیکھ رہی تھی جو ایک ہی عورت کے ہاتھوں برباد ہو چکے تھے۔

لاج کے بدن میں خون کی کوئی رمق نظر نہ آ رہی تھی۔

دونوں عورتوں کی قوت گویائی سلب ہو چکی تھی۔ لاج اور شمی دونوں کے جسموں میں حرارت ساتھ دینے سے انکار کر چکی تھی کہ وہ باپ بیٹے کو کسی ردعمل سے باز رکھ سکیں۔

روشن ہر قسم کے پدری ادب و لحاظ کو یکسر فراموش کرتا کندن کی جانب بڑھا۔

بابا، لاج کو میرے حوالے کر دو ورنہ ....

وہ وحشیانہ انداز میں کندن کی جانب بڑھا۔

لیکن کندن سیسہ پلائی دیوار تھی جسے اس جہاں کی کوئی طاقت نہ اڑا سکتی۔ اس نے لاج کو پوری طرح اپنی پشت کی پناہ میں لے لیا۔

ہنہ، مت بھول بیٹے، تم میرے بیٹے ہو، تمہاری رگوں میں میرا خون ہے اور میں تیری رگوں میں گردش کرتا خون روک سکتا ہوں۔

پھر ------ نہ جانے کیا ہوا کندن نے روشن کو زبردست طریقے سے اس طرح مغلوب کیا کہ وہ کندن کے نیچے بے حس و حرکت پڑا تھا اور کندن اس کے سینے

پر چڑھا بری طرح چیخا۔

اس سے پہلے کہ تو میرے حق پر ڈاکہ ڈالے میں تیرا خاتمہ ....

کندن نے قمیض کے اندر سے تیز دھار چاقو نکالا اور روشن کے سینے میں گھونپ دینا چاہا۔

بابا' اسے نہ مارو بابا۔

لاج بے تاب و بے قرار پاگل ہرنی کی طرح کندن کی طرف بڑھی اور کندن کی پشت سے یوں چمٹ گئی جیسے اس کے وجود میں سما جائے گی۔

بابا' تجھے تیری لاج کا واسطہ یہ ظلم نہ کرنا' چھوڑ دو روشن کو' اس کا کوئی قصور نہیں بابا' مجھے قتل کر دو۔

لاج اپنے سر کو کندن کی پشت سے ٹکرا ٹکرا کر روتی رہی۔

لاجو۔

لاجو۔

بیک وقت کندن اور روشن کے منہ سے مضطرب آوازیں نکلیں۔

میری روح ۔

کائنات تھرا گئی۔

کندن تڑپ کر اٹھا اور لاج کو کھینچ کر قریب کر لیا اور دونوں ہاتھوں سے اس کے بھیگے ہوئے چہرے کو صاف کر دیا۔

روشن ماں کی طرف بڑھ گیا۔

لیکن شمی اس سانحہ کو برداشت نہ کر سکی اور وہ پہلے تڑپی اور پھر بیٹے کی گود میں سسک سسک کر دم دے دیا۔

لاج خوفزدہ سی چاروں جانب دیکھنے لگی۔

روشن کی رگوں میں خون منجمد ہو گیا۔ دماغ اس طرح سن ہو گیا جیسے کسی نے برف کی سل رکھ دی ہو۔

[illegible]ن۔

[illegible] انداز میں چاروں جانب طائرانہ نظریں اٹھا کر رہ گیا لیکن اس کی

نظروں کا رخ جہاں تک تھا وہاں سے واپس نہ آ سکا۔ انیس سال پرانے اہل محل اس کی جھونپڑی کو نرغے میں لے چکے تھے۔ موت اس کے سامنے رقص کناں تھی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا خنجر دوبارہ قمیض کے اندر اڑس لیا اور اپنے اردگرد نواب حیدر زمان کے آدمیوں کو ایک ایک کر کے بغور دیکھا۔

روشن نے چونک کر زبردست تڑپ کے ساتھ ماں کی لاش کو واپس زمین کے سینے پر لٹا دیا جس پر تیز رفتار ہوا نے خود ہی اس کی چادر اوڑھا دی تھی۔

وہ حسرت و یاس کی تصویر بنا کھڑا ہو گیا۔

کندن نے ایک نظر بیٹے کو دیکھا جس میں موت کا پیغام شامل تھا اور اپنی جذباتی فتح بھی تھی۔

لیکن معصوم لاج اس ہنگامے کا بالکل مطلب نہ سمجھ سکی۔ وہ گم سم خاموش سب منظر ایک تصویر کی مانند دیکھ رہی تھی۔

گرفتار کر لو۔

اچانک جم غفیر میں سے تیز و تند اور بارعب آواز بلند ہوئی۔

نواب حیدر زمان کے حکم کی تعمیل ہوتے ہی کندن اور روشن کو گرفتار کر کے گھوڑوں پر لاد لیا گیا۔

لاج کو شہباز کے ساتھ جکڑ کر بٹھا دیا گیا۔ اس کو کہاں لے جایا جا رہا تھا' اسے صرف کندن اور روشن کی رفاقت چاہئے تھی۔ اسے محبت کے لیے کندن اور پرسکون زندگی گزارنے کے لیے روشن کی ضرورت تھی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ کندن اور روشن کو محل کے جیل خانے میں بے سروسامان قید کر دیا گیا اور لاج کو اس کی ماں لاجونتی کے کمرے میں ساری دنیا کی آسائشیں مہیا کی گئیں۔

لیکن وہ کیا چاہتی تھی۔

سمن بیٹی۔ نواب حیدر زمان اچانک اس کے قریب آ گئے۔

جی' نواب صاحب۔ لاج مسہری سے چونک کر کھڑی ہو گئی۔

بیٹھو بیٹی۔

وہ اسے [illegible] سے لگانا چاہتے تھے لیکن وہ بے پناہ محبت میں پلی لاج کو اپنی محبت

نہ دے سکے۔ اس نے تو لازوال محبت پائی تھی۔ نواب حیدر زمان کیا جانیں محبت کیا ہے۔ وہ صرف چند قدم دور لاج کو بغور دیکھتے رہے جو ہو بہو لاجونتی کی تصویر تھی۔

نواب صاحب۔ وہ روتی ہوئی نواب حیدر زمان کی طرف بڑھی۔

میری بیٹی' میں تمہارا باپ ہوں' مجھے بابا جانی کہو۔ شہباز کی طرح۔ وہ تیرا بھائی ہے۔

نواب حیدر زمان نے اداس نظریں لاج کے چہرے پر ڈال دیں۔

نہیں میرا کوئی نہیں' مجھے صرف بابا اور روشن چاہیئے۔ میں ان کی ہوں وہ میرے ہیں۔

لاج ہاتھوں پر سر رکھے سسک سسک کر رو دی۔

اور .... نواب حیدر زمان نفرت سے منہ پھیر کر کمرے سے نکل گئے۔

عین اسی وقت کنیز نے لاج کو پکڑ کر سنگ مرمر کی کرسی پر بٹھا دیا۔ دوسری طرف سے خوبصورت چاندی کی طشتری میں سیب کا مشروب آ گیا۔

لیجئے' سمن شہزادی' طبیعت بہل جائے گی۔

ایک کنیز نے لاج کے خوبصورت چہرے کو بغور دیکھا۔

نہیں۔ لاج نے ناگواری سے منہ پھیر لیا۔

لے لیجئے چھوٹی سرکار۔ کنیز نے کہا۔

یہ چیزیں ہمیں سکون نہیں دے سکتیں۔

سکون کیسے ملتا۔ پل پل قربان ہونے کو کندن اور دل کو فرحت بخشنے کے لیے روشن اور یہاں وہ تنہا کنیزوں کے سہارے پڑی تھی۔

گلفام۔

قریب کھڑی کنیز کے شانے پکڑ کر وہ رو دی۔

آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔

گلفام نے جھک کر لاج کے ہاتھ تھام لیے۔

ہمیں یہاں قید کیوں کیا گیا ہے۔ کیا بگاڑا ہے بابا نے۔ روشن کو کیوں ساتھ لے گئے ہیں وہ لوگ۔

وہ روتے روتے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر گئی۔

لیکن گلفام کچھ نہ جانتی تھی۔ وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ ملکہ لاجونتی کی بیٹی لاج (سمن) کل ایک جنگل سے ملی ہے۔

آپ آرام کیجئے۔

گلفام نے لاج کو بڑی احتیاط سے قیمتی ریشمی بستر سے مزین مسہری پر لٹا دیا اور خود کمرے سے نکل گئی۔

وہ مستقبل کے ڈراؤنے خوابوں میں گم دنیا و مافیہا سے بے خبر پڑی رہی۔ یہ آرام وہ بستر' یہ آسائشیں' یہ آرائشیں اسے کاٹنے کو دوڑتی تھیں۔ اسے صرف کندن اور روشن چاہیئے تھے۔ وہ کہاں سے ان کو لائے۔

وہ تمام شب ماہی بے آب کی طرح تڑپ تڑپ کر کروٹیں بدلتی رہی۔ کہاں وہ ہر شب، کندن کی گود میں سویا کرتی تھی اور آج .... یہ نرم بستر کانٹوں کی سیج لگ رہا تھا۔

کون جانے کون لٹ گیا۔

کون راستے سے بچھڑ گیا۔

کون کس کے لیے منزل آخرت کو جانے والا تھا۔



شہر میں جشن چراغاں تھا۔ روشن ہی روشن راستے۔ ہر چوک روشنی میں نہایا ہوا تھا۔ کیوں نہ ہوتا ایک طویل مدت کے بعد نواب حیدر زمان کی حسین بیوی کی ہو بہو تصویر ان کی پیاری بیٹی سمن جو مل گئی تھی۔ جس رسوائی کو نواب حیدر زمان نے مٹانا چاہا تھا وہ آج شہر کے بچے بچے کی زبان پر دوبارہ لوٹ آئی تھی۔ لاجونتی کا لگایا ہوا داغ انمٹ بن چکا تھا۔ رسوائیاں اہل محل کے مقدر میں لکھی گئی تھیں۔ نواب حیدر زمان کو بیٹی کو پا لینے کی بے حد خوشی تھی لیکن اس کو دیکھ لینے سے مندمل زخموں سے پھر ٹیسیں سی اٹھنے لگی تھی۔ دل پکے ہوئے پھوڑے کی مانند دکھنے لگا تھا۔ وہ بیٹی کو دل سے لگا کر جی بھر کر پیار دینا چاہتے تھے لیکن ایسا کیوں نہیں کر سکتے تھے۔ لاجونتی کی بےرخی' نفرت ان کے راستے کی دیوار تھی۔ وہ سمن کو نظروں کی گود میں

بٹھاتے تھے لیکن سینے کے ساتھ نہ لگا سکے۔ وہ کڑھتے رہے، تڑپتے رہے، مچلتے رہے۔ دل کا ناسور رستا رہا۔ اتنی مدت کے بعد ملنے والی بیٹی باپ کے لیے اداس نہ تھی۔ وہ کندن کے لیے اداس تھی، روشن کے لیے بے چین تھی۔

شام کے دھندلکے چھانے لگے تھے۔ اس نے چیخ چیخ کر محل کو سر پر اٹھا لیا تھا۔ وہ کنیزوں سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس حسین قید میں وہ پرسکون نہیں تھی۔ مسلسل تڑپ نے اس کو بے چین کر دیا اور سسک سسک کر بے ہوش ہو گئی۔ اچانک نواب حیدر زمان کو خبر ہو گئی اور وہ اپنی بیوی کے ہمراہ لاج کی خواب گاہ میں آئے۔

کنیزوں نے گلاب کا عرق چھڑکا اور اٹھا کر مسہری پر لٹا دیا۔

نواب صاحب، رانی، خدا کا واسطہ مجھے یہاں قید نہ کرو، میں جنگلوں میں رہنے والی، بھلا کیا جانوں ان اصولوں کو۔ مجھے یہاں سے نکال دو اور مجھے میرا کندن بابا دے دو۔ مجھے میرے روشن کے پاس لے چلو۔ میں ان کے بغیر زندہ ...

لڑکی۔

نواب حیدر زمان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ سمندر میں طوفان آ گیا۔ وہ پوری طاقت سے گرجے کہ کمرے کی دیواریں لرز گئیں۔

لاج نے تڑپ کر حیرت زدہ سی ان کے بگڑتے تیور دیکھے۔

اب ہم اپنے وقار کی دھجیاں نہیں اڑنے دیں گے۔ ہماری عظمت کا محل لاجونتی نے زمین بوس کیا تھا۔ کندن نے ہماری عزت و ناموس کا جنازہ سرعام نکالا تھا جس کی کسک ہمیں اکیس سال تڑپاتی رہی۔ ہم نے شہر کے ذرے ذرے کو چھان مارا لیکن تمہارا وجود اس خبیث نے نہ جانے کہاں چھپا رکھا تھا۔

نواب حیدر زمان نے دانت پیسے اور وہ خواب گاہ میں بے قرار مضطرب انداز میں چکر لگانے لگے۔

اور وہ رو رو کر ہلکان ہوتی رہی۔

میں یہاں نہیں رہوں گی۔ مجھے میرے بابا سے ملا دو۔

اور روشن ....

نواب حیدر زمان بے چین ہو کر گرجے۔

روشن، میری روح، اس سے میری شادی ہو گی۔

لاج انجانے سے حسین خواب میں دلہن بنی مسکرا دی۔

یہ تو نے اچھا نہیں کیا سمن، ہم اپنے سے ٹکرانے والے کو پاش پاش کر دیں گے۔

نواب صاحب محبت ان آسائشوں کی مرہون منت نہیں۔

لاج کے نرم و نازک وجود میں چٹان کی سی سختی آ گئی۔

ظالم وجود کے پروردہ نواب حیدر زمان یہ گستاخی برداشت نہ کر سکے۔ ان کا ہاتھ تیزی سے اٹھا اور لاج کے مرمریں رخسار کو گلنار کر دیا۔

ہم روشن اور کندن کو ختم کر دیں گے۔

وہ بڑے مستحکم ارادے اور خوفناک عزم سے خواب گاہ کا پردہ اٹھا کر غلام گردش پار کر گئے اور لاج مسہری کی پٹی پکڑے سسکتی رہ گئی۔

شہباز نے نفرت و حقارت سے پاؤں جھٹکے اور محل کی دوسری سمت غائب ہو گئے۔

○

پھندے لٹک رہے تھے۔ دور محل کے مغربی حصے کے ایک ویرانے میں کندن اور روشن کو پھانسی دینے کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ یہ عبرت ناک منظر دیکھنے کے لیے اہل محل ہی شریک نہ تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی شامل کیا گیا تھا۔ کندن اور روشن محبت کے پجاری چند سپاہیوں کے ساتھ چلے آ رہے تھے۔

چہروں پر انتہائی متانت، رعونت اور بے باکی تھی۔ کندن کے چہرے سے ازلی مستقل مزاجی عیاں تھی۔ اور روشن کے چہرے پر پاکیزہ محبت کا عکس رقص کناں تھا۔

میرے بچے۔

کندن نے آخری بار بازو پھیلا دیے۔ آخری بار بیٹے کی محبت نے جوش مارا۔

بابا۔

وہ بے قرار و بے تاب ہو کر باپ کے سینے سے چمٹ گیا۔ روشن کے اس

جذبے میں سارے جہاں کی محبت سمٹ آئی تھی۔

کندن نے آج پہلی اور آخری بار بیٹے کو طویل بوسہ دیا۔ روشن مسکرایا۔ پھ
دونوں نے سامنے محل کی اس کھڑکی کو دیکھا جس کا پردہ اٹھا تو لاج وہاں اداس و ب
قرار آنسوؤں سے بھیگی آنکھیں لیے کھڑی تھی۔

نواب حیدر زمان کا اشارہ ہوا۔ ریشمی رومال حرکت میں آیا اور ظالم جلادوں
نے پھندے کھینچ لیے۔ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ لاج نے بازو پھیلا دیے اور پھ
دوسرے ہی لمحے کھڑکی بند کر دی۔

وہ دیوانہ وار ساری زنجیریں ایک ساتھ توڑ کر کندن اور روشن کو آنکھوں میں
سمائے وہاں مقتل میں چلی آئی۔

کندن اور روشن کی بے کس لاشوں کو زمین پر پھینک دیا گیا تھا۔ بہت لوگوں
نے لاج کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ ایک موج کی طرح لوگوں کے جم غفیر کو چیرتی
آگے بڑھ گئی۔ عشق صادق' بے خودی اور دیوانگی کے عالم میں اسے وہاں لے آیا
تھا۔

روشن' میری جان سے پیارے روشن' کیسے جیوں گی تمہارے بغیر۔

اس نے جھک کر باری باری کندن اور روشن کی پیشانی پر بوسے دیے۔ پھر....
اس کے حواس پر بجلی سی گری اور وہ بے جان ہو کر ایک طرف لڑھک گئی اور اس
طرح وہ محبت کی آگ میں جل کر راکھ ہو گئی۔ وہ کندن اور روشن کے قدموں پر
جھک گئی تھی جیسے محبت کے لافانی جذبوں کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔

نازک روح نرم و کومل جسم کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ محبت کی راہوں میں تین
لاشیں پڑیں' زمانے کی بے ثباتی کے لیے نوحہ کناں تھیں۔

جم غفیر اپنے دلی جذبوں کے ساتھ ساکت و جامد کھڑا ان پجاریوں کو دیکھ رہا تھا
جو پریت کو پوجا سمجھ کر تمام عمر اسی ریاضت میں مگن رہتے تھے۔

تمت بالخیر